علمی، فنی، تاریخی ادبی، فلسفی، سیاسی، مذہبی

اور متفرق مضامین کا بہترین مجموعہ

میری ڈائری

جلد اول

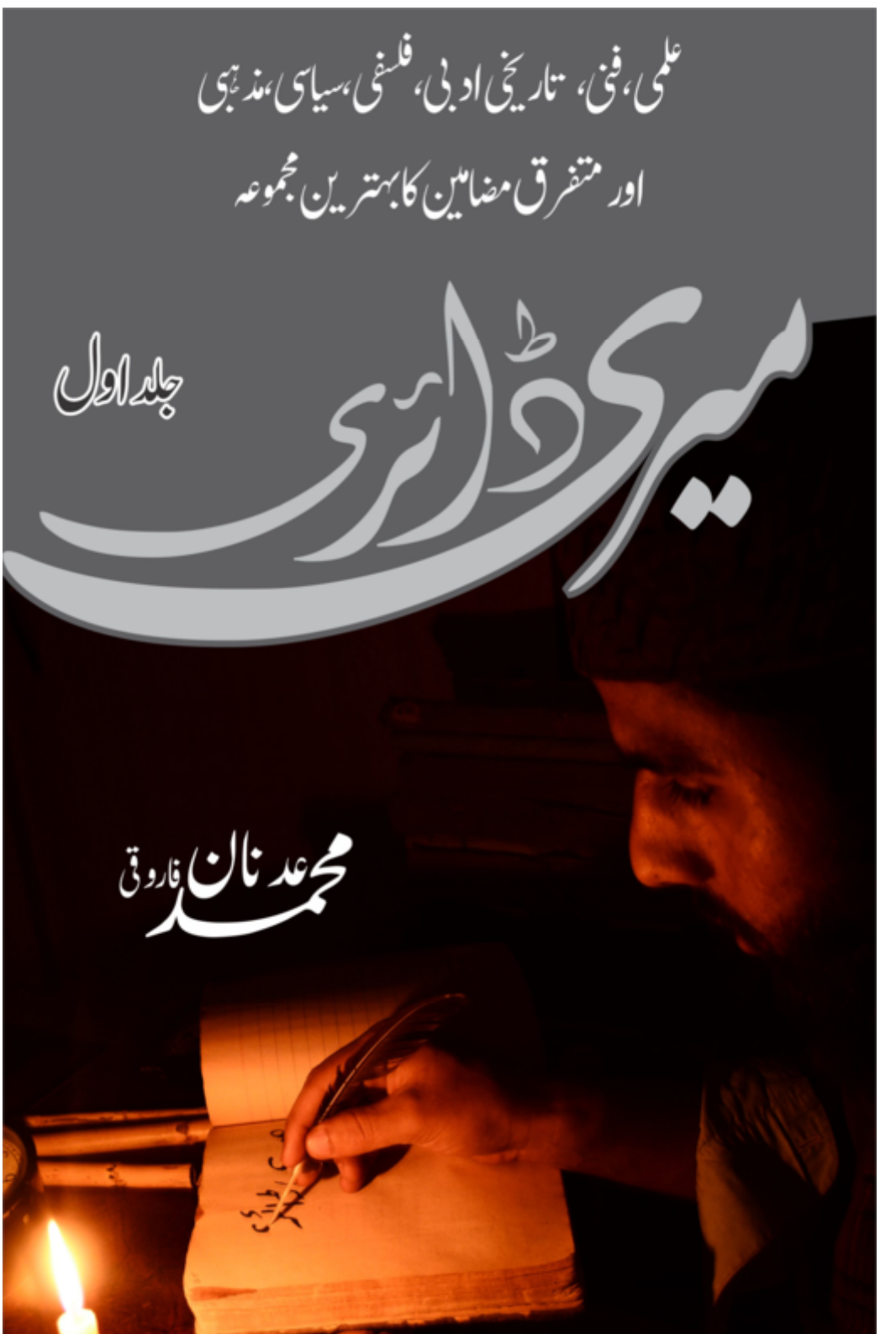

محمد عدنان فاروقی

جلد اول

میری ڈائری

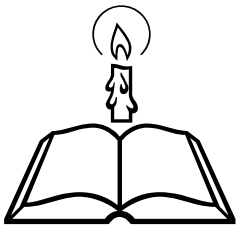

محمد عدنان فاروقی

تفصیلات

نام کتاب ـــــــــــــــــ میری ڈائری (جلد اول)

مؤلف ـــــــــــــــــ محمد عدنان فاروقی

سنہ اشاعت ـــــــــــــــــ سنہ ۲۰۲۲ء/ سنہ ۱۴۴۳ھ

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	انتساب	۱۰
۲	پیش لفظ	۱۲
۳	قرآن مجید	۱۴
۴	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت	۱۴
۵	انمول باتیں	۱۴
۶	اعتقادی اختلافات کی ابتداء	۱۶
۷	بالوں کو سیاہ کرنا	۱۶
۸	ایک دیہاتی کی جہالت	۱۷
۹	حلال کمائی دعا کی قبولیت کا سبب ہے	۱۷
۱۰	تین بڑے گناہ	۱۹
۱۱	ایک خلیفہ کا اپنے بیٹے کی شادی	۲۰
۱۲	والدین کی ناراضگی ختم کرنے کے گُر	۲۱
۱۳	خلوت کے گناہ	۲۴
۱۴	جب ایک عورت نے اپنے شوہر کی مردانگی کو للکارا	۲۶
۱۵	قرآن پڑھا کریں	۲۸

۱۶	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی نشانی بزبانی صدیقؓ	۲۹
۱۷	کتاب، باب، فصل اور مسئلہ میں فرق	۳۱
۱۸	لفظ اللہ اور لفظ خدا کے استعمال میں فرق	۳۲
۱۹	آداب	۳۳
۲۰	وضو کے آداب	۳۳
۲۱	کتاب دانشوروں کی نظر میں	۵۶
۲۲	حضرت لقمان حکیم کی نصیحت	۵۷
۲۳	مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ایمان لانے کا سبب	۵۷
۲۴	نظر کا لگ جانا حق ہے	۵۷
۲۵	ایک کتاب کی ترتیب کے لئے دو مرتبہ کرۂ ارض کا سفر	۵۸
۲۶	مطالعہ کی اہمیت	۵۸
۲۷	اللہ کا نظام	۵۹
۲۸	اقوال زریں	۶۰
۲۹	بیش بہا نصیحتیں	۶۴
۳۰	امام شافعیؒ کا سفر نامہ	۶۴
۳۱	علم نحو کی کہانی	۸۴
۳۲	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا تاریخی جنازہ	۸۷
۳۳	یونیورسٹی کی باپردہ طالبہ کی تاریخی جرأت	۸۸

۳۴	حضرت خضر علیہ السلام کا تعجب خیز تاریخی قصہ	۸۹
۳۵	سائنس کہتی ہے کہ معراج رسول عین ممکن ہے	۹۲
۳۶	عشق کیا چیز ہے!	۹۴
۳۷	اپریل فول (April Fool) کی حقیقت	۹۸
۳۸	صحابہ کو برا مت کہو (ایک واقعہ)	۱۰۱
۳۹	سور چربی کی تاریخ	۱۰۳
۴۰	خلیفہ ہارون الرشید کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۰۶
۴۱	شیر کی خصوصیات	۱۰۶
۴۲	ایک بادشاہ کی توبہ	۱۰۷
۴۳	خرگوش کی خصوصیات	۱۰۹
۴۴	چار قسم کے جاندار جن کو حیض آتا ہے	۱۰۹
۴۵	مچھر کی حیرت انگیز قوت	۱۰۹
۴۶	امام زمخشری نے خطبہ بدل دیا	۱۱۰
۴۷	چیل کا ایک عجیب واقعہ	۱۱۱
۴۸	شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامت	۱۱۲
۴۹	نوشیروان بادشاہ کے سوالات اور حکیم بزرجمہر کے جوابات	۱۱۲
۵۰	ابلیس کے ہاں بنی آدم کے تین قسمیں	۱۱۵
۵۱	حکیم لقمان کی ذہانت کا ایک واقعہ	۱۱۶

۵۲	انسان نما ایک جانور (الشیخ الیہودی)	۱۱۷
۵۳	والدہ کی بددعا کا نتیجہ	۱۱۷
۵۴	حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ	۱۱۸
۵۵	ایک عجیب حکایت	۱۲۱
۵۶	قصہ ذوالقرنین	۱۲۲
۵۷	چند بری باتیں	۱۲۷
۵۸	حضرت نوحؑ کی کشتی کا رقبہ	۱۲۸
۵۹	کشتی سازی کی مدت	۱۲۹
۶۰	بنی اسرائیل کی ایک مسخ شدہ قوم	۱۲۹
۶۱	ایک عبرت انگیز واقعہ	۱۳۰
۶۲	حیرت انگیز داستان	۱۳۱
۶۳	حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ	۱۳۳
۶۴	مسلمانوں کے عظیم سائنس دان ''الحازن''	۱۳۴
۶۵	حکمائے فلاسفہ	۱۳۹
۶۶	حضرت لقمان حکیم:	۱۳۹
۶۷	فیثاغورث	۱۳۹
۶۸	انتافلس:	۱۴۰
۶۹	افلاطون	۱۴۰

۷۰	ارسطو	۱۴۱
۷۱	دیمقراطیس	۱۴۲
۷۲	اُقلِیدس	۱۴۲
۷۳	جالینوس	۱۴۳
۷۴	بقراط	۱۴۳
۷۵	سقراط	۱۴۴
۷۶	دیوجانس کلبی	۱۴۴
۷۷	بقراطیس	۱۴۵
۷۸	بلیناس	۱۴۵
۷۹	جاماسپ	۱۴۵
۸۰	ارجاسپ	۱۴۶
۸۱	بزرجمہر	۱۴۶
۸۲	حکیم بید پائے برہمن	۱۴۶
۸۳	عمر خیام نیشاپوری	۱۴۶
۸۴	ابونصر فارابی	۱۴۷
۸۵	ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا	۱۴۸
۸۶	شہاب الدین مقتول	۱۵۰
۸۷	حکیم ناصر خسرو	۱۵۱

۸۸	خواجہ نصیرالدین طوسی	۱۵۱
۸۹	یعقوب کندی	۱۵۲
۹۰	یحی بن ابی منصور	۱۵۲
۹۱	عباس بن سعید جوہری	۱۵۳
۹۲	ابوالطیب سند بن علی	۱۵۴
۹۳	محمد بن موسی خوارزمی	۱۵۴
۹۴	محمد بن زکریا رازی	۱۵۴
۹۵	ابومحمد العدلی القاینی	۱۵۵
۹۶	حکیم ابوالوفاء بوزجانی	۱۵۶
۹۷	ابوالقاسم علی بن الحسن العلوی المعروف بابن الاعلم	۱۵۷
۹۸	لاؤزے	۱۵۷
۹۹	ہیراکلیتس	۱۵۹
۱۰۰	اناکساغورث	۱۶۰
۱۰۱	ابن رشد	۱۶۱
۱۰۲	امام غزالیؒ:	۱۶۳
۱۰۳	قرآن کی ضرورت کیوں ہے	۱۶۵
۱۰۴	حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے (سائنسی تحقیق)	۱۸۷

۱۰۵	انسان کی پیدائش کے ۷ مراحل کو قرآن نے ذکر کیا تو سائنس داں حیران رہ گئے	۱۸۹
۱۰۶	سور کا گوشت واقعی حرام ہونا چاہئے (سائنسی تحقیق)	۱۹۶
۱۰۷	مسیحی عقائد میں فلسفہ کی آمیزش	۱۹۸
۱۰۸	سائنس اور مذہب کی حقیقت	۲۰۶
۱۰۹	عورتوں کے لئے پردہ کیوں ضروری ہے؟	۲۲۰
۱۱۰	انسان کے دل میں "خواطر" کی پیدائش	۲۲۷
۱۱۱	امام صاحب، فجر کی نماز اور غلطی	۲۳۲
۱۱۲	بت خانہ بھی رہا، کبھی یہ کعبۂ دل	۲۳۳
۱۱۳	ایثار و ہمدردی کا ایک انوکھا واقعہ	۲۳۳
۱۱۴	بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا	۲۳۵
۱۱۵	مکافات عمل	۲۳۵
۱۱۶	بے بسی	۲۳۹
۱۱۷	کردار کا غازی	۲۳۹
۱۱۸	حجاج کے ساتھ ایک دیہاتی کی حکیمانہ گفتگو	۲۴۱
۱۱۹	حکیمانہ دعا	۲۴۲
۱۲۰	بصیرت افروز جواب کی تاثیر	۲۴۲
۱۲۱	ایک درویش کی نصیحت بادشاہ کے جان کو بچالیا	۲۴۴

۱۲۲	ظلمت سے اجالے تک	۲۴۶
۱۲۳	بغداد میں تاتاریوں کا فتنہ	۲۵۷
۱۲۴	نابینے، برص زدہ اور گنجے کا قصہ	۲۶۰
۱۲۵	انسان تقدیر کے آگے بے بس ہے	۲۶۲
۱۲۶	بزرگوں کا دامن مت چھوڑو	۲۶۳
۱۲۷	دشمن کی موت پر خوش مت ہوجاؤ	۲۶۳
۱۲۸	اپنا راز کسی پر ظاہر نہ کرو	۲۶۴
۱۲۹	ہمت نہیں ہارنی چاہیے	۲۶۵
۱۳۰	کتے سے زیادہ مسکینیت کسی میں نہیں	۲۶۶
۱۳۱	سخی اور بخیل میں فرق	۲۶۶
۱۳۲	فطرت تبدیل نہیں ہوتی	۲۶۷
۱۳۳	عبداللہ بن تامر کی آزمائش اور ان کی شہادت	۲۶۷
۱۳۴	حضرت بایزید بسطامیؒ کا یہودی سے مناظرہ	۲۷۴
۱۳۵	جرمنی کے ایک باشندے کا عبرتناک واقعہ	۲۸۰
۱۳۶	ایک نومسلم عورت کے قبول اسلام کا عبرت انگیز واقعہ	۲۸۳
۱۳۷	ایک عالم ہے ثناخواں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا	۲۸۷
۱۳۸	میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟	۲۹۸
۱۳۹	اسلام سے میری وابستگی	۳۳۹

۱۴۰	غزوہ بدر، جرأت وعزیمت واستقامت کا پیغام	۲۴۱

انتساب

والد صاحب کے نام

جن کے دست شفقت ہمیشہ سر پر رہا

والدہ صاحبہ کے نام

جن کی نیک تمنائیں ہمیشہ ساتھ رہی

مشفق اساتذہ کرام کے نام

جنہوں نے مجھے کتاب سے تعارف کرایا

پیش لفظ

یا رب التجا ہے کرم تو کردے
وہ بات دے قلم کو جو دل پر اثر کردے

میں اپنے اساتذہ کرام سے سنا ہوں کہ کتاب کے مطالعہ میں جو سکوت و راحت ہے وہ دنیا کے کسی اور چیز میں نہیں، کتاب سے بہتر کوئی ہم نشین تلاش کرنا فضول ہے، یہ ہر موقع پر ساتھی اور رفیق ہے۔

جب سے مطالعہ کا شوق دل میں پیدا ہوا ہے تو یقیناً شوق میں اضافہ تو ہو رہا ہے لیکن کمی کا نام نہیں، دنیا میں کسی چیز کا شوق اور جذبہ انسانی فطرت میں ہے اور جب انسان کے دل میں کسی چیز کا شوق پیدا ہو تو وہ اس کو کر ہی لے گا، لیکن وہ شوق پھر ختم ہوگا کبھی نہ کبھی۔ کتاب کا شوق ایسا شوق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا مزید شوق بڑھتا رہے گا۔

''میری ڈائری'' کے نام سے جو کتاب اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، گویا ایک کشکول ہے، میری عادت ہے دوران مطالعہ جب کوئی اچھی بات یا ایسی بات جو آئندہ کام آسکے نظر سے گزرتا تو میں اسے اپنی ڈائری میں لکھ لیتا تاکہ جب اس کی ضرورت پڑی تو بہ آسانی تلاش کرسکوں، جب ڈائری میسر نہ ہوتی تو کتاب کے آخر میں لکھ لیتا پھر اسے اپنی ڈائری میں نقل کرتا۔ اس کے علاوہ جب کوئی اچھی بات سنتا یا کہی کوئی اچھی تحریر زیر نظر ہوتی تو اسے بھی لکھ دیتا۔

چنانچہ سوچا کہ ان باتوں کو یکجا کر کے شائع کروں تا کہ افادۂ عامہ ہو جائے، اور مزید کتابوں سے علمی جواہرات نکال کر اس میں شامل کر دیا ہوں۔

محمد عدنان

۱۹/۴/۲۰۲۲ء

۱۷ رمضان ۱۴۴۳ھ

قرآن مجید

قرآن مجید کا ایک عظیم معجزہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالی نے بذات خود اس کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا، جو بلاشبہ قرآن کا معجزہ ہے، یہی وجہ ہے آج تک اس میں کسی قسم کا شک شبہ پیدا نہیں ہوا اور نہ اس میں تحریف کا شک ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت

آج کل کے فتنوں کو دیکھ کر میرے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاتمیت اور آپ کا نبی ہونا اور مضبوط ہوتی جارہی ہے۔

انمول باتیں

(۱) دوسروں کو خوشی دینے سے اپنے غم کم ہوتے ہیں۔

(۲) دنیا کا خطرناک ترین اسلحہ خوب صورت اور ذہین عورت ہے۔

(۳) کتابیں فروخت کرنے کے لئے ان میں کچھ بازاری باتیں بھی لکھی جاتی ہے۔

(۴) جاہل شخص کبھی اپنی غلطی تسلیم نہیں کرنا۔

اہم بات:

آج کے نوجوان جس عمل کو محبت کا نام دیتے ہیں یہ نفسیاتی خواہشات کی دوسرا نام ہے

کردار

آپ کا کردار ہی آپ کا پہچان ہے!!

ورنہ ایک نام کے لاکھوں انسان ہے۔

لباس قیمتی ہو یا سستا، گھٹیا کردار کو چھپا نہیں سکتا۔

لفظ

لفظوں کے بھی ذائقے ہوتے ہیں، بولنے سے پہلے چکھ لیا کریں۔

نماز

انسان جب خدا کو بھول جاتا ہے تو دل میں پریشانیاں آجاتی ہیں، ان کو نماز ہی کے ذریعے دور کی جاسکتی ہیں۔

انسان

انسان کتنا ظالم ہے خوشی کی لمحات مین خوشیاں دینے والے کو کبھی یاد نہیں کرتا، اور پریشانی کے عالم میں دوبارہ اسے یاد کرلیتا ہے۔

عقلمند

یہ دن تو گزرتے ہیں بے شک کبھی خوشی اور کبھی پریشانی، عقلمند انسان وہ ہے جو ان دنوں سے فائدہ اٹھائیں۔

ماں

جب گھر میں مجھے کوئی کھانے کے لئے نہیں بلاتا تو سمجھ جاتا ہوں میری ماں گھر میں نہیں ہے۔

غصہ

غصے کے وقت برداشت کا ایک لمحہ ہزار بار شرمندہ ہونے سے بچا سکتا ہے۔

(دلچسپ اور انوکھی باتیں)

اعتقادی اختلافات کی ابتداء

مسلمانوں میں اعتقادی اختلافات کی ابتداء مسئلہ قدر تقدیر سے شروع ہوتی ہے۔

(مقالات احسانی از سید مناظر احسن گیلانیؒ)

بالوں کو سیاہ کرنا

اگر بال سفید ہو تو ان کو سیاہ رنگ میں رنگنا مکروہ ہے۔ حضرت حسنؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک قوم کے لوگ سفیدی کو سیاہی سے بدل رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں فرمایا کہ اے اللہ ان کے منہ قیامت کے دن سیاہ کر دے اور ابن عباسؓ راوی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے یہ فرمایا کہ یہ لوگ بہشت کی بو نہیں سونگھیں گے۔

مگر ایسے آدمی کو خضاب سے بال سیاہ کرنے کی اجازت ہے جو یہ چاہے کہ دشمن کو لڑائی میں فریب دوں یا اپنی منکوحہ عورت کو خوش کروں اور فرمانبردار بناؤں اور اس روایت میں زوجہ کا ذکر (بالتبع) ہے قصداً ہرگز نہیں۔

(غنیۃ الطالبین)

ایک دیہاتی کی جہالت

ایک دیہاتی اذان کے وقت سحری کھا رہا تھا، اس سے کہا گیا کہ سحری کا وقت ختم ہوئے تو پانچ منٹ ہو گئے، تو اس نے کہا ہو جانے دے پانچ منٹ بعد روزہ افطار کرلوں گا، اس طرح میرا روزہ پورا ہو جائے گا۔

(فقہی لطائف)

حلال کمائی دعا کی قبولیت کا سبب ہے

حضرت عمرؓ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ تم جاؤ! ملک شام کی گورنری کے لئے، اس نے کہا میں تو ابھی نوجوان ہوں اور مناسب نہیں کہ میں ملک شام کا گورنر بن جاؤں، یہ تو بڑا مشکل کام ہے لہذا آپ کسی اور کو مقرر فرمائیں۔ لیکن حضرت عمرؓ نے مجبور فرمایا پھر وہ چلے گئے اور ساتھ اپنی بیوی کو بھی لے گئے، تو جب وہاں پہنچ گئے تو وہاں بہت سردی تھی، اور اس کی بیوی مالدار تھی، وہ اپنے ساتھ سونے بھی ساتھ لے کر گئی، اور اس کی بیوی نے اس سے کہا کہ یہاں بہت سردی ہے میں آپ کو یہ سونا دیتی ہوں اسے فروخت کر کے چند چادر لے کر آؤ، وہ بازار چلے گئے اور نعرہ لگایا کہ:

این المساکین ؟ این المسافر ؟ این الفقراء ؟

تو مسکین اور غریب لوگ جمع ہو گئے اور وہ سونا ان پر تقسیم کر دیا، پھر واپس گھر آ گئے، بیوی نے ان سے کہا کہ آپ چادریں لے کر نہیں آئے ؟ اس نے کہا کہ بس وہ سب ختم ہو گئے، بیوی نے اور سونا دے دیا پھر وہ چلے گئے اور ایسا ہی نعرہ لگایا، چنانچہ پھر سارا سونا

تقسیم کر دیا اور سامان نہیں لائے ،اور اس نے اپنیہ بیوی سے کہا کہ اگر آپ کو حضور ﷺ کی بیویوں کی طرح زندگی گزارنا پسند ہو تو ٹھیک ہے ورنہ آپ کو اجازت ہے ،تو اس طرح بیوی کہنی لگی کہ میں صبر کرتی رہوں گی ،اسی دوران میں حضرت عمرؓ ملک شام تشریف لائے ۔

لوگوں سے پوچھنے لگے کہ گورنر کیسا ہے؟ سب نے کہا اچھا آدمی ہے لیکن ان میں چار خصلتیں ایسی ہیں کہ وہ دوسرے گورنروں کے اندر نہیں ۔ حضرت عمرؓ بڑے پریشان ہوئے اور دل میں غمگین ہوئے اور پوچھا کہ وہ کونسی خصلتیں ہیں بتاؤ؟

وہ آدمی کہنے لگا کہ

یہ آدمی بہت دیر سے آتا ہے۔

پندرہ دن کے بعد چھٹی کرتا ہے۔

کبھی کبھی ان پر بے ہوشی طاری ہوتی ہے۔

کہ یہ رات کو ڈیوٹی نہیں کرتے۔

اور وہ صحابیؓ جو گورنر تھے وہ بھی جواب میں فرماتے آپ نے سچ کہا پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ یہ کیوں کرتے ہیں؟

انہوں نے فرمایا کہ پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ میری ایک بیوی ہے اور وہ بیمار ہے تو جب میں صبح اٹھتا ہوں تو میں آٹا خود گوندتا ہوں کیونکہ وہ خود نہیں گوند سکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ میرا ایک ہی جوڑا اور میری بیوی کا بھی ایک ہی جوڑا ہے ،تو پندرہ دن بعد وہ گندہ ہو جاتا ہے، ہم اس کو دھوتے ہیں تو جب وہ خشک ہو جائے پھر ہم پہنتے ہیں اسی لئے ایک دن چھٹی ہو جاتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے میں بے ہوش ہو جاتا ہوں کہ جب حضرت خبیبؓ کے قتل میں، میں

بھی شریک تھا، اس نے ہمیں بتایا کہ مجھے دو رکعت پڑھنے کی مہلت دو۔ اور اس کے بعد کہنے لگے کہ میں نے اس وجہ سے نماز جلدی پڑھی کہ تم لوگ ایسا نہ سمجھو کہ موت کی ڈر سے اس نے نماز لمبی کر دی، ورنہ میں نماز بہت لمبی پڑھتا ہوں۔ پھر ہم نے اس کو قتل کر دیا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ میں جب سے مسلمان ہو چکا ہوں، میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ میں دن کو مخلوق کی خدمت کروں گا اور رات کو تیری عبادت کروں گا۔

(لطائف حمیدیہ)

تین بڑے گناہ

جس کی وجہ سے انسان فساد میں مبتلا ہوتا ہے اور زمین میں فساد برپا کرنے والا بن جاتا ہے۔

ایک گانے سننا: جس آدمی کو گانے سننے کی عادت پڑ گئی ہو تو اس کے سارے اعضاء کنٹرول سے باہر ہو جاتے ہیں اس کے کان غلط سننے لگتے ہیں ہیں اور فساد کا سبب بنتا ہے اس کی آنکھ غلط دیکھے گا اس کا دماغ غلط سوچے گا اس کے پیر غلط استعمال ہوں گے، یعنی اس کے ہر اعضاء فساد پھیلانے کے عادی ہو جائیں گے۔

اور گانا سننا انسان کی شہوت کو ابھارتا ہے اور زنا کی طرف بلاتا ہے زنا عام ہو جاتا ہے اور کبیرہ گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

دوسری چیز جوا ہیں: یہ انسان کو ایسا مجبور کرتا ہے ہے کہ وہ جتنا بھی مالدار آدمی ہوں ہو وہ اپنے سارے پیسے اور جائیداد یہاں تک کہ اپنا گھر بھی ختم کر دیتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بیگ مانگنا شروع کر دیتا ہے اور فساد کا سبب بن جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی بیوی کو داؤ

پر لگا دیتا ہے اور خالی ہاتھ بیٹھ جاتا ہے اور جوا کھیلنے والے کو قارون کے خزانے بھی دیئے جائے تو وہ لٹا کر بھیک مانگنے پر آمادہ ہوجائے گا۔

تیسری چیز شراب ہے: یہ انسان کو بے ہوش حواس کر دیتا ہے جب انسان شراب پی جاتا ہے تو اس کا عقل ختم ہوجاتا ہے جب اس کا عقل ختم ہوجاتا ہے تو اس کو اچھی اور بری چیز نظر نہیں آتی ہے کیسے کیسے نوجوان شراب کی وجہ سے اور نشے میں پڑ جاتے ہیں ہیں اور گندی نالیوں میں گرتے ہیں جب انسان کا عقل ختم ہوجاتا ہے تو وہ اللہ تعالی کے دین کو نہیں پہچان سکتا اور وہ زنا کرنے میں لگ جاتا ہے اور وہ اس کو قتل وغارت میں مبتلا کر دیتا ہے جس کی وجہ وہ فساد کا ذریعہ بن جاتا ہے اور جہنم میں چلا جاتا ہے ہے تو مطلب اس آیت کا (**ولا تعثوا**) کہ زمین میں فساد کرنے والا نہ بنو یعنی گناہوں کو چھوڑ دو خاص کر جو بڑے گناہ ہے جس کی وجہ سے انسان گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے اور فساد کا سبب بن جاتا ہے

ایک خلیفہ کا اپنے بیٹے کی شادی

بغداد کے ایک خلیفہ نے پورے شہر میں اعلان کروادیا کہ جس گھر میں جوان لڑکی ہے اور قرآن کی حافظہ ہے، وہ اپنے گھر کی کھڑکی میں رات کو ایک شمع روشن کر دے، اس رات پورے شہر کی کھڑکیوں میں شمعیں روشن تھیں، ان کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہوگیا۔ اگلے دن اعلان کروایا کہ جس گھر میں موجود لڑکی حافظ قرآن ہونے کے ساتھ ساتھ موطا امام مالک کی بھی حافظہ ہے، وہ رات کو اپنے گھر کی کھڑکی میں شمع روشن کرے۔ اور اس رات بھی آدھے سے زیادہ شہر کی کھڑکیوں پہ شمعیں روشن تھیں۔

کتنا حسین منظر ہوگا نا، ہر گھر میں کھڑکی پہ روشن شمع صرف روشنی کی نوید نہیں سنا رہی تھیں

بلکہ بتا رہی تھیں کہ اسلام کا مستقبل بھی بہت روشن ہے وہ شمعیں اس بات کی نوید تھیں کہ ایک بہترین نسل کو پروان چڑھانے کے لیے مناسب اور بہترین تعلیم دی جا چکی ہے ان تمام جلنے والی روشنیوں کے لرزتے شعلوں میں ایک مضبوط اسلامی معاشرے کی جھلک نمایاں ہو رہی تھی۔

آج اگر ایسا اعلان کر دیا جائے تو بہت کم گھروں میں شمع روشن ہوگی اور اگر دوسرے اعلان والی شرط ساتھ رکھ دی جائے تو یقینا پورا شہر ہی تاریک پڑا ہوگا، پتا ہے ایسا کیوں ہوا ہے، کیونکہ آج ہمیں فضول اور بے بنیاد تعلیم کے چکروں میں پھنسا دیا گیا ہے، آج کی عورت کو مرد کے شانہ بشانہ کھڑے ہونے کے خواب دکھا کر اسے حساب کتاب کے بھنور میں دھنسا دیا گیا ہے، آج کی عورت کو ایک مضبوط کردار کی حامل نسل کی تربیت اور ایک اسلامی معاشرے کی بنیاد میں اہم کردار ادا کرنے جیسے اہم مقاصد سے بھٹکا دیا گیا ہے، آج کی عورت کو ٹی وی پہ بیٹھ کے مارننگ شوز میں فضول عنوانات پہ مباحث اور فضول اور بے مقصد کاموں کی طرف اپنی ہی جیسی عورتوں کو راغب کرنے پر لگا دیا گیا ہے، آج کی عورت کو انعامی مقابلوں میں چھینا جھپٹی کر کے دو ٹکے کے تحفے حاصل کرنے پر لگا دیا گیا ہے، آج کی عورت نے بھٹکنا پسند کیا تو اسے بھٹکا دیا گیا ہے۔

والدین کی ناراضگی ختم کرنے کے گُر

ایک عالم دین سے ایک نوجوان شخص نے شکایت کی کہ میرے والدین اڈھیر عمر ہیں اور اکثر و بیشتر وہ مجھ سے خفا رہتے ہیں حالانکہ میں انکو ہر وہ چیز مہیا کرتا ہوں جسکا وہ مطالبہ کرتے ہیں۔

عالم دین نے نوجوان شخص کو سر سے پیروں تک دیکھا اور فرمانے لگے کہ بیٹا یہی تو انکی ناراضگی کا سبب ہے کہ جو وہ مانگتے ہیں تم انکو لا کر دیتے ہو، نوجوان کہنے لگا کہ میں آپکی بات نہی سمجھ پایا تھوڑی سی وضاحت کر دیں۔

عالم دین فرمانے لگے: بیٹا کیا کبھی تم نے غور کیا ہے کہ جب تم دنیا میں نہیں آئے تھے تو تمہارے آنے سے پہلے ہی تمہارے والدین نے تمہارے لئے ہر چیز تیار کر رکھی تھی۔

تمہارے لئے کپڑے، تمہاری خوراک کا انتظام، تمہاری حفاظت کا انتظام، تمہیں سردی نہ لگے اگر گرمی ہے تو گرمی نہ لگے، تمہارے آرام کا بندوبست، تمہاری قضائے حاجت تک کا انتظام تمہارے والدین نے تمہاری دنیا میں آنے سے پہلے ہی کر رکھا تھا۔

پھر آگے چلو، کیا تمہارے والدین نے کبھی تم سے پوچھا تھا کہ بیٹا تم کو سکول میں داخل کروائیں یا نہ، اسی طرح کالج یا یونیورسٹی میں داخلے کیلئے تم سے کبھی پوچھا ہو، بلکہ تمہارے بہتر مستقبل کیلئے تم سے پہلے ہی سکول اور کالج میں داخلے کا بندوبست کر دیا ہوگا، اسی طرح تمہاری پہلی نوکری کیلئے تمہارے سکول کی ٹرانسپورٹ کیلئے تمہارے یونیفارم کیلئے تمہارے والد صاحب نے کبھی تم سے نہیں پوچھا ہوگا بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق بہتر سے بہتر چیز تمہارے مانگنے سے پہلے ہی تمہیں لا کر دی ہوگی، تمہیں تو شاید اسکا بھی احساس نہ ہو کہ جب تم نے جوانی میں قدم رکھا تھا تو تمہارے والدین نے تمہارے لئے ایک اچھی لڑکی بھی ڈھونڈنی شروع کر دی ہوگی جو اچھی طرح تمہاری خدمت کر سکے اور تمہارا خیال رکھ سکے، لڑکی تلاش کرتے ہوئے بھی انکی اولین ترجیح تمہاری خدمت ہی ہوگی بلکہ انکے تو ذہن میں کبھی یہ خیال بھی نہی آیا ہوگا کہ ہم ایسی دلہن بیٹے کیلئے لائیں جو ہماری خدمت بھی کرے اور ہمارے بیٹے کی بھی۔

تمہارے لئے کپڑے ،تمہارے پہلی سائکل ،تمہارا پہلا موٹر سائکل ،تمہارا پہلا سکول ،تمہارے کھلونے ،تمہاری بول چال ،تمہاری تربیت ،تمہارا رھن سہن چال چلن رنگ دھنگ گفتگو کا انداز ، یہاں تک کے تمہارے منہ سے نکلنے والا پہلا لفظ تک تمکو تمہارے ماں باپ نے مفت میں سیکھایا ہے اور تمہارے مطالبے کے بغیر سیکھایا ہے، اور آج تم کہتے ہو کہ جو کچھ وہ مجھ سے مانگتے ہیں میں انکو لا کر دیتا ہوں اسکے باوجود وہ خفا رہتے ہیں۔

جاؤ والدین کو بن مانگے دینا شروع کرو ،انکی ضروریات کا خیال اپنے بچوں کی ضروریات کیطرح کرنا شروع کرو، اگر انکی مالی مدد نہی کر سکتے تو انکو اپنا قیمتی وقت دو، انکی خدمت کرو، گھر کی ذمہ داریاں خود لو، جیسے اپنے بچوں کے باپ بنے ہو ویسے ہی اپنے والدین کی نیک اولاد بنو، اور ان کو بن مانگے دینا شروع کرو۔

اپنے آپ کو اس قابل بنالو کہ انکو تم سے مانگنے کی یا مطالبے کی ضرورت ہی نہ پڑے، یا انکو کبھی تمھاری کمی محسوس ھی نہ ہو کم سے کم اتنا وقت تو انکو عطا کردو انکو مسائل پوچھو، اگر انکی مالی مدد نہیں کر سکتے تو انکی خدمت کرو۔

کیا کبھی ماں یا باپ کے پاوں کی پھٹی ھوئی ایڑیاں دیکھیں ھیں تم نے؟؟

کیا کبھی ان پھٹی ھوئی ایڑیوں میں کوئی کریم یا تیل لگایا ھے جیسے وہ تم کو چھوٹے ہوتے وقت لگاتے تھے؟؟

کیا کبھی ماں یا باپ کے سر میں تیل لگایا ہے کیونکہ جب تم بچے تھے تو وہ باقاعدہ تمھارے سر میں تیل لگا کر کنگھی بھی کرتے تھے۔۔تمھای ماں تمھارے بال سنوارتی تھی کبھی ماں کے بال سنوار کر تو دیکھو۔۔۔

کیا کبھی باپ کے پاوں دبائیں ھیں حالانکہ تمھارے باپ نے تمہیں بہت دفعہ دبایا

ھوگا۔

کیا کبھی ماں یا باپ کیلئے ہاتھ میں پانی یا تولیہ لے کر کھڑے ھوے ھو۔ جیسے وہ تمھارا منہ بچپن میں نیم گرم پانی سے دھویا کرتے تھے۔

کچھ کرو تو سہی، ان کو بغیر مانگے لا کر دو، ان کی زمہ داریاں اٹھا کر دیکھو۔، ان کو وقت دے کر دیکھو، ان کی خدمت کر کے دیکھو، ان کو اپنے ساتھ رکھو ہمیشہ ان کو اپنے آپ پر بوجھ مت سمجھو نعمت سمجھ کر دیکھو، جس طرح انہوں نے تم کو بوجھ نہیں سمجھا بغیر کسی معاوضہ کے تمھاری دن رات پرورش کر کے معاشرے کا ایک کامیاب انسان بنایا ھے۔ کم سے کم انکی وھی خدمات کا صلہ سمجھتے ہوے ان سے حسن سلوک کا رویہ اختیار کرو۔ پھر دیکھنا وہ بھی خوش اور اللہ بھی خوش۔

عالم دین کی یہ باتیں سن کر نوجوان اشک بار ھو گیا اور باقی کے حاضرین کی آنکھیں بھی نم ھو گئیں۔

واقعی یہ حقیقت ھے کہ ایسے نصیحت آموز باتیں دنیا کی کسی بھی یونیورسٹی میں نہی مل سکتی صرف اور صرف دینی علماء ھی ایسی تربیت کر سکتے ھیں۔

اللہ ایسے علماء کا سایہ ہمیشہ قائم رکھے۔ اور ہر انسان کو یہ توفیق اور خوش نصیبی عطا کرے کہ وہ اپنے والدین کی ڈیمانڈ سے پہلے ھی ان کی ضروریات کو جانتے ھوے پایہ تکمیل تک پہنچا دے۔ آمین

خلوت کے گناہ

آج ہمارا ایمان بالغیب انٹرنیٹ اور موبائل کے ذریعے آزمایا گیا ہے، جہاں ایک

کلک آپ کو وہ کچھ دکھا سکتی ھے جو ہمارے باپ دادا دیکھے بغیر اللہ کو پیارے ہو گئے، ہم نے خفیہ گروپ بنا کر اپنے اپنے گٹر کھول رکھے ھیں (یستخفون من الناس) لوگوں سے تو چھپا لیتے ھیں (ولا یستخفون من اللہ و ھو معھم) مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے کیونکہ وہ ان کے ساتھ ہے۔

ہمارا لکھا اور دیکھا ہوا سب ہمارے نامہ اعمال میں محفوظ ہو رہا ھے جہاں سے صرف اسے سچی توبہ ہی مٹا سکتی ہے، یہ سب امتحان اس لئے ہیں تا کہ (لیعلم اللہ من یخافہ بالغیب) اللہ تعالی جاننا چاہتا ہے کہ کون کون اللہ تعالی سے غائبانہ ڈرتا ہے۔ یہ لکھنے والے ہاتھ اور پڑھنے والی آنکھیں، سب ایک دن بول بول کر گواہی دیں گے:

{ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلَی اَفْوَاھِھِمْ وَتُکَلِّمُنَا اَیْدِیْھِمْ وَتَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ) (یسن – 65)

''آج ہم انکے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ھم سے بات کریں گے اور ان کے پیر ان کے اعمال کی گواہی دیں گے''

''گناہ کے دوران ہمارا کوئی بیوی بچہ یہاں تک کہ بلی یا ہوا کا جھونکا بھی دروازہ ہلا دے تو ہماری پوری ہستی ہل کر رہ جاتی ھے، کیوں؟ رسوائی کا ڈر، امیج خراب ہونے کا ڈر،

اس دن کیا ہو گا جب ہماری بیوی بچے اور والدین بھی سامنے دیکھ رہے ہونگے اور دوست واحباب بھی موجود ہونگے، زمانہ دیکھ رہا ہوگا اور تھرڈ ایمپائر کی طرح کلپ روک روک کر اور ریورس کر کے دکھایا جا رہا ہوگا، ہائے رسوائی!

آج بھی صرف توبہ کے چند لفظ اور آئندہ سے پرہیز کا عزم ہمارے پچھلے کیئے ہوئے کو صاف کر سکتا ہے، اور ہمیں اس رسوائی سے بچا سکتا ھے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دعا

مانگا کرتے تھے کہ ''اے اللہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے اچھا کردے''

خلوت کے گناہ انسان کے عزم وارادے کو متزلزل کر کے رکھ دیتے ہیں، یوں ان میں خود اعتمادی اور معاملات میں شفافیت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

(اِتَّقِ اللہ حیث ما کنت) جہاں کہیں بھی ہو اللہ سے ڈرو.

اللہ تعالی ہم سب کی حفاظت فرمائے۔آمین

جب ایک عورت نے اپنے شوہر کی مردانگی کو للکارا

ایک دن میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہوا دونوں میں سخت کلامی ہوئی، میاں اور بیوی دونوں غصے سے لال پیلے ہوگئے، بیوی غصّے پہ کنٹرول نہ کرتے ہوئے اپنے شوہر سے کہنے لگی ''اگر تم مرد ہو تو مجھے طلاق دو'' ایک سیکنڈ بھی میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی، اس کا شوہر خاموشی سے اس کی بات کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن بیوی نے پھر کہا: تم مرد نہیں، اگر ہو تو مجھے طلاق دو، حالانکہ اس کی بیوی نیک پاکباز اور اچھی سیرت والی عورت تھی، لیکن یہ سب غصہ کی حالت میں اس کی زبان سے نکل رہا تھا اور اس موقع پر شیطان پوری کوشش میں تھا کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے الگ کردے،

عورت کا غصہ جب اور بڑھا تو کہا: اگر تم مرد ہو تو یہ کرو، وہ کرو، وغیرہ وغیرہ، آخر کار بیوی نے کہا: مجھے ابھی فوراً تمہارا جواب چاہیے، اور تم مجھے اسی وقت جواب دو، بالآخر آدمی مجبور ہو کر ایک کاغذ میں چند سطر لکھ کر لفافے کے اندر رکھ کر اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا: جاؤ ''فی اُمان اللہ'' یہ وہ دروازہ ہے جس سے تم میرے ساتھ آئی تھی، میں نے ثابت کردیا کہ میں ''ایک مرد ہوں'' تم ابھی اپنے میکے جاؤ۔

چنانچہ وہ عورت اپنا سامان وغیرہ باندھ کر اٹھائی اور اپنے میکے کی طرف چلی گئی، جب یہ بات لوگوں میں پہونچی تو کسی کو یقین نہیں ہو رہا تھا کہ آدمی بڑا نیک اور رحم دل انسان ہے یہ کیسے ہوسکتا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے، ادھر میکے میں بیوی کے دن گزرتے گئے، اور آہستہ آہستہ اس کا دل وہاں گھٹنے لگا اسے تنہائی ستانے لگی، تو ایک دن اس نے شوہر کو فون کیا اور رونے لگی کہا: تم میرا سب کچھ ہو، میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی، تم میرا سب کچھ ہو، میری جان ہو، میری روح ہو، بس تم ہی سب کچھ ہو، وغیرہ وغیرہ۔

آدمی نے جواب دیتے ہوئے کہا: اُمّ محمد! تم آخر اب مجھ سے کیا چاہتی ہو؟

بیوی نے کہا: میں غلط تھی اور کہا: "مانا کہ تم مرد ہو لیکن میں ایک ناقص العقل عورت ہوں"

آدمی نے جواب دیا یہ تو تمہارا مطالبہ تھا، جو میں نے پورا کیا، اور تم مجھے ثابت کرنے دو کہ میں مرد ہوں،

بیوی نے کہا" مانا کہ تم مرد ہو لیکن میں ایک ناقص العقل عورت ہوں"،

آدمی نے جب دیکھا کہ عورت اس کے سامنے اپنی بے بسی اور دکھ کا اظہار کر رہی ہے تو اس نے کہا: اچھا! جاؤ ذرا وہ لفافہ کھول کر دیکھو تو سہی جو میں نے تمھیں لکھ کر دیا تھا،

عورت نے فون کو ہولڈ میں رکھ کر اٹھی، اور اس لفافے کو کھول کر اس میں موجود کاغذ کے ٹکڑے کو دیکھا تو اس میں لکھا ہوا تھا" ائے میری پیاری اُمّ محمد! اگر آسمان زمین پر بھی گر جائے تب بھی میں تمہیں ہرگز ہرگز طلاق نہیں دوں گا"

یہ تھا اصل کاغذ جو اس نے اس وقت بیوی کو دیا تھا، لیکن بیوی نے سمجھا تھا کہ اس میں " طلاق طلاق طلاق" لکھا ہوگا، جب بیوی نے کاغذ پڑھی تو رونے لگی اور روتے ہوئے

کہا، ائے میرے سرتاج! آپ تو مردوں کے مرد نکلے۔

یہی ہے اصل مردانگی اور یہی ہے منہجِ نبوی

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''کوئی مومن مرد اپنی مومنہ بیوی سے بغض نہ رکھے اور نہ ہی اسے اپنے سے جدا کرے''

قرآن پڑھا کریں

ایک پہاڑی علاقے میں ایک بزرگ اپنے نوجوان پوتے کے ساتھ رہتے تھے۔ وہ ہر روز صبح سویرے قرآن کی تلاوت کیا کرتے۔ پوتا بھی ہمیشہ ان جیسا بننے کی کوشش کرتا۔ ایک دن پوتا کہنے لگا ''دادا، میں بھی آپ کی طرح قرآن پاک پڑھنے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن مجھے سمجھ نہیں آتی۔ اور جو سمجھ آئے، جیسے ہی قرآن بند کروں، بھول جاتا ہوں۔ ایسے میں قرآن پڑھنے سے ہم کیا سیکھتے ہیں؟''

دادا نے خاموشی سے کوئلوں والی ٹوکری میں سے کوئلے نکال انگیٹھی میں ڈالے۔ پھر ٹوکری پوتے کو دے کر کہا ''جا پہاڑ کے نیچے بہتی ندی سے مجھے پانی کی ٹوکری بھر کر لا دے۔''

لڑکے نے دادا کی بات پر عمل کیا۔ لیکن واپس پہنچنے تک سارا پانی ٹوکری کے سوراخوں میں سے بہ گیا۔ دادا مسکرائے اور کہا ''تم اس دفعہ اور زیادہ تیز قدم اٹھانا'' یہ کہہ کر پوتے کو واپس بھیج دیا۔ لیکن اس بار وہ بالٹی میں پانی لے آیا۔ دادا نے کہا ''مجھے بالٹی نہیں ٹوکری میں پانی چاہیے۔ تم ٹھیک سے کوشش نہیں کر رہے۔'' اسے پھر نیچے بھیج کر وہ دروازے میں

کھڑے دیکھنے لگے کہ پوتا کتنی سعی کرتا ہے۔لڑکے کو علم تھا کہ سوراخوں بھری ٹوکری میں پانی بھرنا ناممکن ہے۔ بہرحال دادا کو دکھانے کے لیے ٹوکری پانی سے بھری اور انتہائی سرعت سے واپس دوڑ پڑا۔لیکن پہنچنے تک ٹوکری میں سے پھر پانی بہ چکا تھا اور وہ خالی تھی۔

لڑکے نے کہا ''دیکھا دادا جان، اس میں پانی بھرنا بے سود ہے۔''

دادا کہنے لگے ''بیٹا! ٹوکری کی طرف دیکھو۔''

اب نوجوان کو پہلی بار احساس ہوا کہ ٹوکری پہلے سے بہت مختلف لگ رہی تھی۔ وہ پرانی اور گندی ٹوکری اندر باہر سے صاف ستھری ہو چکی تھی۔ دادا نے کہا ''بیٹا! ذرا دیکھو، کوئلوں سے سیاہ ہوئی ٹوکری بار بار پانی کے دھونے سے منزہ ہو گئی۔ اسی طرح جب ہم تلاوت قرآن کریں، تو چاہے اس کا ایک لفظ بھی نہ سمجھ پائیں، تلاوت ہمیں اندر اور باہر سے ایسے ہی پاک صاف کر دیتی ہے۔ یوں اللہ تعالیٰ ہماری زندگی بدل دیتا ہے۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی نشانی بزبانی صدیقؓ

حضرت ابوبکرؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ان سے سوال کیا:

''کیا اِسلام قبول کرنے سے پہلے آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی نِشانیوں میں سے کوئی نِشانی بھی دیکھی تھی؟''

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا:

''ہاں جاہلیت کے زمانہ میں ایک دِن میں ایک درخت کے سائے میں بیٹھا ہُوا تھا کہ اچانک اس کی شاخیں مجھ پر جُھکنے لگیں۔ یہاں تک کہ ایک شاخ جُھک کر بالکل میرے سر

تک آ گئی۔ میں سر اُٹھا کر اس کی طرف (حیرانی سے) دیکھنے اور کہنے لگا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اسی وقت مجھے درخت میں سے آواز آئی یہ نبی ﷺ فلاں فلاں وقت میں ظاہر ہوں گے اس لیے تم ان ﷺ کی طرف بڑھنے میں سب سے زیادہ خوش نصیب بننے کی کوشش کرنا''۔

میں نے اس سے کہا:

''مجھے واضح کر کے بتاؤ کہ وہ نبی کون ہے اور اس کا نام کیا ہے؟''

اس نے کہا:

''محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم۔''

میں نے کہا:

''وہ میرے دوست اور میرے حبیب ہیں۔''

میں نے اس درخت سے عہد لیا کہ جس وقت وہ مبعوث ہو جائیں تو مجھے خوشخبری دے دینا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ مبعوث ہو گئے تو اس درخت میں سے آواز آئی کہ:

''اے ابوقحافہ کے بیٹے! وہ نبی ﷺ مبعوث ہو گیا ہے اب کوشش کرو اور قسم ہے ربّ موسیٰ کی! اِسلام میں کوئی تم پر سبقت نہ کرے گا''۔

جب صبح ہوئی تو میں رسول ﷺ کے پاس پہنچا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ کر اِرشاد فرمایا:

''اے ابوبکرؓ! میں تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بُلاتا ہوں''۔

میں نے کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اللہ نے آپ ﷺ کو حق

دے کر روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا''۔

(سیرت حلبیہ)

کتاب، باب، فصل اور مسئلہ میں فرق

کلام کا وہ حصہ جو مختلف انواع کے مسائل کو شامل ہو اسے کتاب کہتے ہیں یہ بمنزلہ جنس منطقی ہے۔

اور جو حصہ ایک ہی نوع کے مسائل کو شامل ہو اس کو باب کہتے ہیں یہ بمنزلہ نوع منطقی ہے۔

اور جس میں صرف خاص قسم کے مسائل ہو اسے فصل کہتے ہیں یہ بمنزلہ جزئی منطقی ہے۔

اور فصل کے اندر جو چیزیں ذکر کی جاتی ہے انہی مسائل کہتے ہیں یہ جزئی منطقی کے جز کے درجے میں ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ:

''طائفة من المسائل اعتبرت مستقلة اشتملت على انواع ولو حكما''

ایسے مسائل کا مجموعہ جو مختلف قسم کے ہوں اسے کتاب کہا جاتا ہے۔

''طائفة من المسائل اشتملت على نوع واحد''

اور ایسے مسائل کا مجموعہ جو ایک طرح کے وہ اس کو باب کہتے ہیں۔

''طائفة من المسائل تغيرت احكامها بالنسبة الى ما قبلها غير

مترجمة بالكتاب والباب‘‘

ایسے مسائل کا مجموعہ جو پہلے ذکر کردہ مسائل سے مختلف ہو اس کو فصل کہا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ یہاں کتاب سے وہ کتاب مراد ہے جو باب اور فصل کے مقابل ہوں نہ کہ کتاب سے مراد مستقل وہ کتاب ہے جو رسالہ کے مقابل ہو۔

(تحفۃ الطلبہ)

لفظ اللہ اور لفظ خدا کے استعمال میں فرق

پہلا فرق:

لفظ اللہ عربی لفظ ہے اور خدا فارسی لفظ ہے، دونوں کا معنی معبود برحق ہے پھر استعمال میں فرق صرف اتنا بیان کیا جاتا ہے ہے کہ لفظ اللہ کا استعمال عربی، فارسی، اردو اور بنگلہ وغیرہ میں عام ہیں اور لفظ خدا کا استعمال صرف عجمی زبان کے ساتھ خاص ہے عربی زبان میں اس کا استعمال نہیں ہوتا۔ خلاصہ فرق یہ ہے کہ لفظ اللہ کا استعمال عام ہے اور لفظ خدا کا استعمال خاص ہے۔

دوسرا فرق:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کہ لفظ اللہ کے استعمال متفق علیہ ہیں ہے یعنی اس میں علماء کرام کا اختلاف نہیں ہے اور لفظ خدا کا استعمال مختلف فیہ ہے یعنی بعض علماء جواز کے قائل ہیں اور بعض علماء عدم جواز کے قائل ہیں۔

(تحفۃ الطلبہ)

آداب

کھانے کے آداب:

(۱) دسترخوان بچھا کر کھانا۔

(۲) کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا۔

(۳) کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔

(۴) اگر شروع میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو یاد آنے پر بِسمِ اللّٰہِ أَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ پڑھنا۔

(۵) داہنے ہاتھ سے کھانا کھانا۔

(۶) برتن کے ایک طرف سے کھانا، بیچ میں سے نہ کھانا۔

نوٹ : سونے چاندی کے برتن میں نہ کھانا۔

(۷) دسترخوان پر گرا ہوا لقمہ اٹھا کر کھالینا۔

(۸) کھانے میں عیب نہ نکالنا۔

(۹) برتن کو صاف کرنا۔

(۱۰) انگلیوں کو چاٹنا۔

(۱۱) کھانے کے بعد یہ دعا پڑھنا: الحمد للہ الذی أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمین

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی أَطْعَمَ وَسَقٰی وَسَوَّغَہٗ وَجَعَلَ لَہٗ مَخْرَجاً۔

(۱۲) کھانے کے بعد ہاتھ دھونا۔

(۱۳) راستے میں نہ کھانا۔

پینے کے آداب:

(۱) بسم اللہ پڑھنا۔

(۲) داہنے ہاتھ سے پینا۔

(۳) بیٹھ کر پینا۔

(۴) تین سانس میں پینا۔

(۵) برتن میں سانس نہ لینا۔

(۶) برتن میں پھونک نہ مارنا۔

(۷) سانس لیتے وقت برتن کو منھ سے دور رکھنا۔

(۸) مشکیزہ منھ سے لگا کر نہ پینا۔

(۹) شربت وغیر حد سے زیادہ نہ پینا۔

(۱۰) پینے کے بعد اللہ کی حمد بیان کرنا۔

(۱۱) پانی پینے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی سَقَانَا بِرَحمَتِہٖ مَائً عَذباً فُرَاتاً وَلَمْ یَجعَلْ بِذُنُوبِنَا مِلحاً اُجَاجاً۔

(۱۲) متعدد افراد کو ایک برتن میں پینے کی چیز پیش کی جائے تو داہنی طرف والے کو دینا۔

(۱۳) داہنی طرف والے کے علاوہ کو دینا ہو تو اس کی اجازت سے دینا۔

(۱۴) ٹھنڈا اور میٹھا پانی (یعنی جو کھارا نہ ہو) پینا۔

(۱۵) اگر پانی میں مکھی گر جائے اور اس پانی کو پینا چاہے تو پہلے مکھی کو ڈبو کر نکال کر پانی

پینا۔

(۱۶) برتن کے ٹوٹے ہوئے کنارے سے پانی نہ پینا۔

(۱۷) دودھ پیتے وقت : اَللّٰھُمَّ بَارِک لَنَا فِیْہِ وَزِدنَا مِنْہُ پڑھنا۔

(۱۸) دودھ (اسی طرح ہر چکنی چیز کے) پینے کے بعد کلی کرنا۔

(۱۹) پلانے والے کا سب سے آخر میں پینا۔

چپل پہننے کے آداب:

(۱) سنت کی نیت سے چپل پہننا۔

(۲) پہننے سے پہلے جوتوں کو جھاڑ لینا۔

(۳) جوتے پہننے میں داہنے پیر سے اور نکالنے میں بائیں پیر سے شروع کرنا۔

(۵) جوتوں میں مشرکین کی مشابہت اختیار نہ کرنا۔

(۶) مردوں کا زنانہ جوتے اور عورتوں کا مردانہ جوتے نہ پہننا۔

(۷) جوتے بائیں ہاتھ سے اٹھانا۔

سونے کے آداب:

(۱) رات کو جلدی سو جانا۔

(۲) گھر کے دروازے کو بسم اللہ پڑھ کر اچھی طرح بند کر دینا۔

(۳) برتن اور مشکیزے وغیرہ ڈھانک دینا۔

(۴) چراغ (اور زائد لائٹیں وغیرہ) بجھا دینا۔

(۵) باوضو سونا۔

(۶) ہاتھوں میں چکناہٹ ہوتو اُسے دھوکر سونا۔

(۷) سونے سے پہلے کپڑے تبدیل کرلینا۔

(۸) اچھی نیت سے سونا۔

(۹) سونے سے پہلے توبہ کرلینا۔

(۱۰) اپنے دل کو کینہ اور حسد سے پاک کرکے سونا۔

(۱۱) تہجد کی نیت کرکے سونا۔

(۱۲) آیت الکرسی پڑھ کر سونا۔

(۱۳) سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھ کر سونا۔

(۱۴) سورۂ کافرون پڑھ کر سونا۔

(۱۵) سورۂ اخلاص اور معوّذتین (سورۂ فلق، سورۃ ناس) پڑھ کر دونوں ہتھیلیوں پر دم کرکے اپنے پورے جسم پر پھیرنا۔

(۱۶) سورۂ الم سجدہ، سورۂ ملک، سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر پڑھ کر سونا۔

(۱۷) حدیث میں وارد مسنون دعائیں پڑھ کر سونا

(۱۸) نیند آنے تک اللہ کا ذکر کرنا۔

(۱۹) بستر جھاڑ کر سونا۔

(۲۰) داہنی کروٹ پر سونا۔

(۲۱) چہرے کے نیچے داہنا ہاتھ رکھ کر سونا اور یہ دعا پڑھنا۔ اَللّٰھُمَّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوم تبعثُ عِبَادَکَ۔

(۲۲) اوندھے منھ نہ سونا۔

بیداری کے بعد کے آداب:

(۱) نیند کا خمار اُڑانے کے لئے آنکھوں کو ملنا۔

(۲) اللہ کی نعمت پر شکر ادا کرتے ہوئے اٹھنے کی یہ دعا پڑھنا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَیْهِ النُّشُوْرُ۔

(۳) سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھنا۔

(۴) مسواک کرنا۔

(۵) دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک تین تین مرتبہ دھونا۔

(۶) وضو کرنا اور اس میں ناک برابر صاف کرنا۔

(۷) نماز پڑھنا۔

(۸) گھر والوں کو بیدار کرنا۔

وضو کے آداب:

(۱) جس ذات کے لئے طہارت حاصل کر رہا ہے اس کی ہیبت و دبدبہ طاری ہونا۔

(۲) حتی الامکان باوضو رہنے کا اہتمام کرنا۔

(۳) قبلہ رخ ہو کر وضو کرنا۔

(۴) بسم اللہ پڑھ کر وضو کرنا۔

(۵) صاف ستھری جگہ پر وضو کرنا۔

(۶) داہنی طرف سے شروع کرنا۔

(۷) مسواک کرنا۔

(۸) وضو سے پہلے تین مرتبہ ہتھیلیوں کو دھونا۔

(۹) منھ اور ناک میں دائیں ہاتھ سے پانی ڈالنا اور پھر بائیں ہاتھ سے ناک صاف

کرنا۔

(۱۰) غیر روزے دار کو کلی اور ناک میں پانی ڈالنے میں مبالغہ کرنا۔

(۱۱) چہرہ دھوتے وقت پیشانی سے شروع کرنا۔

(۱۲) چہرے پر پانی زور سے نہ مارنا۔

(۱۳) ڈاڑھی کا خلال کرنا۔

(۱۴) ہاتھ اور پیر کی انگلیوں کے سرے سے دھونا شروع کرنا۔

(۱۵) کہنیوں پر اہتمام سے پانی بہانا۔

(۱۶) انگلیوں کا خلال کرنا۔

(۱۷) پورے سر کا مسح کرنا۔

(۱۸) مسح کی ابتدا پیشانی سے کرنا اور دونوں ہاتھوں سے مسح کرنا۔

(۱۹) کانوں کا اندر اور باہر سے مسح کرنا۔

(۲۰) کان کا مسح کرتے وقت کان کے سوراخ میں چھوٹی انگلی ڈالنا۔

(۲۱) تین مرتبہ اعضائے وضو کو دھونا۔

(۲۲) اعضائے وضو کو تین مرتبہ سے زیادہ نہ دھونا۔

(۲۳) پانی میں اسراف نہ کرنا (فضول پانی نہ بہانا)۔

(۲۴) اچھی طریقے سے وضو کرنا۔

(۲۵) ترتیب سے وضو کرنا۔

(۲۶) شرم گاہ کے ساتھ لگے ہوئے کپڑے پر پانی چھڑکنا۔

(۲۷) وضو کرتے وقت دنیوی باتیں نہ کرنا۔

(۲۸) وضو کرتے ہوئے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ فِیْ دَارِیْ وَبَارِکْ لِیْ فِیْ

رِزْقِی ۴اور دیگر اعضاء کی دعائیں پڑھتے رہنا۔

(۲۹)وضو کے بعد یہ دعا پڑھنا : أَشهَدُأَن لَّآ إلٰه إِلَّا اللهُ وَحدَه‘ لَاشَرِیکَ لَه‘ وَأَشهَدُأَنَّ مُحَمَّداً عَبدُهُ وَرَسُوْلُه‘ اَللّٰهُمَّ اجْعَلنِیْ مِنَ التَّوَابِیْنَ وَاجعَلنِی مِنَ المُتَطَهِّرِیْن۔

(۳۰)وضو کرنے کے بعد نماز شروع کرنے تک پرسکون رہنا۔

(۳۱)تحیۃ الوضوء پڑھنا۔

(۳۲)وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا۔

گھر سے نکلنے کے آداب:

(۱)(اگر موقع ہو تو) گھر سے نکلنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنا۔

(۲) گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھنا۔ بِسْمِ اللهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اَللهِ پڑھنا۔

(۳) گھر سے نکل کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے یہ دعا پڑھنا۔

گھر میں داخل ہونے کے آداب:

(۱) کھنکھار کر یا جوتوں کو حرکت دے کر گھر والوں کو اپنے آنے سے باخبر کرنا۔(عملی مشق کرائے)

(۲)دروازہ میانہ انداز سے کھٹکھٹانا۔

(۳)دائیں پیر سے داخل ہونا۔

(۴) گھر میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھنا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّی أَسئَلُکَ خَیْرَ الْمُولَجِ وَخَیْرَ الْمَخرَجِ بِسمِ اللهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللهِ خَرَجنَا وَعَلَی اللهِ رَبِّنَا تَوَکَّلنَا۔

(۵) گھر والوں کو سلام کرنا۔

(۶) گھر میں داخل ہوتے ہی مسواک کرنا۔

(۷) دو رکعت نماز پڑھنا۔

لباس کے آداب:

(۱) پاک صاف لباس پہننا۔

(۲) لباس کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھنا۔

(۳) سفید کپڑے پہننا۔

(۴) کپڑے پہننے میں داہنی طرف سے شروع کرنا۔

(۵) عام کپڑے پہنتے وقت یہ دعا پڑھنا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَسَانِیْ ھٰذَا وَرَزَقَنِیْہِ مِنْ غَیْرِ حَوْلٍ مِّنِّیْ وَلَا قُوَّۃٍ۔

(۶) نیا کپڑا پہنے تو یہ دعا پڑھنا۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ أَنْتَ کَسَوْتَنِیْہِ أَسْأَلُکَ مِنْ خَیْرِہٖ وَخَیْرِ مَاصُنِعَ لَہٗ وَأَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّہٖ وَشَرِّ مَاصُنِعَ لَہٗ

(۷) کپڑے اتارنے میں بائیں طرف سے ابتدا کرنا۔

مسئلہ: مردوں کا ریشم کے کپڑے اور سونا استعمال کرنا ناجائز ہے۔

(۸) غیر مسلمین کا سا لباس نہ پہننا۔

(۹) متکبرین کا سا لباس نہ پہننا۔

(۱۰) کسی کو صاف دھلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھے تو یہ دعا : اَلْبِسْ جَدِیْداً وَعِشْ حَمِیْداً وَمُتْ شَھِیْداً۔

(۱۱) مرووں کا عورتوں کی اور عورتوں کا مردوں کی مشابہت اختیار نہ کرنا۔

بالوں کے آداب:

(۱) بالوں کو اچھے طریقے سے رکھنا۔

(۲) کبھی کبھی کنگھی کرتے رہنا۔

(۳) کنگھی کرنے میں داہنی طرف سے ابتدا کرنا۔

(۴) درمیان میں مانگ نکالنا۔

(۵) سر کے بالوں میں تیل لگانا اور ڈاڑھی کو درست رکھنا۔

(۶) گاہے گاہے بڑے بال موافق سنت رکھنا۔

(۷) کفار کے مشابہ بال نہ رکھنا۔

(۸) عورتوں کا مردوں کے مشابہ بال نہ رکھنا۔

(۹) سفید بالوں کو نہ اکھاڑنا۔

(۱۰) سفید بالوں پر کالے خضاب کے علاوہ دوسرا خضاب لگانا۔

(۱۱) ڈاڑھی کو بڑھانا اور اسے نہ کاٹنا۔

(۱۲) ڈاڑھی میں گرہیں نہ لگانا۔

(۱۳) مونچھیں کتروانا۔

(۱۴) کان کے بال کاٹنا یا اکھاڑنا۔

(۱۵) بالوں کو دفن کر دینا۔

چلنے کے آداب:

(۱) نیک نیت سے قدم اٹھانا۔

(۲) تواضع سے چلنا، تکبر سے نہ چلنا۔

(۳) مضبوطی کے ساتھ چلنا۔

(۴) درمیانی رفتار سے چلنا۔

(۵) پیچھے مڑ کر نہ دیکھتے رہنا۔

(۶) چلنے میں بناوٹی خشوع نہ کرنا۔

(۷) ایک چپل پہن کر نہ چلنا۔

(۸) حرام کاموں کی طرف نہ چلنا۔

(۹) عورتوں کا راستے کے درمیان میں نہ چلنا۔

(۱۰) کبھی کبھی ننگے پیر چلنا۔

تیل لگانے کے آداب:

(۱) بالوں میں سنت سمجھ کر تیل لگانا۔

(۲) تیل لگانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا۔

(۳) سر میں تیل لگاتے وقت بھوؤں سے شروع کرنا۔

(۴) تیل لگانے کا طریقہ : بائیں ہاتھ میں تیل کو رکھے اور پھر ابتداء دونوں بھوؤں پر لگائے پھر مونچھ پر اور پھر ڈاڑھی میں اور پھر آخر میں سر پر۔

سلام کے آداب:

(۱) سلام کو عام کرنا۔

(۲) سلام میں پہل کرنا۔

(۳) چھوٹے کا بڑے کو، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑوں کا زیادہ کو سلام میں پہل کرنا۔

(۴) اسلامی الفاظ سے سلام کرنا۔

(۵) مکمل سلام کرنا یعنی اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

(۶) مُردوں کے سلام کے الفاظ سے سلام نہ کرنا (السلام علیکم کے بہ جائے علیک السلام نہ کہنا)

(۷) سلام نہ سنا ہو تو تین مرتبہ سلام کرنا۔

(۸) سلام میں غیر مسلموں کی مشابہت اختیار نہ کرنا۔

(۹) اہل کتاب اور مشرکین کو سلام میں پہل نہ کرنا۔

(۱۰) غیر مسلموں کے سلام کے جواب میں صرف علیکم کہنا۔

(۱۱) بات شروع کرنے سے پہلے سلام کرنا۔

(۱۲) گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا

(۱۳) بہ وقت ملاقات (سلام کے ساتھ) مصافحہ کرنا۔

(۱۴) اگر خالی گھر ہو تو اس طرح سلام کرنا: اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْن۔

(۱۵) بچوں کو سلام کرنا۔

(۱۶) بیدار اور سوئے ہوئے لوگوں کو درمیانی آواز سے سلام کرنا۔

(۱۷) سلام کا جواب دینا۔

(۱۸) سلام کرنے والے کو اس کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں جواب دینا۔

(۱۹) مجلس سے جدا ہونے کے وقت سلام کرنا۔

(۲۰) تھوڑی دیر کی جدائی کے بعد پھر سے سامنا ہو جائے تو سلام کرنا۔

مسجد میں داخل ہونے کے آداب:

(۱) پہلے دایاں پیر داخل کرنا۔

(۲) مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھنا: اَللّٰهُمَّ افتح لی أبواب رحمتک۔

(۳) مکروہ وقت نہ ہو تو تحیۃ المسجد پڑھنا۔

(۴) اعتکاف کی نیت کرنا۔

راستے کے آداب:

(۱) سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا۔

(۲) غیر محرم عورتوں سے نظر کی حفاظت کرنا۔

(۳) راستے میں اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچانا۔

(۴) راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا۔

(۵) راستے میں قضائے حاجت نہ کرنا اور نہ ہی کچرا ڈالنا۔

(۶) اچھی باتوں کا حکم کرنا۔

(۷) بری باتوں سے منع کرنا۔

(۸) راہ گیروں کو راستہ بتلانا۔

(۹) مظلوم کی مدد کرنا۔

(۱۰) عورتوں کا راستے کے درمیان میں نہ چلنا۔

(۱۱) ایسا عمل نہ کرنا جو عرف میں ناپسندیدہ سمجھا جائے۔

(۱۲) راستے کے متعلق حکومتی قوانین کی پابندی کرنا۔

جمعہ کے آداب:

(۱) جمعہ (افضل ایام ہونے کی وجہ سے) زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنا اور گناہوں سے بچنا۔

(۲) بہ کثرت درود شریف پڑھنا۔

(۳) جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۂ الم سجدا اور سورۂ دہر پڑھنا۔

(۴) سورۂ کہف کی تلاوت کرنا۔

(۵) جمعہ کی نماز کے لئے غسل کرنا۔

(۶) مسواک کرنا۔

(۷) کپڑوں کا کوئی جوڑا خاص جمعہ کے دن پہننے کے لئے رکھنا۔

(۸) نئے کپڑے پہننے کی شروعات جمعہ کے دن کرنا۔

(۹) خوشبو لگانا۔

(۱۰) مسجد میں جلدی جانا۔

(۱۱) لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے آگے نہ جانا۔

(۱۲) منبر پر چڑھنے کے بعد اذان کے ختم تک اس پر بیٹھے رہنا۔

(۱۳) امام کا کھڑے ہو کر خطبہ دینا۔

(۱۴) دو خطبے دینا۔

(۱۵) دو خطبوں کے درمیان خاموش بیٹھنا۔

(۱۶) امام کی طرف متوجہ ہونا۔

(۱۷) خاموشی سے خطبہ سننا۔

(۱۸) جمعہ کی نماز میں مسنون قراءت کا اہتمام کرنا۔

(۱۹) جمعہ کے دن مقبولیت دعا کی گھڑی کی جستجو میں رہنا۔

(۲۰) نماز کے بعد روزی کی تلاش میں نکلنا۔

رمضان المبارک کے آداب:

(۱) شوق و ذوق سے رمضان المبارک کا انتظار کرنا۔

(۲) رمضان کے خاطر شعبان کے چاند کو شمار کرنا۔

(۳) چاند دیکھ کر یہ دعا پڑھنا : اَللّٰھُمَّ أَھِلَّهُ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَ الإِیمَانِ وَ السَّلاَمَةِ وَ الإِسلاَمِ رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللہ۔

(۴) صدقہ خیرات میں اضافہ کر دینا۔

(۵) اپنے ماتحتوں کے ساتھ نہایت نرمی اور مزید شفقت کا سلوک کرنا۔

روزے کے آداب:

(۱) لوجہ اللہ (اللہ کے لئے) روزہ رکھنا۔

(۲) حسب استطاعت بہ کثرت نفل روزے رکھنا۔

(۳) سحری کرنا چاہے ایک گھونٹ پانی سے ہو،

(۴) سحری دیر سے کرنا۔

(۶) روزے کی حالت میں خاص طور پر گناہوں سے بچنا۔

(۷) روزے کی حالت میں فحش باتیں نہ کرنا۔

(۸) لغویات سے باز رہنا۔

(۹) بہ کثرت اعمال خیر کرنا۔

(۱۰) افطار جلدی کرنا۔

(۱۱) ممکن ہو تو کھجور سے افطار کرنا۔

(۱۲) افطار کی دعا پڑھنا۔

(۱۳) روزے داروں کو افطار کروانا۔

(۱۴) صوم وصال (بلا افطار مسلسل روزے) نہ رکھنا۔

والدین کے حقوق وآداب:

ان کی زندگی سے متعلق حقوق:

(۱) احکام شرعیہ کی مخالفت کے علاوہ میں ان کی اطاعت کرنا۔

(۲) ان کے ساتھ بھلائی کرنا اور خدمت کے لئے تیار رہنا۔
(۳) ان کی مطلوبہ چیز انھیں عطا کرنا۔ (بہ شرطے کے استطاعت ہو)
(۴) نرمی سے بات کرنا۔
(۵) ان کو گالی نہ دینا اور نہ ہی گالی کا سبب بننا، (سبب بننے کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور کو گالی دے کر ان کو گالی دینا)
(۶) ماں کے ساتھ حسن سلوک کو باپ کے حسن سلوک پر مقدم کرنا۔
(۷) والدین کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کر کے ان کو راضی کرنا۔
(۸) جہاد و تبلیغی و علمی وغیرہ سفر میں جانے سے پہلے ان کی اجازت طلب کرنا۔

والدین کے مرنے کے بعد کے حقوق :

(۱) ان کے لئے دعا کرتے رہنا۔
(۲) ان کے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنا۔
(۳) ان کے واسطے سے منسلک دیگر رشتے دار مثلاً خالہ چچی وغیرہ سے صلہ رحمی کرنا۔

پڑوسی کے آداب:

(۱) اچھے پڑوسی کو اختیار کرنا۔
(۲) جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی چیز اپنے پڑوسی کے لئے بھی پسند کرنا۔
(۳) اپنے کسی عمل یا بات سے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچانا۔
(۴) ہمیشہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔
(۵) بھوکے پڑوسی کے لئے حسب وسعت کھانے کا انتظام کرنا۔
(۶) اس کے ساتھ ہمدردی کرنا اور خوشی اور غمی میں شریک ہونا۔
(۷) اپنی دیوار میں پڑوسی کو لکڑی گاڑنے اور دیگر کاموں میں استعمال میں لانے سے

انکار نہ کرنا۔ (جب کہ مکان و دیوار کو خطرہ نہ ہو)

(۸) جب گھر کے بیچنے کا ارادہ ہو تو پہلے ہمسایہ کے سامنے پیش کرنا۔

(۹) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔

(۱۰) پڑوسی کے ہدیے کو حقیر نہ سمجھنا۔

(۱۱) اس کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر صبر کرنا۔

(۱۲) مسلمان پر بہ حیثیت مسلمان کے عائد شدہ تمام حقوق کی پڑوسی کے ساتھ بھی رعایت کرنا۔

تلاوت قرآن کریم کے آداب:

(۱) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے تلاوت کرنا۔

(۲) باوضو تلاوت کرنا۔

(۳) تلاوت سے پہلے مسواک کرنا۔

(۴) اگر ممکن ہو قبلہ رخ ہو کر تلاوت کرنا۔

(۵) غور و تدبر سے تلاوت کرنا۔

(۶) آیات رحمت پر رحمت طلب کرنا اور آیات عذاب پر عذاب سے پناہ چاہنا۔

(۷) خوف و خشیت کے ساتھ تلاوت کرنا۔

(۸) رونا یا کم از کم رونے کی صورت بنانا۔

(۹) عذر نہ ہو تو بیٹھ کر تلاوت قرآن کرنا۔

(۱۰) حسن صوت (اچھی آواز) سے تلاوت کرنا۔

(۱۱) ٹھہر ٹھہر کر ترتیل سے تلاوت کرنا۔

(۱۲) تلاوت کا تکلف (بناوٹ) سے خالی ہونا۔

(۱۳) تین دن سے کم میں قرآن ختم نہ کرنا۔

(۱۴) حفاظ کا قرآن کریم کو یاد کرتے رہنا۔

(۱۵) مسجد میں اکٹھے تلاوت کرنا اور قرآن کریم سیکھنا سکھانا۔

(۱۷) قرآن سے دنیا طلب نہ کرنا۔

(۱۸) احادیث مبارکہ میں جن سورتوں کی مخصوص دنوں اور وقتوں میں پڑھنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے انھیں ان ایام واوقات میں پڑھنے کا خصوصی اہتمام کرنا۔

(۱۹) موسم گرما میں دن کی ابتدا میں ختم کرنا، اور موسم سرما میں ابتدائی شب میں۔

اذان کے آداب:

(۱) لوجہ اللہ (اللہ تعالیٰ کے لئے) اذان دینا۔

(۲) وقت کی پابندی کرنا۔

(۳) باوضو اذان دینا۔

(۴) اذان قبلہ رخ ہوکر دینا۔

(۵) کھڑے ہوکر اذان دینا۔

(۶) بلند جگہ پر اذان دینا۔

(۷) کان میں انگلیاں ڈالنا۔

(۸) موذن کا اچھی اور بلند آواز والا ہونا۔

(۹) اذان میں مسنون الفاظ کا اہتمام کرنا۔

(۱۰) (حیّ علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح) کے وقت مؤذن کا اپنے چہرے کو دائیں بائیں گھومانا۔

(۱۱) فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد (دومرتبہ) اَلصَّلاۃُ خَیر ٌ ''مِنَ النَّوْمِ کہنا۔

(۱۶) اذان کے بعد یہ دعا پڑھنا: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ وَالصَّلٰوۃِ الْقَآئِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدِ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَابْعَثْہُ مَقَاماً مَحْمُوْداً نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّہ اِنَّکَ لَاتُخْلِفُ الْمِیْعَاد۔

(۱۷) اذان اور اقامت کے درمیان دعا مانگنا۔

(۱۸) اذان اور اقامت کے درمیان مناسب فاصلہ رکھنا۔

عیادت کے آداب:

(۱) اخلاص سے عیادت کرنا۔

(۲) مریض کی عیادت کرنا چاہیے۔

(۳) مریض سے ہمدردی کا اظہار کرنا۔

(۴) مریض بے ہوش ہو تب بھی اس کی عیادت کرنا۔

(۵) مناسب وقت میں عیادت کے لئے جانا۔

(۶) (ممکن ہو تو) پیدل چل کر عیادت کرنا۔

(۷) گھر والوں سے مریض کی خیر خبر معلوم کرنا۔

(۸) مریض کے سرہانے بیٹھنا۔

(۹) مریض سے اس کی حالت پوچھنا۔

(۱۰) مریض کو مرض کے فضائل بتلانا۔

(۱۱) مریض کو رضا بالقضاء کی نصیحت کرنا۔

(۱۲) مریض کو ناراضگی اور مرض کو گالی دینے اور شکوہ شکایت کرنے سے روکنا۔

(۱۳) مریض کے لیے دعا کرتے ہوئے اس پر اپنا ہاتھ رکھنا۔ (اگر غیر محرم نہ ہو)۔

(۱۴) صالح عیادت کرنے والے کا اپنے وضو کا بچا ہوا پانی مریض پر ڈالنا۔

(۱۵) مریض کے پاس سات مرتبہ یہ دعا پڑھنا:

أسأَلُ اللهَ العَظِيْمَ رَبَّ العَرشِ الْعَظِيْمَ أَنْ يَّشفِيَکَ۔

(۱۶) مریض کو موت کی تمنا کرنے سے منع کرنا۔

(۱۷) مریض کو اللہ سے اچھی امید دلانا۔

(۱۸) مریض کی عیادت کے لئے زیادہ دیر نہ رکنا۔

(۱۹) مریض کے اہل خانہ کو اس کی خدمت اور اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کرنا۔

(۲۰) (اگر مریض کو تکلیف نہ ہو بلکہ مسرت ہو تو) بار بار مریض کی عیادت کرنا۔

(۲۱) مریض سے دعا کروانا۔

(۲۲) زیادہ پوچھ تاچھ نہ کرنا۔

توبہ کے آداب:

(۱) تمام گناہوں سے توبہ کرنا۔

(۲) توبہ میں جلدی کرنا۔

(۳) گناہ اور معصیت پر یشیمان (شرمندہ) ہونا۔

(۴) دوبارہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ کرنا۔

(۵) اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنا۔

(۶) گناہ سے دور ہو جانا۔

(۷) ناحق مال کو واپس لوٹانا یا صاحب حق سے معاف کروالینا۔

(۸) گناہوں کے بعد اچھے اعمال کر لینا۔

(۹) توبہ کے بعد اعمال خیر کو شروع کر دینا۔

(۱۰) جن گناہوں کی اللہ نے پردہ پوشی کی ہے ان کو ظاہر کر کے اپنے آپ کو رسوا نہ

کرنا۔

(۱۱) توبہ کا دروازہ بند ہونے سے پہلے (یعنی موت سے پہلے اور مغرب کی جانب سے طلوع آفتاب سے پہلے) توبہ کرنا۔

(۱۲) ہمیشہ توبہ کرتے رہنا۔

(۱۳) توبہ کرنے والے گنہگار کو اس کے گناہوں پر طعنہ نہ دینا۔

ملاقات اور مصافحہ کے آداب:

(۱) سلام کرنا۔

(۲) اجازت حاصل کرنے کے آداب پر اہتمام سے عمل کرنا۔

(۳) ملاقات میں حد تجاوزی نہ کرنا یعنی بہت کثرت سے ملاقات کے لئے آمد و رفت نہ رکھنا)

(۴) صاحب خانہ جس جگہ کہے اسی جگہ بیٹھ جانا۔

(۵) گھر کی غیر محروم عورتوں سے نگاہ کی حفاظت کرنا۔

(۶) گھر کے مال و متاع کو نہ دیکھتے رہنا۔

(۷) صاحب خانہ کی آپسی باتوں کی طرف کان نہ دھرنا۔

(۸) صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں امامت نہ کروانا۔

(۹) اگر اس کے گھر میں نماز پڑھنے کی نوبت آئے تو صاحب خانہ کی اجازت سے واپس لوٹنا۔

(۱۰) خندہ پیشانی سے ملاقات کرنا۔

مزاح و دل لگی کے آداب:

(۱) مزاح میں حد تجاوزی نہ کرنا، مذاق میں حد سے آگے نہ بڑھنا۔

(۲) جن کو مزاح پسند نہ ہو ان سے مزاح نہ کرنا۔

(۳) سنجیدہ مجالس میں مزاح نہ کرنا۔

(۴) مزاح کے دوران محرمات شرعیہ مثلاً مال چھپانا، جھوٹ بولنا، ذلیل کرنا وغیرہ سے بچنا۔

(۵) ہاتھ سے اور برے الفاظ سے جو جھگڑے کا باعث بنے مزاح نہ کرنا۔

(۶) بہت زیادہ ہنسنے سے بچنا۔

خرید وفروخت کے آداب:

(۱) حرام چیزوں کی خرید وفروخت سے بچنا۔

(۲) بیع میں دھوکہ نہ دینا۔

(۳) بیچتے وقت مبیع (چیز) کی خواہ مخواہ تعریف نہ کرنا۔

(۴) خریدتے وقت کسی چیز کی برائی نہ کرنا۔

(۵) قسمیں کھا کھا کر مال نہ بیچنا۔

(۶) نفع لینے میں حد تجاوزی نہ کرنا۔

(۷) سچائی سے تجارت کرنا۔

(۸) جھکتا تولنا۔

(۹) خرید وفروخت میں درگزر نرمی اور سہولت کا معاملہ کرنا۔

(۱۰) ممنوع ذخیرہ اندوزی سے بچنا۔

(۱۱) بھاؤ تاؤ کرتے وقت عاجزی کرنے سے بچنا۔

(۱۲) تولنے میں بہت زیادہ جلدی سے کام نہ لینا۔

(۱۳) ہر دن ترازو کو صاف کر لینا اور باٹ وغیرہ کی کمی پوری کر لینا۔

(۱۴) ترازو اور باٹ وغیرہ کو معتبر ثقہ لوگوں سے خریدنا۔

(۱۵) تجارت کے لئے ایسی جگہ نہ بیٹھنا جس سے لوگوں پر راستہ تنگ ہوجائے،

(۱۶) عقل منداما نت دار شخص کونوکر رکھنا جو ناپ تول میں کمی نہ کرے۔

(۱۷) شریف اور ہمسایہ خریدار کا اکرام کرنا، اور ضعیف خریدار پر رحم کرنا۔

(۱۸) سائل کو نہ لوٹانا۔

(۱۹) معمولی چیزوں سے منع نہ کرنا۔

(۲۰) نامحرم عورتوں اور مردوں سے نگاہوں کو بچانا۔

قرض کے آداب:

(۱) کسی ایسے شخص سے کوئی چیز مت مانگو قرائن سے یقین ہو کہ وہ باوجود گرانی کے بھی انکار نہ کرسکے گا۔ اگرچہ بطور عاریت یا قرض کی کے ہو۔ البتہ اگر یہ یقین ہو کہ اس کو گرانی نہ ہوگی یا گرانی ہوئی تو یہ آزادی سے عذر کردے گا تو مضائقہ نہیں۔

(۲) حتی الامکان کسی کا قرض دار مت بنو اور اگر بضرورت قرض دار ہونا پڑے تو اس کے ادا کی فکر رکھو۔

(۳) جب کسی کا قرض ادا کیا تو ادا کرنے کے ساتھ اس کو دعا بھی کرو اور اس کا شکریہ بھی ادا کرو۔

(۴) اگر تمہارا قرض دار غریب ہو اس کو پریشان مت کرو۔ مہلت دو یا جزیا کل معاف کردو۔ اللہ تعالیٰ قیامت کی سختی سے نجات دیں گے۔

(۵) جب کسی سے قرض لے تو اس کو اپنی یادداشت میں لکھ لے اور جب ادا کریں تب بھی لکھ لے۔

استنجاء کے آداب:

(۱) میدان میں ایسی جگہ پاخانہ کیلئے مت بیٹھو جہاں کوئی دیکھتا ہو اور دامن اس وقت اٹھاؤ جب زمین سے قریب ہو جاؤ۔

(۲) پاخانہ پھرتے وقت پشت پر کوئی آڑ ہونا چاہیے۔ اگر اور کچھ نہ ہو تو ریت کا ڈھیر ہی لگا لے۔

(۳) سڑک پر یا سائے پر پاخانہ مت کرو۔

(۴) جو پانی نہ بہتا ہو گو کتنا ہی زیادہ ہو بلا ضرورت اس میں بھی پیشاب نہ کرو۔

(۵) کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرو۔

(۶) غسل خانہ میں پیشاب مت کرو۔

(۷) پیشاب یا پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پشت مت کرو۔

(۸) پاخانہ میں جانے سے پہلے:

اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث

اور نکلتے وقت:

غفرانک الحمد للہ الذی اذھب عنی الاذی وعافانی

پڑھو۔

(۹) پاخانہ میں جاتے وقت انگوٹھی جس پر اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا ہو باہر اتار دو۔

(۱۰) ہڈی اور کوئلہ و نجاست سے استنجاء مت کرو۔

کتاب دانشوروں کی نظر میں

''میں نے قبر سے زیادہ واعظ کتاب سے زیادہ مخلص دوست اور تنہائی سے زیادہ بے ضرر ذاتی کوئی نہیں دیکھا'' (حضرت عمر بن عبدالعزیز رح)

''کتابیں وہ ہیں جن سے کسی فتنے اور کسی بدمزگی کا اندیشہ نہیں اور نہ ان کی زبان اور ہاتھ سے کوئی خطرہ ہے'' (حضرت ابوالعباس رح)

''کتابیں وقت کے بے پایاں سمندر میں روشنی کے مینار کا درجہ رکھتی ہے'' (ایک پی وٹیہیل)

''ایک اچھی کتاب انسان کے لیے زندگی کا بہترین سرمایہ ہیں'' (ملٹن)

''وہ گھر جس میں کتابیں نہ ہوں اس جسم کی طرح ہے جس میں روح نہ ہو'' (سقراط)

''اگر دنیا کے تمام سلطنتوں کے تاج میری کتابوں اور میرے شوق مطالعہ کے عوض میرے قدموں پر رکھ دیئے جائے تو میں ان کو ٹھکرادوں گا'' (بائل)

'' جو شخص اچھی کتابیں پڑھنے کا شوق نہیں رکھتا وہ معراج انسانی سے گھرا ہوا ہے'' (برناڈ شا)

''جب میں تمام دوستوں اور عزیزوں کی ہمدردیوں سے محروم ہوگیا تو کتابیں ہیں میری دوامی ساتھی بنے'' (گوئٹے)

''کتابیں انسان کو حیات فانی میں عزت اور حیات دوامی میں ابدی سکون بخشتی ہے'' (امام رازی رح)

(مطالعہ کی اہمیت)

حضرت لقمان حکیم کی نصیحت

حضرت لقمان حکیم اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اے بیٹے! شریک نہ ٹھہراؤ اللہ کا بے شک شریک ٹھہرانا بھاری بے انصافی ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے ایمان لانے کا سبب

مولانا عبید اللہ نومسلم (مرحوم) پہلے پنڈت تھے اور لدھیانہ کے رہنے والے تھے پڑھے لکھے آدمی تھے اللہ تعالی نے ان کو ایمان کی توفیق عطاء فرمائی مسلمان ہو گئے انہوں نے کتاب لکھی ''تحفہ الہند'' ہندوؤں کے لئے تحفہ یہ کتاب بڑی نایاب تھی مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ علیہ کے ایمان لانے کا سبب یہی کتاب بنی ان کا پہلا نام بوٹا سنگھ تھا۔

نظر کا لگ جانا حق ہے

تفسیروں میں ایک بات یہ لکھی ہے کہ نظر بد سے بچنے کے لیے کہ ماشاء اللہ سارے صحت مند، خوبصورت جوان ہو، کہیں نظر بد نہ لگ جائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے ''العین حق ولہ رقیۃ'' نظر کا لگ جانا حق ہے اور اس کا دم بھی ہے، نظر کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو دیکھے کہ یہ اتنا صحت مند ہے، اتنا خوبصورت ہے، اتنا مالدار ہے، اتنا لائق ہے یعنی ان چیزوں پر تعجب کا اظہار کرلے، یہ جب تعجب کرتا ہے تو اللہ تعالی فوراً اس میں عیب پیدا کر دیتے ہیں کہ ان کمالات میں بندے کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ میرے اختیار میں ہے۔

ایک کتاب کی ترتیب کے لئے دو مرتبہ کرۂ ارض کا سفر

حافظ ابن حجرؒ نے ''تہذیب التہذیب'' میں امام احمد بن حنبلؒ کے احوال میں لکھا ہے کہ امام احمدؒ نے فرمایا کہ میں نے پانچ حج کئے جن میں تین حج میں نے پیادہ کئے ۔ یعنی بغداد تا مکہ مکرمہ) اور میں نے ایک ایک حج پر تیس تیس درہم خرچ کئے ، امام جوزیؒ نے ''صید الخاطر'' میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے دو مرتبہ دنیا کا چکر لگا کر اپنی مسند مرتب کی۔

مطالعہ کی اہمیت
اقوال زریں کی روشنی میں

امام غزالیؒ:

میری صحبت سے تنہائی اچھی ہے، لیکن تنہائی سے پریشان ہوجانے کا اندیشہ ہے، اس لئے اچھی کتابوں کی مطالعہ کی ضرورت ہے۔

حکیم ابونصر فارابیؒ:

تیل کے لئے پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے میں رات کو چوکیداروں کی قندیلوں سے کھڑے کھڑے کتاب کا مطالعہ کرتا تھا۔

علامہ اقبالؒ:

مطالعہ انسان کے اخلاق کا معیار ہے۔

رچرڈ اسٹیل:

دماغ کے لئے مطالعہ اور جسم کے لئے ورزش ضروری ہے۔

بیکن:

مطالعہ سے خلوت میں خوشی، تقریر میں آراستگی، تجویز اور ترتیب میں استعداد اور تجربہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔

(ماخوذ مطالعہ کی اہمیت)

کسی کہنے والے نے کہا مطالعہ روح کی غذا ہے

اللہ کا نظام

ایک شخص درخت کے نیچے سویا ہوا تھا، اچانک اس نے دیکھا کے بچھو اس کی طرف آرہا ہے، تو وہ تھوڑا پیچھے ہٹ گیا۔ بچھو اس کے پاس سے ایسے گزرا جیسے وہ کسی کام جارہا ہو اس نے سوچا، عجیب بات ہے کہ مجھے کچھ کہے بغیر یہ آگے کیسے چلا گیا۔

اس نے بچھو کا پیچھا کرنا شروع کر دیا آگے گیا تو دریا آ گیا بچھو کنارے کے آگے اسے کھڑا تھا جیسے کسی کشتی کا انتظار کر رہا ہو۔ تھوڑی دیر بعد ایک پانی میں تیرتا ہوا پتا آیا اور اس کے پاس آ کر رک گیا بچھو اس پر سوار ہوا اور پتا آگے چل پڑا اُس شخص نے چھلانگ لگائی

اوراس بچھو کے پیچھے پیچھے تیرنے لگا بچھو دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔

جب بچھو دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو پتا رُوکا، بچھوا تر گیا وہ شخص بھی کنارے پر آ گیا۔ بچھو چلتا ہوا دور ایک آدمی کے پاس پہنچا جو سویا ہوا تھا اسکے قریب جا کر رک گیا دوسری طرف سانپ آ رہا تھا جیسے ہی سانپ سوئے ہوئے شخص کو ڈسنے لگا تو بچھو نے سانپ کو ڈس لیا یوں سانپ مر گیا اور بچھو آگے چلا گیا۔ وہ شخص جو بچھو کے پیچھے یہاں تک پہنچا تھا، اُس نے سوئے ہوئے آدمی کے پاؤں پڑ لئے وہ جاگ گیا تو اسے کہنے لگا کہ آپ تو بہت بڑے بزرگ ہیں۔

اس نے پوچھا کیوں کیا ہوا؟ پھر اس نے اسے سارا واقعہ سنایا واقعہ سننے کے بعد اس نے کہا، بھائی میں تو یہودی ہوں۔ اس شخص نے یہودی کو چھوڑا اور سر سجدے میں رکھ دیا اور کہنے لگا اے میرے مالک تو ایک بندے کو بچانے کیلئے اتنا بڑا کارخانہ چلاتا ہے

میں دن رات خوامخواہ پریشان ہوتا ہوں تو میرے بارے میں اس سے بھی بہتر کر رہا ہوگا۔ اگر ہماری آنکھیں کھول دی جائیں اللہ ہمارے ساتھ کیا معاملات کر رہا ہے اور کہاں کہاں سے ہماری مدد کر رہا ہے تو ہم کبھی سر سجدے سے بھی نا اٹھائیں۔

(حیوۃ الحیوان)

اقوال زریں

۞ بہتر ہے وہ شخص جو دیر میں خفا ہو اور جلد راضی ہو جائے اور بدتر ہے وہ شخص جو جلد غصہ میں آ جائے اور دیر سے راضی ہو۔

۞ انسان خدا کا اور خدا اس کا راز ہے۔

۞ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی کرنا چاہتا ہے تو اس کو اپنے نفس کے عیوب دکھاتا ہے۔

۞ صبر وہ ہے جو مصیبت کی پہلی ٹھوکر لگنے پر کیا جاتا ہے۔

۞ جو اپنے دست کو کسی گناہ کا طعنہ دے وہ اس گناہ کا مرتکب ہونے سے پہلے نہیں مرے گا۔

۞ ایمان کے بعد بڑی نعمت نیک عورت ہے۔

۞ وہ جو بیوقوف کے ہاتھ کوئی پیغام بھیجتا ہے اپنے پاؤں آپ کاٹتا ہے۔

۞ بیوقوف کو اس کی حماقت کی مانند جواب مت دے، ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس کی مانند ہو کائے۔

۞ تعلیم بہترین خیرات ہے۔

۞ جاہل اپنے دل میں جو کچھ ہے ظاہر کر دیتا ہے، مگر دانش منداسے آخر موقع تک چھپائے رکھتا ہے۔

۞ ہر شخص سچا دوست تلاش کرتا ہے، لیکن خود سچا بننے کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔

۞ جس طرح دشمن احسان کے ساتھ دوست ہو جاتے ہیں، اسی طرح سے دوست جور و جفا سے دشمن بن جاتے ہیں۔

۞ مصائب سے نہ گھبراؤ، ستارے ہمیشہ تاریکی میں چمکتے ہیں۔

۞ عقل مند کے لئے مناسب ہے کہ وہ اپنے گھر میں بچوں کی طرح اور قوم میں

جوانوں کی طرح رہے۔

۞ جو آدمی جتنا زیادہ بولتا ہے اتنا ہی کم عقل ہے۔

۞ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔

۞ بیوقوں کے پاس دانائی کی باتیں مت کرو، تم ان پر ظلم کرو گے۔

۞ عورت اور محبت لازم وملزوم ہیں۔

۞ دانا وہ ہے جو کم بولے اور زیادہ سنے۔

۞ بدبخت ہے وہ شخص جو خود تو مرجائے لیکن اس کا گناہ نہ مرے۔

۞ مصیبت کی جڑ اور بنیاد انسان کی گفتگو ہے۔

۞ شہوت کے سبب سے بادشاہ غلام بن جاتے ہیں۔

۞ قرض دینا سخاوت کی علامت ہے اور حاجت مند کو بطور احسان دینا بخیلی۔

۞ تم جس سے نفرت کرتے ہو اس سے ہوشیار رہو۔

۞ خاموشی غصے کا بہترین علاج ہے۔

۞ بعض دفعہ جرم معاف کر دینا۔ مجرم کو اور بھی خطرناک بنا دیتا ہے۔

۞ ایسی بات مت کہو جو مخاطب کی سمجھ سے باہر ہو۔

۞ دوستوں کو کھو دینا ایک طرح کی غریب الوطنی ہے۔

۞ دیدہ دانستہ غلطی قابل معافی نہیں ہوتی۔

۞ جس شخص کے اپنے خیالات خراب ہوتے ہیں اس میں دوسروں کی نسبت بدظنی

زیادہ ہوتی ہے۔

۞ عادت پر غالب آنا کمال فضیلت ہے۔

۞ جس کے ساتھ نیکی کرو اس کے شر سے اپنے آپ کو بچائے رکھو۔

۞ غریب وہ ہے جس کا کوئی دست نہ ہو۔

۞ عورت ایک ایسا بچھو ہے، جو لپٹ جائے تو بھی اس کے زہر میں لذت ہے۔

۞ جو شخص تم سے دسروں کی عیوب بیان کرتا ہے وہ یقیناً دوسروں سے تمہاری برائی بھی کرتا ہے۔

۞ جس بات سے تم دوسروں کو روک رہے ہو اسے خود بھی نہ کرو۔

۞ قرآن مجید ایک ایسا دریچہ ہے جس سے ہم اگلی دنیا کو دیکھ سکتے ہیں۔

۞ لوگوں سے میل جول اور تعارف کم رکھو، میرا غالب گمان یہی ہے کہ تجھے جو تکلیف اور ایذا پہنچی ہوگی وہ کسی واقف کار ہی پہنچی ہوگی۔

۞ صالح کی زیارت ہی اس کی حالت کا پتہ دیتی ہے۔

۞ جس شخص نے خاموشی کو غنیمت نہ جانا وہ جب بولے گا تو بیہودہ باتیں کرے گا۔

۞ اللہ تعالی نے کسی کو دوست نہ بنایا، سوائے اس کے جو بھوکا رہا۔

۞ جھوٹ بولنے کا نقصان یہ ہے کہ اگر اس کے بعد تو سچ بھی بولے گا تو کوئی شخص تیری بات کو باور نہ کرے گا۔

۞ ہر بیٹا اپنے باپ کی نظر میں یوسف ہے۔

(اقوال زریں کا انسائیکلوپیڈیا)

بیش بہا نصیحتیں

لقمان نے اپنے بیٹے سے پوچھا ''اب تیسری دانائی کس منزل میں ہے؟'' بیٹے نے جواب دیا بے فائدہ باتوں سے پرہیز کرنے لگا ہوں۔لقمان نے کہا: ابھی ایک کسر باقی ہے، علماء کی صحبت میں بیٹھ، کیونکہ خدا نور حکمت سے مردہ دلوں کو اسی طرح زندہ کر دیتا ہے جس طرح مینہ سے مردہ زمین کو۔

زین بن اسلم کہتے ہیں: لقمان حکیم قوم نوبہ (سوڈان) سے تھے۔ان کی ایک نصیحت یہ بھی ہے فرزند علماء سے حجت نہ کرنا کہ تجھے ذلیل سمجھیں، ٹھکرا دیں۔ بیوقوفوں سے تکرار نہ کرنا کہ گالیاں دیں اور رسوا کر ڈالیں۔ بڑوں اور چھوٹوں سب کی برداشت کرنا، کیونکہ علماء کے حلقے میں وہی کھپ سکتا ہے جو ان سے نرمی تر بتا ہے اور سیکھنا چاہتا ہے۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو نصیحت کی، فرزند تین ارادوں سے علم کو ترک نہ کرنا: جہل کی محبت سے، علم کی ناقدری سے، طلب علم میں شرم سے

(العلم والعلماء)

امام شافعیؒ کا سفرنامہ

(اس سفرنامہ کی اسنادی حیثیت مشکوک ہے)

امام شافعیؒ کا یہ سفرنامہ ان کے مشہور شاگرد ربیع بن سلیمان نے روایت کیا ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا، مکہ سے جب میں روانہ ہوا تو میری عمر چودہ برس کی تھی، منہ پر ابھی سبزہ نمودار نہیں ہوا تھا دو یمنی چادریں میرے جسم پر تھیں، ذی طویٰ پہنچا تو ایک پڑاؤ دکھائی دیا۔ میں نے صاحب سلامت کی ایک بڑے میاں میری طرف بڑھے اور لجاجت سے کہنے لگے ''تمہیں خدا کا واسطہ ہمارے کھانے میں شریک ہو'' مجھے معلوم نہ تھا کہ کھانا نکل چکا ہے، بڑی بے تکلفی سے میں نے دعوت قبول کر لی ۔۔۔۔۔۔۔۔کھانا کھایا کھانے کے بعد پانی پیا اور شکر خداوندی کے ساتھ اپنے بوڑھے میزبان کا بھی شکریہ ادا کیا۔

اب بڑے میاں نے سوال کیا تم مکی ہو؟ میں نے جواب دیا، جی ہاں مکی ہوں۔ کہنے لگا قریشی ہو، میں نے کہا ہاں قریشی ہوں، پھر خود میں نے پوچھا چچا یہ آپ نے کیسے جانا کہ میں مکی ہوں یا قریشی؟ بوڑھے نے جواب دیا: شہری ہونا تو تمہارے لباس ہی سے ظاہر ہے اور قریشی ہونا تمہارے کھانے سے معلوم ہو گیا، جو شخص دوسروں کا کھانا بے تکلفی سے کھا لیتا ہے، یہ بھی چاہتا ہے کہ لوگ اس کا کھانا بھی دل کھول کے کھائیں اور یہ خصلت صرف قریش کی ہے۔

میں نے پوچھا آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ بوڑھے نے جواب دیا رسول اللہ ﷺ کا شہر یثرب میرا وطن ہے۔ میں نے پوچھا مدینے میں کتاب اللہ کا عالم اور سنت رسول اللہ ﷺ سے فتوی دینے والا مفتی کون ہے؟ بوڑھے نے جواب دیا بنی اصبح کا سردار مالک بن انسؒ۔ (امام مالکؒ)

میں نے کہا آہ! خدا ہی جانتا ہے امام مالکؒ سے ملنے کا مجھے کتنا شوق ہے۔ بوڑھے نے جواب دیا خوش ہو جاؤ خدا نے تمہارا شوق پورا کر دیا اس بھورے اونٹ کو دیکھو یہ ہمارا سب

سے اچھا اونٹ ہے، اسی پر تم سوار ہوں گے، اب ہم جا رہے ہیں رستے بھر تمہاری ہر طرح خاطر کریں گے کوئی تکلیف ہونے نہ دیں گے اور مدینے میں مالک بن انسؒ کے پاس تمہیں پہنچا دیں گے۔

جلد اونٹ قطار میں کھڑے کر دیئے مجھے اسی بھورے اونٹ پر بٹھایا گیا اور قافلہ چل پڑا، میں نے تلاوت شروع کر دی، مکہ سے مدینہ تک سولہ ختم ہو گئے ایک ختم دن میں کر لیتا تھا دو سرا رات میں۔

امام مالک سے ملاقات:

آٹھویں دن نماز عصر کے بعد مدینے میں ہمارا داخلہ ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز پڑھی پھر قبر شریف کے قریب حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا یہی امام مالک دکھائی دیے۔ ایک چادر کی تہ بند باندھے تھے دوسری چادر اوڑھے تھے اور بلند آواز سے حدیث روایت کر رہے تھے۔ مجھ سے نافع نے ابن عمر کے واسطے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے..... یہ کہہ کر انھوں نے زور سے اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور قبر شریف کی طرف اشارہ کیا۔ یہ نظارہ دیکھ کر امام مالک بن انس کی ہیبت مجھ پر چھا گئی اور جہاں جگہ ملی میں وہی بیٹھ گیا امام مالک حدیث روایت کرنے لگے میں نے جلدی سے زمین پر پڑا ہوا ایک تنکا اٹھا لیا مالک جب کوئی حدیث سناتے تو میں اسی تنکے کو اپنے لعاب دہن سے تر کر کے اپنی ہتیلی پر لکھ دیتا۔ امام مالک میری یہ حرکت دیکھ رہے تھے مگر مجھے خبر نہ تھی آخر مجلس ختم ہوئی اور امام مالک دیکھنے لگے کہ سب کی طرح میں بھی اٹھ جاتا ہوں یا نہیں میں بیٹھا ہی رہا تو امام مالک نے اشارے سے مجھے بلایا میں قریب پہنچا تو کچھ دیر

بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے پھر فرمایا تم حرم کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں حرم ہی کا باشندہ ہوں پوچھا مکی ہو میں نے کہا جی ہاں کہنے لگے قریشی ہو؟ میں نے کہا جی ہاں۔فرمانے لگے سب اوصاف پورے ہیں،مگر تم میں ایک بے ادبی بھی ہے میں نے عرض کیا آپ نے میری کون سی بے ادبی دیکھی ہے؟ کہنے لگے میں رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے کلمات سنا رہا تھا اور تم تنکائے اپنے ہاتھ پر کھیل رہے تھے، میں نے جواب دیا کاغذ پاس نہیں تھا اس لئے آپ سے جو کچھ سنتا تھا اسے لکھتا جاتا تھا، اس پر امام مالک نے میرا ہاتھ کھینچ کر دیکھا، اور فرمایا ہاتھ پر تو کچھ بھی لکھا نہیں ہے؟ میں نے عرض کیا ہاتھ پر لعاب باقی نہیں رہتا لیکن آپ نے جتنی حدیثیں سنائی ہیں مجھے سب یاد ہو چکی ہیں امام مالک کو تعجب ہوا کہنے لگے سب نہیں، ایک ہی حدیث سنا دو میں نے فورا کہا ہم سے مالک نے نافع اور ابن عمر کے واسطے سے اس قبر کے مکین سے روایت کیا ہے اور مالک ہی کی طرح میں نے بھی ہاتھ پھیلا کر قبر شریف کی طرف اشارہ کیا۔ پھر وہ پوری پچیس حدیثیں سنا دیں جو انھوں نے اپنے بیٹھنے کے وقت سے مجلس کے خاتمے تک سنائی تھیں۔

امام مالک کے گھر میں:

اب سورج ڈوب چکا تھا۔ امام مالک نے نماز پڑھی۔ پھر میری طرف اشارہ کر کے غلام سے کہا اپنے آقا کا ہاتھ تھام، اور مجھ سے فرمایا اٹھو غلام کے ساتھ میرے گھر جاؤں میں نے ذرا انکار نہ کیا اور اٹھ کھڑا ہوا امام مالک جو مہربانی مجھ سے کرنا چاہتے تھے میں نے بخوشی قبول کر لی۔ جب گھر پہنچا تو غلام ایک کوٹھری میں مجھے لے گیا اور کہنے لگا گھر میں قبلے کا رخ یہ ہے پانی کا لوٹا بھی یہ رکھا ہے اور بیت الخلا ادھر ہے۔تھوڑی دیر بعد خود امام مالک

آ گئے ۔غلام بھی ساتھ تھا اس کے ہاتھ پر ایک خوان تھا۔ مالک نے خوان لے کر فرش پر رکھ دیا۔ پھر مجھے سلام کیا اور غلام سے کہا ہاتھ دھلا۔غلام برتن لئے میری طرف بڑھا مگر مالک نے ٹوکا، جانتا نہیں کھانے سے پہلے میزبان کو ہاتھ دھونا چاہیے اور کھانے کے بعد مہمان کو۔ مجھے یہ بات پسند آئی اور اس کی وجہ دریافت کی امام مالک نے جواب دیا میزبان کھانے پر مہمان کو بلاتا ہے، اس لئے پہلے ہاتھ بھی میزبان ہی کو دھونا چاہیے اور کھانے کے بعد آخر میں اس لئے ہاتھ دھوتا ہے کہ شاید اور کوئی مہمان آجائے تو کھانے میں میزبان اس کا بھی ساتھ دے سکے۔

اب امام مالک نے خوان کھولا اس میں دو برتن تھے۔ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں کھجوریں، مالک نے بسم اللہ کہا اور میں نے بھی بسم اللہ کہا۔اور ہم نے کھانا ٹھکانے لگا دیا مگر مالک بھی جانتے تھے کہ کھانا کافی نہیں ہے کہنے لگے ابوعبداللہ ایک مفلس قلاش فقیر، دوسرے فقیر کے لئے جو کچھ پیش کرسکتا تھا یہی تھا، میں نے عرض کیا وہ معذرت کیوں کرے ہیں جس نے احسان کیا ہے؟ معذرت کی تو قصوروار کو ضرورت ہوتی ہے۔

امام مالک کا اخلاق:

کھانے کے بعد امام مالک مکہ والوں کے حالات پوچھتے رہے اور جب رات زیادہ ہوگئی تو اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا مسافر کو لیٹ لوٹ کر تھکن کم کرنا چاہیے اب تم آرام کرو، میں تھکا ہوا تو تھا ہی لیٹتے ہی بے خبر سو گیا پچھلے پہر کوٹھری پر دستک پڑی اور آواز آئی خدا کی رحمت ہو تم پر۔ میں اٹھ بیٹھا، کیا دیکھتا ہوں خود امام مالک ہاتھ میں لوٹا لئے کھڑے ہیں مجھے بڑی شرمندگی ہوئی مگر وہ کہنے لگے ابوعبداللہ کچھ خیال نہ کرو مہمان کی خدمت فرض

ہے۔

میں نماز کے لئے تیار ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں امام مالک کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ اندھیرا بہت تھا۔ کوئی کسی کو پہچان نہیں سکتا تھا سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ کے تسبیح و ذکر الہیٰ میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ پہاڑیوں پر دھوپ نمودار ہوگئی۔ امام مالک جس جگہ کل بیٹھے تھے اسی جگہ آج بھی جا بیٹے اور اپنی کتاب موطا میرے ہاتھ میں دیدی میں نے کتاب سنانا شروع کی اور لوگ لکھنے لگے۔

میں مالک رحمۃ اللہ علیہ کے گھر آٹھ مہینے رہا۔ پوری موطا مجھے حفظ ہوگئی مجھ میں اور امام مالک میں اس قدر محبت اور بے تکلفی ہوگئی تھی کہ ان جان دیکھ کر کہہ نہیں سکتا تھا مہمان کون ہے اور میزبان کون۔

عراق کا قافلہ:

حج کے بعد زیارت کرنے اور موطا سننے کے لئے مصر کے لوگ مدینے آئے او امام مالک کی خدمت میں پہنچے۔ میں نے مصریوں کو پوری موطا زبانی ہی سنادی۔

اس کے بعد عراق والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو حاضر ہوئے قبر اور منبر کے درمیان مجھے ایک نوجوان دکھائی دیا۔ خوبصورت تھا۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے تھے اس کی نماز بھی اچھی تھی قافیہ بتا رہا تھا کہ بھلا آدمی ہے اور بھلائی کی امید اس سے باندھی جاسکتی ہے۔ میں نے نام پوچھا بتادیا میں نے وطن پوچھا کہنے لگا عراق میں نے سوال کیا کون سا عراق؟ اس نے جواب دیا کوفہ تو میں نے کہا کوفہ میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم اور مفتی کون ہے؟ کہنے لگا ابو یوسف اور محمد بن حسن جو امام ابوحنیفہ کے

شاگرد ہیں۔ میں نے پوچھا، عراق کو تمہاری واپسی کب ہوگی؟ اس نے جواب دیا کل صبح تڑکے۔

یہ سن کر میں امام مالک کے پاس آیا اور عرض کیا مکے سے طلب علم میں نکلا ہوں۔ بوڑھا ماں سے اجازت بھی نہیں لی ہے۔ اب فرمایئے کیا کروں؟ بوڑھا کے پاس لوٹ جاؤں یا علم کے جستجو میں آگے بڑھوں؟

امام مالک نے جواب دیا علم کے فائدے کبھی ختم نہیں ہوتے کیا تمہیں معلوم نہیں طالب علم کے لئے فرشتے اپنے پر پھیلا دیتے ہیں۔

میں نے سفر کا ارادہ پکا کرلیا اور امام مالک نے راستے کے لئے میرے کھانے کا بندوبست صبح تڑکے امام مالک مجھے پہچانے بقیع تک آئے اور زور سے پکارنے لگے کوفے کے لئے کون اپنا اونٹ کرائے پر دیتا ہے؟ یہ سن کر مجھے بہت تعجب ہوا اور عرض کیا یہ کیا کر رہے ہیں آپ میرے پاس کوئی پیسہ ہے نہ خود آپ ہی کی حالت کسی قابل ہے۔ پھر یہ کرائے کا اونٹ کیسا۔ امام مالک مسکرائے اور کہنے لگے۔ نماز عشاء کے بعد جب تم سے رخصت ہوا تو دروازے پر دستک پڑی میں باہر نکلا تو عبدالرحمان بن قاسم کھڑے تھے۔ ہدیہ لائے تھے منتیں کرنے لگے کہ قبول کرلوں۔ ہاتھ میں ایک تیلی تھما دی تیلی میں سو دینار نکلے پچاس تو میں نے اپنے بال بچوں کے لئے رکھ لئے ہے اور پچاس تمہارے واسطے لے آیا ہوں ہو پھر امام مالک نے چار دینار میں اونٹ طے کر دیا۔ باقی رقم میرے حوالے کی اور مجھے خدا حافظ کہا۔

کوفے میں:

حاجیوں کیے اس قافلے کے ساتھ میں روانہ ہو گیا یا چوبیسویں دن ہم کوفہ پہنچے اور عصر کے بعد میں مسجد میں داخل ہوا ہوا نماز پڑھی اور بیٹھ گیا، اسی دوران میں ایک لڑکا دکھائی دیا نماز پڑھ رہا تھا مگر اس کی نماز ٹھیک نہ تھی مجھ سے نہ رہا گیا اور نصیحت کرنے اٹھ کھڑا ہوا، میں نے کہا میاں صاحب زادے نماز اچھی طرح پڑھا کرو تا کہ خدا تمہارے اس حسین مکھڑے کو عذاب دوزخ میں مبتلا نہ کرے۔

لڑکے کو میری بات بری لگی کہنے لگا معلوم ہوتا ہے تم حجازی ہو یہ سختی و خشکی حجازیوں ہی میں ہوتی ہے ہے عراقیوں جیسی نرمی و شگفتگی بھلا ان میں نے کہا میں پندرہ برس سے مسجد میں محمد بن حسن اور ابو یوسف کے سامنے نماز پڑھ رہا ہوں ہوان اماموں نے تو کبھی ٹھوکا نہیں اب آئے ہو تم اعتراض کرنے یہ کہہ کر لڑکے نے اپنی چادر غصے اور حقارت سے میرے منہ پر چادر جھاڑ دی اور چلا گیا۔

امام محمد اور امام ابو یوسف سے ملاقات:

اتفاق سے مسجد کے دروازے ہی پر لڑکے کو محمد بن حسن اور ابو یوسف مل گئے لڑکا ان سے کہنے لگا آپ حضرات نے میری نماز میں کبھی کوئی خرابی دیکھی ہے انہوں نے جواب دیا خدا یہ کبھی نہیں لڑکا کہنے لگا مگر ہماری مسجد میں ایک ایسا شخص بیٹھا ہے جس نے میرے نماز پر اعتراض کیا ہے دونوں اماموں نے کہا تم اس شخص کے پاس جاؤ اور سوال کرو کہ نماز میں کس طرح داخل ہوتے ہو؟ لڑکا لوٹ آیا مجھ سے کہنے لگا کہ وہ جس نے میری نماز پر حرف گیری کی ہے ذرا تو یہ بتاؤ تو نماز میں کس طرح داخل ہوتا ہے؟ میں نے جواب دیا دو فرض اور ایک سنت کے ساتھ نماز میں داخل ہوتا ہوں لڑکا یہ سن کر چلا گیا اور محمد بن حسن اور ابو یوسف

کو میرا جواب پہنچا دیا۔اس پر وہ سمجھ گئے کہ جواب ایسے آدمی کا ہے جس کی علم پر نظر ہے۔ مگر انہوں نے کہا پھر جا کے پوچھو وہ دونوں فرض اور سنت کیا ہے لڑکے نے آ کر مجھ سے پوچھا میں نے جواب دیا پہلا فرض نیت ہے ہے اور دوسرا فرض تکبیرہ احرام ہے اور سنت دونوں ہاتھوں کا اٹھانا ہے لڑکے نے میرا یہ جواب بھی دونوں صاحبوں کو سنا دیا۔

اب وہ مسجد میں داخل ہوئے مجھے غور سے دیکھا اور میرا خیال ہے کہ حقیر ہی سمجھا وہ ایک طرف بیٹھ گئے اور لڑکے سے کہا جاؤ اور اس شخص سے کہو کہ مشائخ کے روبرو آئے۔ پیغام سن کر میں سمجھ گیا کہ علمی مسائل میں میرا امتحان لیں گے میں نے لڑکے کو جواب دیا لوگ علم کے پاس آتے ہیں اور علم کسی کے پاس نہیں جاتا، پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ تمہارے مشائخ سے ملنے کی مجھے ضرورت ہی کیا ہے۔

میرا یہ جواب پاتے ہی محمد بن حسن اور ابو یوسف اٹھ کڑے ہوئے اور میری طرف بڑھے جب انہوں نے مجھے سلام کیا تو میں بھی کھڑا ہوا اور بشاشت ظاہر کی وہ بیٹھ گئے میں بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا محمد بن حسن نے گفتگو شروع کی کہنے لگے حرم کے رہنے والے ہو میں نے جواب دیا جی ہاں کہنے لگے عرب ہو یا عجم کی اولاد میں نے کہا عرب ہوں، کہنے لگے کون عرب؟ میں نے جواب دیا مطلب کی اولاد سے ہوں کہنے لگے مطلب کے کس اولاد سے میں نے نے شافع کا نام لیا تو کہنے لگا امام مالک کو تم نے دیکھا ہے میں نے کہا جی ہاں امام مالک ہی کے پاس سے آرہا ہوں کہنے لگے موطا بھی دیکھی ہیں میں نے کہا موطا کو بھی حفظ کر چکا ہوں۔

محمد بن حسن کو یہ بات بڑی معلوم ہوئی یقین نہ آیا اسی وقت لکھنے کا سامان طلب کیا اور ابواب فقہ کا ایک ایک مسئلہ لکھا ہر دو مسئلوں کے درمیان کافی جگہ خالی رکھیں اور کاغذ

میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا ان مسائل کا جواب موطا سے لکھ دو میں نے کتاب اللہ سنت رسول اللہ اور اجماع امت کے مطابق سب مسئلوں کا جواب لکھ دیا اور کاغذ محمد بن حسن کے سامنے رکھ دیا انہوں نے بغور میری تحریر پڑھی پھر مڑ کر غلام کو حکم دیا: اپنے آقا کو گھر لے جا۔

امام محمد کے ساتھ:

اس کے بعد محمد بن حسن نے مجھ سے کہا غلام کے ساتھ جاؤ او میں ذرا نہ ہچکچایا اور بے تکلف کھڑا ہوا، مسجد کے دروازے پر پہنچا تو غلام نے کہاں مالک کا حکم ہے کہ آپ ان کے گھر سواری پر جائے میں نے جواب دیا تو سواری حاضر کرلو، غلام نے ایک خوب سجا سجایا خچر میرے سامنے کھڑا کر دیا، مگر جب میں سوار ہوا تو تن کے پرانے کپڑے جنہیں چتھیڑے کہنا چاہیے نگاہوں میں بری طرح کھٹکے اور اپنی حالت پر افسوس ہوا، غلام کوفے کے گلی کوچوں سے ہوتا ہوا محمد بن حسن گھر لایا، یہاں دروازے پر ڈریوڑھیوں پر گنگا جمنی نقش ونگار دیکھے، اور اہل حجاز کے قابل رحم مفلسی بے اختیار یاد آ گئی، آنکھیں بہ نکلیں اور میں کہہ پڑا وائے حسرت! عراق والے تو اپنے گھر سونے چاندی سے آراستہ کریں اور حجاز کے مخلوق گھٹیا گوشت کھائیں اور سوکھی گھٹلیاں چوستی رہے!

میں رو رہا تھا کہ محمد بن حسن آ گئے کہنے لگے بندہِ خدا یہ جو کچھ تمہاری آنکھیں دیکھ رہی ہیں اس سے کوئی برا اثر نہ لینا یہ سب حلال کمائی کا ہے اور اس کا فرض زکوۃ میں کوتاہی کا خدا مجھ سے جواب نہیں طلب کرے گا، سالانہ پوری زکوۃ نکالتا ہوں، دوست دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور دشمنوں کے سینے پر سانپ لوٹتے ہیں۔

پھر محمد بن حسن نے ایک ہزار درہم کا قیمتی جوڑا مجھے پہنایا اور اپنے کتب خانے سے امام ابو یوسف کی تالیف (الکتاب الاوسط) میں نے کتاب الٹ پلٹ کر دیکھی اور رات کو اسے یاد کرنا شروع کر دیا، صبح ہونے سے پہلے ہی پوری کتاب حفظ تھی، مگر محمد بن حسن کو اس کی ذرا خبر نہ ہوئی۔

محمد بن حسن کوفے میں سب سے بڑے مفتی تھے، ایک دن میں ان کے دائیں طرف بیٹھا تھا کہ ایک مسئلہ کا فتویٰ پوچھا گیا یا انہوں نے بتایا کہ امام ابوحنیفہؒ نے یہ کہا ہے، میں بول اٹھا آپ سے سہو ہو گیا ہے اس مسئلے میں امام ابوحنیفہ کا قول وہ نہیں یہ ہے، امام ابوحنیفہؒ نے اپنی کتاب میں اس مسئلہ کا ذکر فلاں مسئلے کے نیچے اور فلاں مسئلہ کے اوپر کیا ہے، محمد بن حسن نے فوراً کتاب منگا کر دیکھیں تو میری بات بالکل ٹھیک نکلی انہوں نے اسی وقت اپنے جواب سے رجوع کر لیا، لیکن اس واقعہ کے بعد اور کوئی کتاب مجھے نہ دیں۔

کچھ دن بعد میں نے سفر کے اجازت چاہیں فرمانے لگے میں اپنے کسی مہمان کو جانے کی اجازت نہیں دیتا، پھر کہا میرے پاس جو مال و دولت موجود ہے اس میں سے آدھا تم لو، میں نے جواب دیا یہ بات میرے مقاصد اور ارادے کے خلاف ہیں میری خوشی صرف سفر میں، ہے اس پر انہوں نے اپنی صندوق کی سب نقدی منگائی تین ہزار درہم نکلے، سب میرے حوالے کر دئے اور میں نے بلاد عراق و فارس کی سیاحت شروع کر دیں لوگوں سے ملتا جلتا رہا یہاں تک کہ میری عمر اکتیس برس کی ہو گئی۔

ہارون رشید سے ملاقات:

پھر میں ہارون رشید کے زمانے میں عراق آیا، بغداد کے پھاٹک میں قدم رکھا ہی تھا

کہ ایک شخص نے مجھے روکا اور نرمی سے کہنے لگا، آپ کا نام میں نے کہا محمد، کہنے لگا باپ کا نام، میں نے کہا ادریس شافعی، کہنے لگا آپ مطلبی ہے میں نے اقرار کیا تو جیب سے ایک تختی نکالی اور میرا بیان اس میں قلم بند کر کے مجھے چھوڑ دیا۔

میں ایک مسجد میں پہنچا اور سوچنے لگا، اس آدمی نے جو کچھ لکھا ہے دیکھنا چاہیے اس کا انجام کیا ہو؟ آدھی رات کے بعد پولیس نے مسجد پر چھاپہ مارا اور ہر ہر آدمی کو روشنی میں دیکھنا شروع کر دیا آخر میری میری باری تھی، اور پولیس نے پکار کر لوگوں سے کہا ڈرنے کی بات نہیں جس آدمی کی تلاش تھی مل گیا ہے، پھر مجھ سے کہا امیر المؤمنین کے حضور چلو۔

میں نے پس و پیش نہیں کیا، فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور جب شاہی محل میں امیر المؤمنین پر میری نظر پڑی تو صاف مضبوط آواز میں، میں نے ان کو سلام کیا، امیر المؤمنین کو میرا انداز پسند آیا سلام کا جواب دیا اور کہا تم کہتے ہو کہ ہاشمی ہوں؟ میں نے جواب دیا امیر المؤمنین ہر دعوی کتاب اللہ میں باطل ہے، امیر المؤمنین نے میرا نسب پوچھا، میں نے بیان کر دیا بلکہ آدم علیہ السلام تک پہنچا دیا۔ اس پر امیر المؤمنین کہنے لگے بے شک یہ فصاحت و بلاغت اولاد مطلب ہی کا حصہ ہے! بتاؤ کیا تم پسند کرو گے کہ مسلمانوں کا قاضی بنا کر تمہیں اپنی سلطنت میں شریک کر لوں اور تم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اجماع امت کے مطابق اپنا اور میرا حکم چلایا کرو؟ میں نے جواب دیا سلطنت میں شرکت کے ساتھ صبح سے شام تک بھی قاضی بننا مجھے منظور نہیں، یہ سن کر امیر المؤمنین رو پڑے پھر فرمایا دنیا کی اور کوئی چیز قبول کرو گے؟ میں نے کہا جو کچھ جلد مل جائے قبول کروں گا، اس پر خلیفہ نے ایک ہزار درہم کا حکم دیا اور یہ رقم مجھے رخصت ہونے سے پہلے ہی مل گئی۔

واپسی پر خلیفہ کے غلام اور پیش خدمت دوڑ پڑے، مجھے گھیر لیا اور کہنے لگے اپنے

انعام میں سے ہمیں بھی کچھ دیجئے، مروت نے اجازت نہ دی کہ خدا کا جو فضل مجھ پر ہوا ہے ، اس میں دوسروں کو شریک نہ کروں ، میں نے رقم کے برابر برابر اتنے ہی حصے کئے جتنے آدمی تھے، سب کو بانٹنے کے بعد مجھے بھی اتنا ہی ملا جتنا ہر ایک کو میں نے دیا تھا۔

کتاب الزعفران کی تالیف:

میں پھر اسی مسجد میں لوٹ آیا جس میں اترا تھا، صبح کو ایک نوجوان نے نماز کی امامت کی اس کی قرأت تو اچھی تھی مگر علم کم تھا، نماز میں سہو ہو گیا مگر اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے، میں نے کہا بھائی تم نے ہماری اور اپنی سب کی نماز خراب کر دی، نوجوان نے پھر سے نماز پڑھائی، اب میں نے اس سے کہا کاغذ اور قلم دوات لے آؤ میں تمہارے لئے باب سہو لکھ دوں گا وہ فوراً سب سامان لے آیا، اللہ تعالی نے میرا ذہن بھی کھول دیا اور میں نے کتاب و سنت اور اجماع امت کے مطابق ایک کتاب لکھ دی کتاب کا نام اسی شخص کے نام پر کتاب الزعفران رکھا، یہ کتاب چالیس جزء میں پوری ہوئی۔

اب مجھے تین برس اور ہو چکے تھے، ہارون رشید نے اصرار کر کے مجھے بحران کی زکوۃ کا تحصیلدار بنا دیا، اسی اثنا میں حاجی حجاز سے لوٹے میں ان سے امام مالک اور اپنے وطن کی حالات معلوم کرنے چلا ، ایک نوجوان دکھائی دیا وہ اونٹ پر قبے میں بیٹھا تھا، میں نے اشارہ سے سلام کیا، اس نے شتربان کو اونٹ روکنے کا حکم دیا اور مجھ سے مخاطب ہو گیا، میں نے امام مالک اور حجاز کے بارے میں پوچھ گچھ کی کہنے لگا سب ٹھیک ہیں، میں نے امام مالک کے بارے میں دوبارہ سوال کیا، تو کہنے لگا تفصیل کرو یا مختصر جواب دوں، میں نے کہا اختصار ہی میں بلاغت ہوتی ہے، کہنے لگا تو سنو امام مالکؒ تندرست ہے اور بہت دولت

مند ہو گئے ہیں، یہ سن کر مجھے شوق ہوا کہ فقر و فاقہ میں تو دیکھ چکا ہوں، اب امام مالک کو مال و دولت میں بھی دیکھنا چاہیے، میں نے نوجوان سے کہا کیا تمہارے پاس اتنا روپیہ ہے کہ میرے سفر کی ضرورتیں پوری ہو جائیں، اس نے جواب دیا آپ کی جدائی عراق والوں پر عام طور سے اور مجھ پر خاص طور سے بہت شاق ہوگی، مگر میرے پاس جو کچھ ہیں اسے اپنا ہی سمجھ کے لے لیجئے، میں نے کہا سب مجھے دے دو گے تو تم خود کس طرح زندگی بسر کرو گے، کہنے لگا اپنی وجاہت و اثر سے، یہ کہہ کر اس نے مجھے بڑے غور سے دیکھا اور کہاں سب نہیں لیتے تو جتنا چاہیے لے لیجئے، میں نے ضرورت بھر لے لیا اور علاقہ ربیعہ کی راہ لی۔

حجام کی بدسلوکی:

جمعہ کے دن میں حرّان پہنچا اور فضیلت غسل یاد آ گئی۔ حمام کیا، مگر جب پانی انڈیلا تو خیال آیا سر کے بال چکٹ کر الجھ گئے ہیں، حجام کو طلب کیا تھوڑے بال کاٹنے پایا تھا کہ حمام میں شہر کا کوئی امیر آدمی آ گیا اور حجام کو اس کی خدمت کے لئے یاد کیا گیا۔ حجام نے مجھے چھوڑ دیا، اور امیر آدمی کے پاس دوڑ گیا۔ پھر جب اس سے چھٹی پائی تو میرے پاس واپس آیا، میں نے حجامت درست کرانے سے انکار کر دیا، مگر جب حمام سے جانے لگا تو میرے پاس جو دینار موجود تھے ان میں سے اکثر حجام کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا: یہ لے لو مگر خبردار کبھی کسی پردیسی کو حقیر مت سمجھنا، حجام نے بڑی حیرت سے مجھے دیکھا، فوراً حمام کے دروازے پر ایک بھیڑ لگ گئی اور لوگ مجھے ملامت کرنے لگے کہ اتنی بڑی رقم حجام کو کیوں دے دی۔

یہ باتیں ہورہی تھی کہ شہر کا ایک اور امیر آدی حمام سے نکلا ،اس کے سامنے سواری حاضر کی گئی ،مگر بھیڑ کے سامنے میں تقریر کررہا تھا،اس کے کان میں بھی پڑ گئی سوار ہو چکا تھا ،لیکن اتر گیا اور مجھ سے کہنے لگا آپ شافعی ہیں؟ میں نے اقرار کیا تو امیر آدی نے سواری کی رکاب قریب کردی اور عاجزی سے کہنے لگا: برائے خدا سوار ہو جائے ، میں سوار ہو گیا۔ غلام سر جھکائے آگے آگے چل رہا تھا، یہاں تک کہ امیر کا گھر آ گیا۔

امیر نے دولت پیشی کی:

تھوڑی دیر میں خود امیر بھی آ پہنچا اور بڑی بشاشت ظاہر کی پھر دستر خوان بچھ گیا اور ہمارے ہاتھ دھلائے گئے ،مگر میں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھایا۔امیر کہنے لگا کیوں کیا بات ہے؟ میں نے جواب دیا ،کھانا مجھ پر حرام ہے جب تک یہ نہ بتادو کہ تم نے مجھے پہچانا کیسے،امیر نے کہا بغداد میں آپ نے جو کتاب لکھ کر سنائی تھی اس کے سننے والوں میں ایک میں بھی تھا اس طرح آپ میرے استاد ہیں ۔ یہ سن کر میں نے کہا علم دشمندوں کا کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے ۔ پھر میں نے ایسی خوش دلی سے کھانا کھایا کہ خدا جانتا ہے کہ اپنے جیسے اہل علم کے ساتھ کھانے ہی میں وہ خوش نصیب ہوسکتی ہے ۔

میں تین دن اس شخص کا مہمان رہا، چوتھے دن اس نے کہا حران کے اطراف میں میرے چار گاؤں موجود ہیں اور یہ گاؤں ایسے ہیں کہ پورے علاقے میں ان کی نظیر نہیں خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ آپ یہاں رہ جائیں تو سب گاؤں آپ کی خدمت میں ہدیہ ہیں ۔ نے جواب دیا سب گاؤں مجھے دے دو گے تو خود تمہاری گزر بسر کیسے ہوگی ؟ کہنے لگا : آپ وہ صندوق دیکھتے ہیں اور اس نے صندوقوں کی طرف اشارہ کیا ان میں

چالیس ہزار درہم موجود ہیں۔اس رقم سے میں کوئی تجارت کرلوں گا، میں نے کہا لیکن خود مجھے یہ منظور نہیں، میں نے اپنا وطن محض تحصیل علم کے لئے چھوڑا ہے نہ کہ دولت کمانے کے لئے، وہ کہنے لگا یہ تو سچ ہے مگر مسافر کو روپیہ کی ضرورت ہوتی ہی ہے، گاؤں نہ سہی، نقدی قبول کر لیجئے۔

اس پر میں نے چالیس ہزار کی وہ پوری رقم لے لی۔اسے خدا حافظ کہا اور حران سے اس حال میں روانہ ہوا کہ آگے پیچھے بوجھ لدے جارہے تھے۔راستے میں اصحاب حدیث ملے ان میں احمد بن حنبل سفیان بن عینیہ اور اوزاعی بھی تھے۔میں نے ہر ایک کو اس قدر دیا جتنا اس کے مقدر میں تھا۔

امام مالکؒ کی امارت:

جب میں شہر رملہ پہنچا تو میرے پاس اس چالیس ہزار میں سے صرف دس دینار باقی تھے۔میں نے کرائے پر سواری لی اور حجاز کو روانہ ہوگیا، منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا آخر ستائیسویں دن نبی ﷺ کے شہر مدینہ پہنچ گیا نماز عصر کے بعد میرا داخلہ ہوا تھا، مسجد میں نماز پڑھی، اب کیا دیکھتا ہوں لوہے کی ایک کرسی مسجد میں رکھی ہے، کرسی پر بیش بہا قباطی مصر کا تکیہ جما ہوا ہے اور تکیے پر لکھا ہے (لا اله الا الله محمد رسول الله)

میں ابھی یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ مالک بن انسؒ باب النبی ﷺ سے آتے دکھائی دئے پوری مسجد عطر سے مہک اٹھی امام مالکؒ کے ساتھ چار سو یا اس سے بھی زیادہ کا مجمع تھا۔چار آدمی ان جبہ کے دامن اٹھائے چل رہے تھے امام مالک اپنی مجلس میں پہنچے تو بیٹھے ہوئے سب آدمی کھڑے ہوگئے۔امام مالک کرسی پر بیٹھ گئے اور جراح عمد کا ایک مسئلہ پیش کیا مجھ

سے رہا نہ گیا اور میں نے قریب کے کان میں کہا اس مسئلے کا یہ جواب ہے اس شخص نے میرا بتایا ہوا جواب اونچی آواز سے سنا دیا، مگر امام مالکؒ نے اس کی طرف مطلق توجہ نہ کی اور شاگردوں سے جواب کے طالب ہوئے، شاگردوں کے سب جواب غلط تھے۔ امام مالک نے کہا تم غلطی پر ہو وہ پہلے ہی کا آدمی کا جواب صحیح ہے، یہ سن کر وہ جاہل بہت خوش ہوا امام مالکؒ نے دوسرا مسئلہ پیش کیا۔ جاہل میری طرف دیکھنے لگا میں نے پھر اس کو جواب بتا دیا اس دفعہ بھی امام مالکؒ کے شاگرد صحیح جواب نہ دے سکے اور اس جاہل کی زبانی میرا ہی جواب ٹھیک نکلا!

تب تیسرے مسئلے پر بھی یہی صورت پیش آئی، تو امام مالک اس جاہل کی طرف متوجہ ہوئے ور کہا یہاں آؤ۔ وہ جگہ تمہاری نہیں ہے؟ آدمی امام مالک کے پاس پہنچا تو انھوں نے سوال کیا تم نے موطا پڑھی ہے؟ جاہل نے جواب دیا نہیں امام مالکؒ نے پوچھا ابن جریج کے علم پر تمہاری نظر ہے؟ اس نے پھر کہا نہیں امام مالک نے پوچھا جعفر بن محمد صادق سے ملو ہو کہا نہیں اب تو امام مالک کو تعجب ہوا کہنے لگے پھر یہ علم تمہیں کہاں سے ملا؟ جاہل نے جواب دیا میری بغل میں ایک نوجوان بیٹھا تھا اور وہی مجھے ہر مسئلے کا جواب بتا رہا تھا۔

اب تو امام مالک نے میری طرف گردن پھری دوسروں کی گردنیں بھی اٹھ گئیں، اور امام نے اس جاہل سے کہا جاؤ اور نوجوان کو میرے پاس بھیج دو میں امام مالک کے پاس پہنچا اور اسی جگہ بیٹھ گیا جہاں سے جاہل اٹھا تھا۔ وہ بڑے غور سے مجھے دیکھتے رہے پھر فرمایا شافعی ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں شافعی ہوں، امام مالک نے مجھے گھسیٹ کر سینے سے لگایا، پھر کرسی سے اتر پڑے اور کہا علم کا جو باب ہم شروع کر چکے ہیں تم اسے پورا کرو، میں نے حکم کی تعمیل کی اور جراح عمد کے چار سو مسئلے پیش کئے، مگر کوئی آدمی بھی جواب نہ

دے سکا۔

امام مالکؒ کی سیر چشمی:

اب سورج ڈوب چکا تھا ہم نے مغرب کی نماز پڑھی اور امام مالک نے میری پیٹ ٹھونکی پھر اپنے گھر لے گئے، پرانے کھنڈر کی جگہ اب نئی عمارت کھڑی تھی میں بے اختیار رونے لگا یہ دیکھ کر امام مالکؒ نے کہا ابوعبداللہ تم روتے کیوں ہو، شاید سمجھ رہے ہو میں نے دنیا کے چلتے آخرت تج دی ہے، میں نے جواب دیا جی ہاں یہی اندیشہ دل میں پیدا ہوا تھا، کہنے لگے تمہارا دل مطمئن رہے، تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں، یہ جو کچھ دیکھ رہے ہو ہدیہ ہے خراسان سے مصر سے دنیا کے دور دور گوشوں سے ہدیوں پر ہدیے چلے آرہے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور صدقہ رد کر دیتے تھے، میرے پاس اس وقت خراسان اور مصر کے اعلی سے اعلی کپڑوں کے تین سو خلعت موجود ہیں۔ غلام بھی اتنے ہی ہیں اور معاملہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔ اب یہ سب میری طرف سے تمہارے لئے ہدیہ ہے۔ صندوقوں میں پانچ ہزار دینار رکھے ہیں اس کی سالانہ زکوۃ نکالتا ہوں۔ اس سے بھی آدھی رقم تمہاری ہے۔

میں نے کہا دیکھئے آپ کے بھی وارث موجود ہیں اور میرے بھی وارث تک زندہ ہے۔ آپ نے کچھ دینے کا وعدہ کیا ہے اس کی تحریر ہو جانا چاہیے، تحریر سے میری ملکیت مسلم ہو جائے گی اگر میں مر گیا تو اس سب کو آپ کے وارث نہ لے سکیں گے بلکہ میرے وارثوں کو مل جائے گا، اسی طرح خدانخواستہ آپ کی وفات ہوگئی تو بھی یہ آپ کے وارثوں کا نہیں میرا ہو جائے گا۔

یہ سن کر امام مالک مسکرائے اور فرمایا یہاں بھی علم ہی سے کام لیتے ہو؟ میں نے جواب دیا علم کے استعمال کا اس سے بہتر موقع اور کونسا ہوسکتا ہے، امام مالکؒ نے رات ہی میں تحریر مکمل کر دی۔

امام مالکؒ کا تقوی:

صبح میں نے نماز جماعت سے پڑھی اور مسجد سے ہم اس حال سے گھر لوٹے کہ میرا ہاتھ امام مالکؒ کے ہاتھ میں تھا اور امام مالک کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا دروازے پر کیا دیکھتا ہوں خراسانی گھوڑے اور مصری خچر کھڑے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ امام مالکؒ نے فرمایا یہ سب سواریاں بھی تمہارے لئے ہدیہ ہے، میں نے عرض کیا کم سے کم ایک جانور تو اپنے لئے رہنے دیجئے، اس پر مالک نے جواب دیا مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس زمین کو میری سواری اپنی ٹاپوں سے روندے جس کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما رہے ہیں۔

یہ سن کر مجھے یقین ہوگیا کہ دولت کے اس بہتات میں بھی امام مالکؒ کا تقوی بدستور باقی ہے۔

وطن کو واپسی:

تین دن امام مالک کے گھر میں قیام رہا، پھر میں مکہ کو روانہ ہوگیا اس حال سے کہ خدا کی بخشی ہوئی خیر و برکت اور مال و متاع کے بوجھ آگے آگے جا رہے تھے، میں نے ایک آدمی پہلے سے مکہ بھیج دیا تھا کہ واپسی کی خبر پہنچائے اس لئے جب حدود حرم پر پہنچا تو بوڑھا عورتوں کے ساتھ دکھائی دیں۔ بوڑھا نے مجھے گلے لگایا۔ پھر ایک اور بڑھیا نے یہی کیا میں اس بی بی سے مانوس تھا اور اسے خالہ کہا کرتا تھا۔ بڑھیا نے مجھے چمٹاتے ہوئے یہ شعر

پڑھا ؎

ما امك اجتاحت المنايا　　كل فؤاد عليك ام

موت تیری ماں کو بہا نہیں لے گئی مامتا میں ہر دل تیرے لئے ماں ہے۔

یہ پہلا بول تھا جو مکے کی سرزمین پر میرے کانوں نے سنا، پھر میں آگے بڑھنا چاہا، مگر بوڑھا کہنے لگے کہاں؟ میں نے کہا گھر چلیں، بوڑھا نے جواب دیا۔ ''ہیہات'' کل تو مکہ سے فقیر کی صورت میں گیا تھا اور آج امیر بن کے لوٹا ہے۔ تاکہ اپنے چچیرے بھائیوں پر گھمنڈ کرے، میں نے کہا پھر آپ ہی بتاؤ کیا کروں؟ کہنے لگے منادی کر دے کہ بھوکے آئیں اور کھائیں پیدل آئیں اور سواری لے جائیں، ننگے آئیں اور کپڑا پہن جائیں، اسی طرح دنیا میں بھی تیری آبرو بڑھے گی اور آخرت کا ثواب اپنی جگہ رہے گا۔

میں نے بوڑھا کے حکم پر عمل کیا اس واقعہ کی شہرت دور دور پھیلی، امام مالک نے بھی سنا اور میری ہمت افزائی کی کہلا بھیجا جتنا دے چکا ہوں اتنا ہی ہر سال تمہیں بھیجتا رہوں گا۔

مکے میں میرا داخلہ اس حال میں ہوا کہ ایک خچر اور پچاس دینار کے سوا اس دولت میں سے میرے پاس کچھ باقی نہ تھا، جو ساتھ آئی تھی راہ میں اتفاق سے کوڑا میرے ہاتھ سے گر پڑا۔ ایک کنیز نے جس کی پیٹھ پر شک تھی، لپک کے اٹھالیا اور میری طرف بڑھایا میں نے اس کے لئے پانچ دینار نکالے یہ دیکھ کر بوڑھا نے کہا یہ تو کیا کر رہا ہے؟ میں نے کہا عورت کو انعام دینا چاہتا ہوں۔ بوڑھا نے کہا جو کچھ تیرے پاس ہے سب دیدے!

میں نے یہی کیا اور مکے میں پہلی رات بسر کرنے سے پہلے ہی میں مقروض ہو گیا، امام مالکؒ میرے پاس وہ سب بھیجتے رہے جو مدینے میں انھوں نے مجھے دیا تھا۔ گیارہ برس یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر جب امام مالکؒ کا انتقال ہو گیا تو حجاز کی سرزمین مجھ پر تنگ ہو گئی، اور

میں مصر چلا آیا، یہاں خدا نے عبداللہ بن حکم کو میرے لئے کھڑا کر دیا اور وہ میرے تمام ضرورتوں کے کفیل ہو گئے۔

یہ ہے میرے سفر کی روداد، اے ربیع تو اسے اچھی طرح سمجھ!

(ماخوذ: العلم والعلماء از عبدالرزاق ملیح آبادی)

علم نحو کی کہانی

گاؤں میں ایک غریب آدمی رہتا تھا۔ اس کا نام ''لفظ'' تھا۔ اس کے دو بھائی تھے۔ ایک کا نام موضوع اور دوسرے کا نام مہمل۔

موضوع بہت ہوشیار لڑکا تھا۔ ہر چیز کا معنی بتاتا۔ سمجھ میں آجاتا تھا۔ اور مہمل، وہ تو پاگل تھا۔ ہر چیز الٹی بتاتا، جس کا کوئی مطلب نہ نکلتا۔

موضوع کے دو بیٹے تھے: ایک کا نام مفرد تھا، دوسرے کا نام مرکب۔ مفرد اکیلا اکیلا پھرتا تھا جب کہ مرکب سب کے ساتھ مل کر چلتا تھا۔

مرکب کے بھی دو دوست تھے۔ ایک کا نام مرکب ناقص، دوسرے کا نام مرکب تام تھا۔ مرکب ناقص بڑا نالائق لڑکا تھا۔ ہمیشہ ادھوری بات کرتا۔ کسی کی سمجھ میں اس کی کوئی بات نہیں آتی تھی۔ مرکب تام بھائی بہت اچھا لڑکا تھا ایسی صاف بات کرتا کہ پاگل بھی سمجھ جاتا۔ وہ ہر چیز کی خبر دیتا۔ سچ میں جھوٹ ملا کر بات کرتا۔ اس لیے وہ خود کو وزیر نحو کہا کرتا۔

پھر یوں ہوا کہ اچانک گاؤں میں ایک یتیم لڑکا آ گیا جس کا نام ''کلمہ'' تھا، جس کے ساتھ تین لوگ اور بھی تھے۔ ان کا نام اسم، فعل، اور حرف تھا۔

اسم بیچارہ، بہت امیر تھا، اپنا سب کام خود کرتا۔ کسی سے کچھ مدد نہ لیتا۔ فعل ہمیشہ کنجوسی سے اپنا کام خود کرتا۔ دوسروں کو بھی لے کر آتا۔ اکیلا آتے ہوئے ڈرتا کہ کہیں کوئی کام غلط نہ ہو جائے۔ حرف بہت غریب تھا۔ نہ کھانے کے لیے کچھ اور نہ پہننے پہنانے کے لیے۔ کچھ اسم سے، کچھ فعل سے مدد لے کر اپنی گزر اوقات کر لیتا، لیکن بعض اوقات ایسے کرتب دکھاتا کہ سارے بھائی علَم، اپنے آپ کو خاص سمجھتا۔ اپنے خاص نام پر فخر جتاتا۔ کہتا: میرے جیسا کوئی نہیں۔

بھائی اشارہ، وہ تو بس دوسروں پر بلا وجہ انگلی اٹھا اٹھا کر الزام تراشی کرتا رہتا۔ اس کے بغیر اسے سکون ہی نہیں ملتا۔

بھائی موصول، ہمیشہ اپنے دوست کے ساتھ مل کر کام کرتا۔

معرف باللام بہن، محترمہ اتنی نخریلی ہیں کہ بس ان کی ہمیشہ گھر میں لڑائی ہی رہتی ہے۔ ضد ہے کہ میرے شروع میں الف لام لگاؤ کیوں کہ وہ میری جان ہے۔

معرف بالاضافۃ بہن، بہت ہوشیار لڑکی ہے، اپنے خاص نام کو اپنے خاص پسندیدہ کھانے سے جوڑتی ہے تاکہ کوئی کھا نہ جائے۔

معرف بالنداء بہن، بہت ضدی لڑکی ہے۔ اس سے سب بہت تنگ ہیں۔ کہتی ہے: میں اپنا کام سب کچھ خود کروں گی۔ کسی کو ٹانگ اڑانے کی ضرورت نہیں۔

ندا بہن کے دو پکے دوست تھے۔ ایک کا نام مذکر، دوسرے کا نام مونث تھا۔ مذکر میں لڑکی کی کوئی علامت نہ تھی۔ کہتا: میں میل ہوں۔ میں لڑکا ہوں۔ مؤنث کہتی: میں لڑکی ہوں۔ مجھے کبھی کوئی غلطی سے بھی لڑکا نہ کہنا۔ میں بہت خطرناک ہوں۔

مؤنث کی 3 بیٹیاں ہیں:

جن کے نام: گول ۃ، الف مقصورہ اور الف ممدودہ ہیں۔

گول ۃ بہن، ایک ضدی لڑکی ہے، جو کہتی ہے میری خوب صورت چاندسی گول شکل کبھی نہ بگاڑنا۔

الف ممدودہ بہن، اونچی پوری دراز قد ہمدرد لڑکی ہے، تنہا باہر نہیں نکلتی۔ باجی ھمزہ کو بھی اپنے ساتھ لیکر آتی ہے۔ خوش گلو اور بلند آہنگ ہے۔

الف مقصورہ بہن، توبہ توبہ وہ تو باجی ھمزہ سے حسد کرتی ہے۔ ساتھ تو دور کی بات ہے، کبھی اپنے پاس بھی نہیں بٹھاتی۔

مؤنث کے دو سہیلیاں ہیں۔

ایک کا نام آنٹی مؤنث حقیقی تو دوسری کا نام آنٹی مؤنث لفظی ہے۔

آنٹی مؤنث حقیقی ہمیشہ اپنا مقابلہ مرد کے ساتھ کرتی ہیں۔

آنٹی مؤنث لفظی، بہت نرم و نازک ہیں۔ لو بلڈ پریشر کی مریضہ ہیں۔ یہی وجہ ہے وہ مرد کے ساتھ مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ اسی لیے آنٹی مونث حقیقی، اسے چھوڑ کر واحد کے گھر چلی گئیں۔

واحد ہمیشہ اکیلا رہتا۔ اس کا کوئی ساتھ نہیں دیتا تھا۔

واحد کے دو بھائی ہیں۔ ایک کا نام تثنیہ بھائی ہے، دوست مثنی بھائی کہتے ہیں۔

دوسرے کا نام جمع بھائی ہے۔

بھائی مثنی کہتے ہیں: میں تو صرف دو کے ساتھ رہوں گا۔ کسی تیسرے کے ساتھ مجھے کبھی گوارا نہیں۔

بھائی جمع توبہ توبہ!

وہ تو سارا دن دوست بناتا رہتا ہے۔کم از کم تین ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔جمع سے گھر والے تنگ ہیں۔جمع بیچارے کو گھر سے نکال دیا گیا، وہ اپنے دوست جمع سالم اور جمع مکسر کے پاس گیا۔

جمع سالم، ہمدرد انسان ہیں شریف۔کسی کو نہیں چھیڑتے۔اپنی پیٹھ پر اون، این، آت کا بوجھ لاد لیتے ہیں۔

لیکن جمع مکسر ضدی بھی ہیں اور شعلہ مزاج بھی۔پیسے نہیں ملتے، یا کھانا نہیں ملتا تو گھر کے سامان کی توڑ پھوڑ شروع کر دیتے ہیں۔کوئی ڈانٹے تو کہتے ہیں: میں جدت پسند ہوں۔ نئی نئی چیزیں بناتا ہوں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا تاریخی جنازہ

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور بہت بڑے امام بنے۔بعض کا قول ہے کہ آپ کو ایک کروڑ احادیث مبارکہ یاد تھیں۔آپ سے متعلق ایک اہم واقعہ:

آپ کے جنازے میں شامل ہونے والے مردوں کا اندازہ لگایا گیا ہے، وہ آٹھ لاکھ تھے، اور عورتیں ساٹھ ہزار تھیں۔اور بعض کا قول ہے کہ آپ کی وفات کے روز نصاری، یہود اور مجوس میں سے بیس ہزار لوگ مسلمان ہوئے، اور ابوالفرج بن الجوزی نے اپنی کتاب جسے آپ نے بشر بن الحارث الحافی رحمہ اللہ کے حالات میں لکھا ہے، چھیالیسویں باب میں بیان کیا ہے کہ ابراہیم الحربی نے بیان کیا ہے کہ میں نے بشر بن الحارث الحافی کو خواب میں دیکھا گویا وہ الرصافہ کی مسجد سے باہر نکل رہے ہیں اور آپ کی آستین میں کوئی چیز حرکت کر رہی ہے، میں نے پوچھا اللہ تعالی نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ آپ نے فرمایا

اس نے مجھے بخش دیا اور میری عزت کی ہے، میں نے پوچھا یہ آپ کے آستین میں کیا ہے؟ آپ نے فرمایا گذشتہ شب احمد بن مقبل کی روح ہمارے پاس آئی تو اس پر موتی اور یاقوت نچھاور کیے گئے اور یہ وہ موتی اور یاقوت ہیں جو میں نے چنے ہیں، میں نے پوچھا یحی بن معین اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کیا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے ان دونوں کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ انہوں نے رب العالمین کی زیارت کی ہے اور ان دونوں کے لئے دسترخوان لگائے گئے ہیں، میں نے پوچھا آپ نے ان دونوں کے ساتھ کیوں نہیں کھایا؟ آپ نے فرمایا اس نے معلوم کرلیا کہ کھانا مجھ پر ہیچ ہے، تو اس نے میرے لئے اپنے چہرے کی طرف دیکھنا مباح کردیا۔

(تاریخ کے بکھرے موتی)

یونیورسٹی کی باپردہ طالبہ کی تاریخی جرأت

احیاء اسلام کی تحریک میں ملک کے ہر طبقۂ خیال کے لوگ، خاص طور پر نوجوان بڑے جذبے کے ساتھ حصہ لے رہے ہیں، چنانچہ نوجوان طلبہ اور طالبات میں اسلامی شعائر کا اہتمام واضح طور پر ترقی کر رہا ہے، جہاں اتاترک نے (العیاذ باللہ) قرآن کریم کا نسخہ شیخ الاسلام پر دے مارا تھا، وہاں قرآن کریم کی تعلیم کے سینکڑوں ادارے قائم ہو چکے ہیں۔ جہاں عربی اذان پر پابندی لگائی گئی تھی، وہاں پورا شہر نہ صرف اذانوں سے گونج رہا ہے۔ بلکہ مسجد میں نمازیوں سے بھری ہوئی ہیں، جہاں خواتین کے لئے پردہ جرم قرار دے دیا گیا تھا، وہاں نوجوان طالبات پردے کا اہتمام کر رہی ہیں۔ ترکی کے ایک شہر سیواس کی ایک میڈیکل یونیورسٹی میں اس سال پوزیشن جس طالبہ نے حاصل کی، وہ

پردے کی پابند ہے، میرے ترکی پہنچنے سے چند روز پہلے اس یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا تھا یونیورسٹی کی روایت کے مطابق پہلی پوزیشن حاصل کرنے والی طالبہ کو اجتماع سے خطاب کرنا چاہئے تھا لیکن یونیورسٹی کے سربراہ نے اس طالبہ کو پردے کی وجہ سے کنووکیشن میں مدعو نہیں کیا، اس کے باوجود وہ لڑکی پردے کی حالت میں ازخود اسٹیج تک پہنچ گئی، اور مطالبہ کیا کہ اسے روایت کے مطابق خطاب کا موقع دیا جائے، اس پر یونیورسٹی کے سربراہ نے غصے میں آکر اس کے سر سے وہ مخصوص سر پوش اتار دیا جو اس موقع پر پہنا جاتا ہے۔ اتفاق سے یہ منظر ٹی وی پر دکھایا جارہا تھا، اور اسے دیکھ کر پورے ترکی میں آگ لگ گئی، ہر طرف سے مطالبہ شروع ہوا کہ یونیورسٹی کے اس سربراہ کو معزول کیا جائے، چنانچہ اس واقعے کے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر وہ معزول ہو چکا تھا، اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ ازمیر میں بھی پیش آیا۔

(دنیا مرے آگے بحوالہ تاریخ کے بکھرے موتی)

حضرت خضر علیہ السلام کا تعجب خیز تاریخی قصہ

حافظ ابونعیم اصبہانی اس طریق..... سے حضرت ابوامامہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام کو فرمایا! کیا میں تم کو خضر کے متعلق نہ بتلاؤں؟ لوگوں نے عرض کیا کیوں نہیں رسول خدا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گویا ہوئے۔

خضر ایک دن بنی اسرائیل کے بازار میں چلے جارہے تھے کہ ایک مکاتب شخص نے آپکو دیکھا اس نے صدائے بھیک لگائی کہ مجھ پر کچھ صدقہ کرو اللہ آپ کو برکت دے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا جو اللہ چاہے گا وہ ہو کر رہے گا، میرے پاس ایسی

کوئی چیز نہیں جو مجھے دے سکوں۔تو فقیر نے پھر صدا لگائی، میں تجھ سے اللہ کی ذات کے طفیل سوال کرتا ہوں کیونکہ جب آپ نے مجھ پر صدقہ نہیں کیا تو میں نے آسمان کی طرف نظر کی تو میں نے آپ کے پاس برکت پہچان لی۔خضر نے فرمایا میں اللہ پر ایمان لایا میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو تجھ کو دوں مگر تو مجھے لے لے اور فروخت کر دے۔مسکین نے کہا کیا یہ بات درست ہے؟ فرمایا بالکل میں تجھ کو حق ہی کہتا ہوں کیونکہ تو نے عظیم ذات کے طفیل مجھ سے سوال کیا ہے بس میں ہرگز اپنے رب کی ذات کے نام کی لاج کو نہ چھوڑوں گا مجھے فروخت کر ڈال۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ پھر مسکین نے انکو بازار لے جا کر چار سو درہم میں فروخت کر دیا اور آپ خریدار کے پاس ایک زمانہ یونہی بغیر کسی کام کاج کے فارغ رہے تو پھر اپنے مالک سے کہا آپ نے مجھے کسی بھلائی کے کام کے لیے ہی خریدا ہوگا تو مجھے کسی کام کا حکم کیجئے۔مالک نے کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر بوجھ ڈالوں کیونکہ آپ سن رسیدہ شیخ اور بزرگ ہیں۔فرمایا مجھ پر بار نہ ہوگا،تو مالک نے کہا پھر یہ پتھر منتقل کرو، حالانکہ وہ پتھر ایک دن میں چھ آدمیوں کے بغیر منتقل نہ کیا جا سکتا تھا (پتھر کیا تھا پوری چٹان تھی تو پھر مالک اپنی کسی ضرورت کے لیے باہر نکلا اور واپس آیا تو دیکھا کہ پھر اپنے ہی وقت میں منتقل ہو چکا تھا۔مالک نے کہا آپ نے بہت اچھا کیا اور خوب کیا اور ایسی طاقت دکھائی جس کی مجھے امید نہ تھی پھر مالک کو سفر درپیش ہوا تو خضر نے فرمایا مجھے کوئی کام سونپتے جاؤ۔مالک نے پھر کہا مجھے ناگوار لگتا ہے کہ میں آپ پر مشقت ڈالوں۔آپ نے فرمایا مجھ پر کوئی مشقت نہ ہوگی تو مالک نے کہا تو پھر میرے گھر کی تعمیر کے لیے اینٹیں بناؤ۔

تو آدمی سفر پر چلا گیا، آ کر دیکھا تو عمارت تعمیر شدہ پائی،تو مالک (مارے تعجب کے گویا

ہوا میں اللہ کے نام سے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ کا کیا راستہ ہے؟ اور آپ کی کیا حقیقت ہے؟ فرمایا آپ نے مجھ سے اللہ کے نام سے سوال کیا ہے اور اللہ کے نام پر سوال ہی نے مجھے غلامی میں ڈالا ہے اور میں تجھ کو بتلاتا ہوں کہ میں کون ہوں؟ میں وہی خضر ہوں جس کے متعلق تو نے سنا ہوگا، مجھ سے ایک مسکین نے سوال کیا تھا، لیکن میرے پاس کچھ نہ تھا جو میں اسے دیتا، پھر اس نے اللہ کے نام سے سوال کیا تو میں نے اپنی جان پر اس کو قدرت دے دی کہ مجھے فروخت کر دے تو اس نے مجھے فروخت کر ڈالا اور میں تجھے بتاتا ہوں کہ جس شخص سے اللہ کے نام سے سوال کیا گیا، پھر بھی سائل کو مسترد کر دیا گیا جبکہ وہ کچھ دینے پر قادر تھا تو قیامت کے روز وہ ایسے کھڑا ہوگا کہ اس کے جسم پر کوئی گوشت نہ ہوگا اور نہ کوئی اس کی ہڈی حرکت کر سکے گی۔ تو مالک نے کہا میں اللہ پر ایمان لایا، اے خدا کے پیغمبر میں نے آپ کو مشقت میں ڈال دیا اور مجھے کوئی علم نہ تھا، خضر علیہ السلام نے فرمایا! کوئی حرج نہیں آپ نے اچھا کیا اور ثواب کمایا، تو مالک نے کہا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں اے اللہ کے پیغمبر میرے گھر اور مال کے متعلق آپ جو اللہ کی مرضی سے حکم فرمائیں آپ کو اختیار ہے یا میں آپ کو اختیار دیتا ہوں اور آپ کا راستہ چھوڑتا ہوں۔ تو آپ نے فرمایا مجھے یہ بات پسندیدہ ہے کہ آپ میرا راستہ چھوڑ دیں تاکہ میں اپنے رب کی عبادت کروں، تو اس نے آپ کا راستہ صاف کر دیا، تو خضر نے فرمایا! تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے غلامی میں ڈالا اور پھر اس نے مجھے اس سے نجات دی۔ اس حدیث کے مرفوع بیان کرنے میں خطا ہے مناسب یہ ہے کہ یہ موقوف ہے اور اس کے راوی ایسے اشخاص ہیں جن کو پہچانا نہیں جاتا۔ واللہ اعلم

(تاریخ ابن کثیر/ بحوالہ تاریخ کے بکھرے موتی)

سائنس کہتی ہے کہ معراج رسول عین ممکن ہے

معراج کے سلسلے میں ارشاد ربانی ہے:

سبحان الذي اسرى بعبده ليلا من المسجد الحرام الى المسجد الاقصى الذي باركنا حوله۔ (سورت بنی اسرائیل ۱۷،)

ترجمہ:۔ پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصی تک لے گئی، جس کے کے اردگرد ہم نے برکتیں نازل کی ہیں۔

حدثنا انس بن مالك عن مالک بن صعصعة رضي الله عنهما ... و أتيت بدابة أبيض دون البغل و فوق الحمار البراق فانطلقت مع جبريل فلما جئت الى السماء الدنيا قال جبريل لخازن السماء افتح ۔ (بخاری شریف ، کتاب بدء الخلق ، ص ۵۳۵ نمبر ۳۲۰۷)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک حدیث بیان کرتے ہیں ۔۔۔حضور فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک سفید جانور لایا گیا، جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا، اس کا نام براق تھا میں اس پر سوار ہو کر حضرت جبریل کے ساتھ چلا، جب دنیا کے آسمان پر آیا، تو جبریل نے آسمان کے خازن سے کہا کہ دروازکھولو۔

اس آیت اور حدیث میں معراج کے واقعے کا ذکر ہے۔

معراج کا واقعہ کب پیش آیا:

ہجرت سے چھ ماہ پہلے آپ ام ہانی کے گھر میں لیٹے ہوئے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ حطیم میں لیٹے ہوئے تھے، کہ حضرت جبریل براق لیکر حاضر ہوئے اور آپ کو پہلے مسجد لیجایا گیا، وہاں انبیاء علیہم السلام کی امامت کی، اور پھر وہاں سے پہلا آسمان، پھر دوسرا آسمان، اسی طرح ساتوں آسمان کا سیر کرایا گیا، یہ سیر بیداری کی حالت میں ایک ہی رات میں کرائی گئی، اسی کو معراج کا واقعہ کہتے ہیں۔

معراج پر اشکال:

پچھلے زمانے میں لوگوں نے معراج پر بہت اشکال کیا کہ ایک آدمی ایک ہی رات میں آسمان پر کیسے گیا، اور اتنی جلدی کیسے واپس آ گیا فلسفہ والوں کا کہنا تھا کہ آسمان میں خرق، اور التیام نہیں ہے، یعنی آسمان میں پٹن، اور جشن نہیں ہے، اور کوئی دروازہ بھی نہیں ہے تو وہ آسمان کے اوپر کیسے گئے؟ اہل مکہ تو اتنا تعجب ہوا کہ اس کے لئے حضرت ابوبکر کو گھیر لیا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے، کہ ایک آدمی ایک ہی رات میں ساتوں آسمان، جنت، اور جہنم کی سر کر آئے، ایسا لگتا ہے کہ نعوذ باللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سچ نہیں بول رہے۔

سائنسی تحقیق:

آج کل لوگ روکٹ کے ذریعہ ہزاروں کیلو وزنی چیز آسمان پر لیجا رہے ہیں، بلکہ چاند تک پہنچ رہے ہیں، کچھ لوگ یہ سوچ رہے ہیں کہ مریخ پر اپنا گھر بنائیں، اگر آدمی بہت ہی حقیر وسائل سے یہ سب کر رہے ہیں تو اللہ تعالی براق کے ذریعہ ایسا کیوں نہیں کر سکتے جبکہ براق کا عالم یہ ہے کہ جہاں حضرت جبریل کی نظر پڑتی تھی وہاں تک براق کا پاؤں پڑتا تھا، براق، برق سے ہے یعنی بجلی، اور بجلی اتنی تیز ہوتی ہے کہ روشنی ایک سیکنڈ میں، 282,186

میل پر سیکنڈ دوڑتی ہے، اس لئے اگر اللہ کا براق ایک رات میں ساتوں آسمان اور زمین کا سیر کرالایا تو کسی کو کیا اشکال ہوسکتا ہے اس لئے سائنس ثابت کرتی ہے کہ معراج کا واقعہ بالکل سچ اور حق ہے۔

(سائنس اور قرآن/مولانا ثمیر الدین قاسمی از انگلینڈ)

عشق کیا چیز ہے!

ارشاد نبوی:

الارواح جنود مجندة ما تعارف منها أتلف وما تناكر منها اختلف (مشكوة)

حدیث مذکور سے معلوم ہوا کہ عشق ومحبت کی اصل وہ روحانی تعلق ہے جو ازل سے ارواح کے اندر رکھ دیا گیا ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ:

عشق عذاب کی ایک قسم ہے اور کوئی عقلمند اس بلا کو اپنے اوپر مسلط کرنے کے واسطے تیار نہیں ہوتا، عشق غیر اختیاری چیزوں میں سے نہیں۔

بقراط حکیم:

''العشق طبع يتولد فى القلب و يجتمع فيه سواد من الحرص''

عشق ایک طمع کا نام ہے جو دل میں پیدا ہوتی ہے اور اس میں ایک حصہ حرص کا جمع ہوتا

ہے۔

''العشق هو الابتهاج بتصور حضرة ذات ما والشوق حركته''

عشق کسی ذات کے خیال وصال پر خوش ہونے کا نام ہے اور شوق اس کی حرکت ہے۔

ارسطو:

''العشق عمی الحس عن ادراک عیوب المحبوب''

محبوب کے عیوب سے اندھا ہو جانے کا نام عشق ہے۔

غیر معلوم حکیم:

عشق اس خواہش کا نام ہے جو دل میں پیدا ہو کر اور پرورش پا کر قلب میں حرص کا بہت سا مواد جمع کر دیتی ہے اور جب کبھی یہ خواہش زیادہ ہو جاتی ہے تو عاشق اضطراب، حرص اور لالچ کے ہاتھوں بہت پریشان ہو جاتا ہے یہاں تک یہ رنج ع قلب میں مبتلا کر دیتی ہے اور اس وقت سودا کی زیادتی یا صفرا کی شعلہ انگیزی سے خون کھولنے لگتا ہے، چونکہ سودا کی طبیعت میں یہ بات داخل ہے کہ قوت متفکرہ کو خراب کر دے۔ اور قوت متفکرہ کی خرابی عقل کو ضائع کر دیتی ہے، اس لئے آخر کار فضول تمنائیں عاشق کو مجنون بنا کر چھوڑتی ہیں۔

جب عاشق اس حالت کو پہنچ جاتا ہے تو کبھی خودکشی کر لیتا ہے، کبھی رنج میں جان کھو دیتا ہے، کبھی حسن جاناں کی نظارہ بازی کرتے ہوئے خوشی کے مارے مر جاتا ہے، کبھی اس طرح درد سے کراہتا ہے کہ روح سینہ میں گھٹ جاتی ہے۔

افلاطون:

عشق حرارت غریزیہ کی اس قوت کا نام ہے جو شہوانی تخیل آفرینیوں اور خیالی تصویروں سے پیدا ہوتی ہے، اس کے نشو ونما فطری قویٰ کے سانحہ پر ہوتا ہے اور ہر ایک کو اس کی فطرت کے خلاف دوسرے رنگ کا لباس پہنا دیتا ہے یہاں تک کہ یہ نفسانی مرض اور جنون شوق ہو کر اتنا سخت بیمار کر دیتا ہے کہ اس کی دوا صرف موت رہ جاتی ہے۔

جالینوس:

محبت روح کا ایک فعل ہے اور یہ روح اعضاء رئیسہ میں چھپی ہوئی ہے، جب یہ فعل قوت اور کافی اثر پیدا کر لیتا ہے تو دل و دماغ اور جگر خراب ہو جاتے ہیں۔

فارابی:

عشق نصف بیماریاں کا مجموعہ ہے اور نصف جنون کا اور وہ سبر نجوں سے بڑا رنج ہے ۔عشق بہ نسبت تمام امراض کے نصف کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ بالکل کھلی بات ہے، اس لئے کہ روح لطیف ہے اور جسم کثیف، تمام بیماریاں جسم میں پیدا ہوتی ہے اور محبت روح سے اور اس میں شک نہیں کہ لطیف کا لطیف میں پیوست ہو جانا جلد جلد اور طاقت کے ساتھ اثر جما لیتا ہے اور اس کے قریب قریب لطیف کا کثیف میں سرایت کرنا ہے جیسے کہ بخار کا ہڈیوں میں بیٹھ جانا، اس کے بعد کثیف کا کثیف میں اثر کرنے کا نمبر ہے مثلاً فالج کا کسی عضو پر گرنا۔

ابن خلکان:

عشق موت کا ایک گھونٹ ہے اور بربادی کے باغوں میں ایک چھوٹا سا باغیچہ، محبت نظر

آنے اور نہ آنے دونوں سے کہیں دور ہے۔ محبت چقماق جیسی چنگاری ہے جو سینوں میں پوشیدہ ہے اگر چوٹ لگے تو چمک اٹھتی ہے اور اگر نہ لگے تو چھپ جاتی ہے۔

عرب کی ایک خاتون:

''مسکین العاشق کل شیئ عدوہ ھبوب الریاح تعلقه والمعان البرق یورقه ورسوم الدیار تحرقه والعذل یولمه والتذکر یسقمه''

مسکین عاشق ہر چیز اس کی دشمن ہے، ٹھنڈی ہوائیں اس کو بے چین کرتی ہیں، بجلی کی چمک اس کی نیند اڑا دیتی ہے، آثار دیار اس کے قلب میں آگ بھڑکاتے ہیں لوگوں کی ملامت اس کو ایذا پہنچا دیتی ہے، یاد محبوب اس کی بیمار کر دیتی ہے۔

ایک بدوی عورت:

محبت میں عقل جاتی رہتی ہے، جسم گھٹنے لگتا ہے، آنسو خاموشی کے ساتھ بہنے لگتے ہیں، ہر نیا دن محبت میں ایک روح پھونک دیتا ہے اور محبت معشوق کی بے رخی سے بالکل ختم ہے نہ کم۔

تمیمی:

عشق نہ عاشقوں کے اختیار سے ہوتا ہے اور نہ ان کی خواہش سے، بلکہ عاشق ہونا ایسا ہی ہے جیسا مہلک بیماریوں میں گرفتار ہو جانا، اُس میں اور اس میں رتی برابر فرق نہیں۔

ابو وائل:

محبت اگر انتہائے دیوانگی یا اس قسم میں سے نہیں تو جادو کا نچوڑ تو یقینی ہے محبت نام ہے معشوق کے ساتھ دل کے بلا واسطہ متعلق ہو جانے کا۔

(کشکول از مفتی محمد شفیعؒ)

اپریل فول (April Fool) کی حقیقت

اپریل فول (April Fool) کیا ہے؟

اپریل فول عیسائیوں اور یہودیوں کی بری رسومات میں سے ایک رسم بد ہے جس کو وہ بڑے اہتمام اور شوق سے مناتے ہیں، وہ اس دن جھوٹ بول کر ایک دوسرے کو بے وقوف بناتے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں، بلکہ جو جتنا بڑا جھوٹ بول کر اور چالاکی سے کسی کو بے وقوف بناتا ہے اسے اتنا بڑا عقل مند اور اس دن سے زیادہ فائدہ اٹھانے والا سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک ایسی بری عادت ہے کہ جس سے کتنے لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے، جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے، حتی کہ بعض مرتبہ لوگوں کی جائیں تک چلی جاتی ہیں۔

اپریل فول کی حقیقت:

اپریل فول کے بارے میں مؤرخین کا شدید اختلاف ہے، قابل تعجب اور مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ خود یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی وثوق کے ساتھ معلوم نہیں کہ اس کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی۔ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب نے ''ذکر و فکر'' میں لکھا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی بیان کردہ روایت کے مطابق یکم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا، موجودہ نام

نہاد انجیلوں میں اس واقعہ کی تفصیلات کی گئی ہیں لوقا کے انجیل کے الفاظ یہ ہیں:

''اور جو آدمی اسے (حضرت مسیح علیہ السلام) کو گرفتار کیے ہوئے تھے، اس کو ٹھٹھے میں اڑاتے اور مارتے تھے، اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منہ پر طمانچے مارتے تھے، اور اس سے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (یعنی الہام) سے بتا کہ کس نے تجھ کو مارا؟ اور طعنے مار مار کر بہت کی اور باتیں اس کے خلاف کہیں''۔ (لوقا ۲۲:۶۳ تا ۶۵)

انجیلوں میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہودی سرداروں اور فقیہوں کی عدالت عالیہ میں پیش کیا گیا، پھر وہ انہیں پیلاطیس کی عدالت میں لے گئے کہ ان کا فیصلہ وہاں ہوگا، پھر پیلاطیس نے انہیں ہیروڈیس کی عدالت میں بھیج دیا اور بالآخر ہیروڈیس نے دوبارہ فیصلے کے لیے ان کو پیلاطیس کی عدالت میں بھیجا۔

لاروس کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک عدالت سے دوسری عدالت میں بھیجنے کا مقصد بھی ان کے ساتھ مذاق کرنا، اور انہیں تکلیف پہنچانا تھا اور چونکہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا تھا، اس لیے اپریل فول کی رسم درحقیقت اسی شرمناک واقعے کی یادگار ہے۔ (ذکر وفکر ص: ۶۷، ۶۸)

نوٹ: حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق بیان کردہ واقعہ تحریف شدہ انجیل میں ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے بلکہ من گھڑت اور جھوٹ پر مبنی واقعہ ہے، کیوں کہ قرآن نے واضح طور پر اعلان کیا ہے:

''قولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم وإن الذين اختلفوا فيه لفي شي منه مالهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه يقينا'' (المائدة: ۱۵۷)

اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسی بن مریم کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لئے (عیسی) کا شبیہ بنا دیا گیا تھا یقین جانو کہ حضرت عیسی (علیہ السلام) کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں، انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے انہیں قتل نہیں کیا۔

خلاصہ یہ نکلا کہ یہودیوں نے یکم اپریل کو حضرت عیسی علیہ السلام کا مذاق اڑایا، انہیں تکلیف پہنچائی، اس لیے وہ اس کو فخر کے طور پر مناتے ہیں لیکن عیسائی؟ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عیسائی صاحبان اس رسم کی اصلیت سے واقف ہی نہ ہوں یا یوجہ ہوسکتی ہے کہ عیسائیوں کی عادت اس سلسلے میں الٹی رہی ہے۔ مثلاً صلیب (christian cross) کو دیکھ لیجئے کہ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق صلیب وہ لکڑی ہے جس پر حضرت عیسی کو سولی دی گئی تھی عقل کا تقاضا ہے کہ اس لکڑی سے (جس پر ان کے نبی کو سولی دی گئی) نفرت ہونی چاہئے، لیکن وہ آج عیسائی مذہب کی سب سے پاکیزہ اور مقدس علامت سمجھی جاتی ہے، ''قاتلهم الله انى يؤفكون'' اللہ کی مار ہے ان پر، یہ کہاں اوندھے منہ بہکے جارہے ہیں؟

لفظ ''اپریل فول (april fool)'' کی تحقیق:

اپریل فول انگریزی زبان کا لفظ ہے، عربی میں اس کو ''كذبة إبريل'' فارسی میں ''احمق آوریل''، ہندی اور اردو میں اپریل فول ہی کہتے ہیں، اپریل انگریزی سال کا چوتھا مہینہ ہے، یہ قدیم رومی کیلنڈر کے ایک لاطینی لفظ "Aprilis (اپریلیس) سے مشتق

ہے لیکن بعض اہل لغت نے ایک دوسرے لاطینی لفظ "Aperire" سے مشتق مانا ہے، یہ بہار کے آغاز یعنی پھولوں کے کھلنے کے موسم پر بولا جاتا ہے، اس مہینے کا نام اپریل اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں نئے پھول نکلتے ہیں، اور موسم بہار کا آغاز ہو چکا ہوتا ہے، کوئل اور دوسرے پرندے، اپنی دلربا آوازوں سے موسم خزاں (Autumn) کو شکست دے چکے ہوتے ہیں۔

یکم اپریل کی یاد میں رومی مختلف تقریبات منعقد کرتے تھے مثلاً انہوں نے ایک خوشی کی ملکہ بنائی تھی، جس کا نام (فینوز) رکھا تھا، یکم اپریل کو اہل روم کی بیوائیں اور دوشیزائیں اس ملکہ کے نام سے منسوب عبادت خانے میں جمع ہوتیں اور اپنے نفسانی، جسمانی عیوب کو ظاہر کرتیں اور دعائیں مانگتی تھیں کہ ان کے عیوب کے بارے میں ان کے شوہروں کو معلوم نہ ہو۔

ساکسونی اقوام اس مہینے میں اپنے خداؤں سے دور ہٹ کر خوشی کی تقریبات منعقد کرتی تھیں، Easter ان کا قدیم خدا ہے جسے آج کل عیسائیوں کے یہاں ''عید الفصح'' کہا جاتا ہے۔ مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ یکم اپریل یورپی قوموں کے نزدیک کسی نہ کسی درجہ میں قابل احترام ہے اور اہمیت کی حامل رہی ہے۔

(اپریل فول کی تاریخی وشرعی حیثیت)

صحابہ کو برا مت کہو (ایک واقعہ)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک ہمسایہ بڑا فاسق فاجر تھا، ایک دن اس نے آپ کی مجلس میں آکر سلام کیا تو آپ نے اسے صحیح طرح سے جواب نہ دیا اور اس سے بے رخی کا

اظہار کیا ۔

وہ کہنے لگا: اے ابوعبداللہ! مجھ سے کیوں نالاں ہیں؟

آپ کو میرے (برے اعمال کے) متعلق جو کچھ معلوم ہے، ایک خواب دیکھنے کے بعد میں اُس سے توبہ کر چکا ہوں۔

امام صاحب نے فرمایا: تُو نے کیا خواب دیکھا ہے؟

کہنے لگا: میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے۔۔۔آپ زمین کے ایک بلند حصے پر تشریف فرما تھے اور بہت سارے لوگ نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ان میں سے ہر بندہ اٹھ کر بارگاہِ اقدس میں عرض کرتا:

حضور! میرے لیے دعا فرما دیں، تو آپ دعا فرما دیتے۔۔۔۔۔۔۔ یہاں تک کہ میرے سوا کوئی باقی نہ رہا۔ میں نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا لیکن اپنے برے اعمال کی وجہ سے مجھے حیا آ گئی۔(کہ کہاں میں، اور کہاں یہ بارگاہ!)

سرکار نے مجھے فرمایا: اے فلاں! تو اٹھ کر مجھ سے کیوں سوال نہیں کرتا، کہ میں تیرے لیے بھی دعا کروں؟ میں نے عرض کی: یارسول اللہ! میرے عمل بہت برے ہیں جن کی وجہ سے مجھے حیا آ رہی ہے۔

ارشاد فرمایا: اگر (گناہوں کی) حیا تجھے کھڑا ہونے سے روک رہی ہے تو میں تجھے کہتا ہوں کھڑا ہو جا اور سوال کر، تا کہ میں تجھے دعا دوں۔۔

"فانک لاتسب احدا من اصحابی"

کیوں کہ تُو میرے کسی بھی صحابی کو برا نہیں کہتا۔ میں (حضور کی اس شفقت سے) اٹھ کھڑا ہوا تو آپ نے میرے لیے دعا فرما دی۔ جب میں بیدار ہوا تو مجھے سب برائیوں

سے نفرت ہو چکی تھی۔

(طبقات الحنابلہ)

سور چربی کی تاریخ

ڈاکٹر ایم امجد خان

(میڈیکل ریسرچ انسٹیٹیوٹ، ریاستہائے متحدہ امریکہ)

یورپ سمیت تقریبا تمام امریکی ممالک میں گوشت کے لئے بنیادی انتخاب سور ہے۔ اس جانور کو پالنے کے لئے ان ممالک میں بہت سے فارم ہیں۔صرف فرانس میں، پگ فارمز کا حصہ 42،000 سے زیادہ ہے۔

کسی بھی جانور کے مقابلے میں سور میں زیادہ مقدار میں FAT ہوتی ہے۔لیکن یورپی و امریکی اس مہلک چربی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس چربی کو ٹھکانے لگانا ان ممالک کے محکمہ خوراک کی ذمہ داری ہوتی ہے۔اس چربی کو ختم کرنا محکمہ خوراک کا بہت بڑا سر درد تھا۔اسے ختم کرنے کے لیئے باضابطہ طور پر اسے جلایا گیا، لگ بھگ 60 سال بعد انہوں نے پھر اس کے استعمال کے بارے میں سوچا تا کہ پیسے بھی کمائے جاسکیں۔صابن بنانے میں اس کا تجربہ کامیاب رہا۔

شروع میں سور کی چربی سے بنی مصنوعات پر contents کی تفصیل میں pig fat واضح طور پر لیبل پر درج کیا جاتا تھا۔چونکہ ان کی مصنوعات کے بڑے خریدار مسلمان ممالک ہیں اور ان ممالک کی طرف سے ان مصنوعات پر پابندی عائد کر دی گئی، جس سے ان کو تجارتی خسارہ ہوا۔1857 میں اس وقت رائفل کی یورپ میں بنی گولیوں کو برصغیر میں

سمندر کے راستے پہنچایا گیا۔ سمندر کی نمی کی وجہ سے اس میں موجود گن پاؤڈر خراب ہو گیا اور گولیاں ضائع ہو گئیں۔

اس کے بعد وہ سور کی چربی کی پرت گولیاں پر لگانے لگے۔ گولیوں کو استعمال کرنے سے پہلے دانتوں سے اس چربی کی پرت کو نوچنا پڑتا تھا۔ جب یہ بات پھیل گئی کہ ان گولیوں میں سور کی چربی کا استعمال ہوا ہے تو فوجیوں نے جن میں زیادہ تر مسلمان اور کچھ سبزی خور ہندو تھے نے لڑنے سے انکار کر دیا، جو آخر کار خانہ جنگی کا باعث بنا۔ یورپی باشندوں نے ان حقائق کو پہچان لیا اور PIG FAT لکھنے کے بجائے انہوں نے FIM لکھنا شروع کر دیا۔

1970 کے بعد سے یورپ میں رہنے والے تمام لوگ حقیقت کو جانتے ہیں کہ جب ان کمپنیوں سے مسلمان ممالک نے پوچھا کہ یہ کیا ان اشیا کی تیاری میں جانوروں کی چربی استعمال کی گئی ہے اور اگر ہے تو کون سی ہے...؟ تو انہیں بتایا گیا کہ ان میں گائے اور بھیڑ کی چربی ہے۔ یہاں پھر ایک اور سوال اٹھایا گیا، کہ اگر یہ گائے یا بھیڑ کی چربی ہے تو پھر بھی یہ مسلمانوں کے لئے حرام ہے، کیونکہ ان جانوروں کو اسلامی حلال طریقے سے ذبح نہیں کیا گیا تھا۔ اس طرح ان پر دوبارہ پابندی عائد کر دی گئی۔ اب ان کثیر القومی کمپنیوں کو ایک بار پھر کا نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔!

آخر کار انہوں نے کوڈز زبان استعمال کرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ صرف ان کے اپنے محکمہ فوڈ کی ایڈمنسٹریشن کو ہی پتہ چل سکے کہ وہ کیا استعمال کر رہے ہیں اور عام آدمی اندھیرے میں ہی رہے۔ اس طرح انہوں نے ''ای'' کوڈز کا آغاز کیا۔ یوں آجکل یہ (E-INGREDIENTS) کی شکل میں کثیر القومی کمپنیوں کی مصنوعات پر لیبل

کے اوپر لکھی جاتی ہیں۔ان مصنوعات میں:

دانتوں کی پیسٹ، ببل گم، چاکلیٹ، ہر قسم کی سوئٹس، بسکٹ، کارن فلاکس، ٹافیاں کینڈیڈ فوڈز ملٹی وٹامنز اور بہت سی ادویات شامل ہیں۔

چونکہ یہ سارا سامان تمام مسلمان ممالک میں اندھا دھند استعمال کیا جا رہا ہے۔سور کے اجزاء کے استعمال سے ہمارے معاشرے میں بے شرمی، بے رحمی اور جنسی استحصال کے رجحان میں بے پناہ اضافہ دیکھنے کو مل رہا ہے۔

لہذا تمام مسلمانوں اور سور کے گوشت سے اجتناب کرنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ روزانہ استعمال ہونے والے ITEMS کی خریداری کرتے وقت ان کے content کی فہرست کو لازمی چیک کر لیا کریں اور ''اِی'' کوڈز کی مندرجہ ذیل فہرست کے ساتھ ملائیں۔اگر نیچے دیئے گئے اجزاء میں سے کوئی بھی پایا جاتا ہو تو پھر اس سے یقینی طور پر بچیں، کیونکہ اس میں سور کی چربی کسی نہ کسی حالت میں شامل ہے۔

E100، E110، E120، E140، E141، E153، E210، E213،
E214، E216، E234، E252، E270، E280، E325، E326، E
327، E334، E335، E336، E337، E422، E41، E431، E432،
E433، E434، E435، E436، E440، E470، E471، E472،
E473، E474، E475، E476، E477، E478، E481، E482،
E483، E491، E492، E493، E494، E549، E542 E572،
E621، E631، E635، E904

خلیفہ ہارون الرشید کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہارون الرشید زمانہ خلافت میں روزانہ سو رکعتیں پڑھتا اور ہر روز ایک ہزار درہم خیرات کرتا تھا وہ مذہب میں تفرقہ ونزاع ڈالنے کو سخت برا سمجھتا تھا اور زنادقہ کا سخت دشمن تھا اپنی ذاتی فضول خرچی پر نادم ہو کر روتا تھا خاص کر وعظ میں اپنے گناہوں کا خیال کر کے گر یہ زاری کرتا تھا۔

(۱) وہ صوم وصلوۃ کا پابند تھا اس سے باستثنائے علالت کبھی نماز جماعت قضا نہیں ہوتی وہ عشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار تھا اور جب اس کے سامنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ ہوتا تھا تو وہ ''صلی اللہ علی سیدی'' کہتا۔

(عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایمان افروز واقعات)

شیر کی خصوصیات

ماہرین کہتے ہیں کہ شیر بہت سی ایسی صفات رکھتا ہے جو دیگر جانوروں میں نہیں پائی جاتیں۔اس کی چند خوبیاں یہ ہیں۔

(۱) شیر بھوک کی حالت میں صبر کرتا ہے۔

(۲) پانی کی حاجت بہت کم محسوس کرتا ہے۔

(۳) یہ بھی خوبی ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کا شکار کیا ہوا (جھوٹا) نہیں کھاتا۔

(۴) اگر شکار کھاتے ہوئے اس کا پیٹ بھر گیا تو بقیہ اسی جگہ چھوڑ دیتا ہے، پھر دوبارہ اس پر نہیں آتا۔

(۵) جب اسے شدید بھوک لگتی ہے تو بدخلق ہو جاتا ہے۔

(۶) لیکن جب شکم سیر ہوتا ہے تو سدھ جاتا ہے۔

(۷) شیر کتے کا جھوٹا پانی بھی نہیں پیتا۔

(حیوۃ الحیوان جلد اول)

ایک بادشاہ کی توبہ

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بادشاہ اپنی سلطنت میں گشت کرتے ہوئے ایک بستی میں پہنچا تو بادشاہ کو پیاس محسوس ہوئی تو اس نے ایک دروازے پر پہنچ کر پانی مانگا۔ اتنے میں وہ دیکھتا ہے کہ ایک خوب صورت عورت کوزے میں پانی لے کر آ رہی ہے۔ بادشاہ اس عورت کو دیکھتے ہی فریفتہ ہو گیا اور اسے پھسلانا شروع کر دیا۔ اتفاق سے عورت اس بادشاہ سے واقف تھی۔ جب اسے یہ یقین ہو گیا کہ وہ اپنے آپ کو بادشاہ سے نہیں بچا سکتی تو وہ عورت گھر میں گئی اور ایک کتاب نکال کر لے آئی اور یہ کہہ کر چلی گئی کہ آپ اس کتاب کو غور سے پڑھئے تا کہ آپ اپنے اس ارادے میں سدھار پیدا کر سکیں۔

بادشاہ کتاب کا مطالعہ کرنے لگا۔ اچانک اس کی نگاہ آیت زنا پر پڑی جس میں زانی اور زانیہ کے بارے میں زجر و توبیخ کا ذکر تھا اور زنا کرنے والوں کے لیے آخرت میں دردناک عذاب کی دھمکی تھی۔ یہ دیکھتے ہی بادشاہ کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ چنانچہ اس نے توبہ کی اور گناہ سے باز رہنے کا ارادہ کر لیا۔ عورت کو بلا کر کتاب اس کے حوالے کر دی اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔

اس واقعہ کے دوران عورت کا شوہر گھر میں نہیں تھا۔تھوڑی دیر کے بعد جب شوہر آیا تو عورت نے اس کو ماجرا سنایا۔ چنانچہ وہ انگشت بدنداں ہوا اور اسے یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں بادشاہ کی خواہش واقعی میں نہ رہی ہو۔لیکن وہ عورت پر جرأت نہ کرسکا۔ چنانچہ شوہر کچھ دن غور وفکر کرتا رہا۔عورت نے یہ کام کیا کہ شوہر کی موجودگی میں اقارب کے سامنے یہ واقعہ بتایا۔تمام رشتہ داروں نے فیصلہ کیا کہ اس مقدمے کو بادشاہ کی خدمت میں ہی کیوں نہ لے چلیں، چنانچہ وہ حاضر ہوئے۔

سب سے پہلے انہوں نے آداب شاہی بجالاتے ہوئے کہا۔اللہ تعالی ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے۔ پھر رشتہ داروں نے کہا: اے بادشاہ معظم !اس (شوہر) نے ہم سے کرایہ پر کھیتی کے لیے زمین لی ہے۔معاہدے کے مطابق کھیتی کی۔ پھر ہماری زمین کو معطل کر رکھا ہے اور حال یہ ہے کہ نہ خود کھیتی کرتا ہے نہ ہماری زمین واپس کرتا ہے حالانکہ زمین خالی پڑی رہنے کی وجہ سے بے کار ہو جاتی ہے۔

بادشاہ نے یہ سن کر شوہر سے کہا تم کو زمین میں کھیتی کرنے سے کون روکتا ہے؟ شوہر نے جواب دیا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میری زمین میں ایک شیر رہنے لگا ہے۔ مجھے اس سے خطرہ ہے اور اس سے قریب ہونے کی ہمت نہیں پڑتی چونکہ میں جانتا ہوں مجھ میں سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے۔بس یہ سنتے ہی بادشاہ واقعہ سمجھ گیا۔

اس سوال و جواب کے بعد بادشاہ نے شوہر سے کہا دیکھو تمہاری زمین اچھی سے کھیتی کے لائق ہے جاؤ اور کھیتی کرو۔ اب شیر تمہاری زمین میں بھی نہیں آئے گا۔ پھر بادشاہ نے اسے اور اس کی بیوی کو انعام دیئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔

(حیوۃ الحیوان جلد اول)

خرگوش کی خصوصیات

خرگوش کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آنکھیں کھول کر سوتا ہے۔ جب شکاری آتا ہے تو اس کی آنکھیں کھلی ہوئی دیکھ کر محسوس کرتا ہے کہ وہ جاگ رہا ہے تو وہ واپس چلا جاتا ہے۔

خرگوش کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ جب یہ دریا دیکھتا ہے تو مر جاتا ہے۔ چنانچہ اس لیے اکثر یہ دریا کے کنارے پائے جاتے ہیں۔ امام دمیریؒ کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں

۔

عرب خرگوش کے بارے میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ جنات خرگوش میں حیض ہونے کی وجہ سے اس سے دور رہتے ہیں۔

(حیوۃ الحیوان جلد اول)

چار قسم کے جاندار جن کو حیض آتا ہے

چار قسم کے جاندار ایسے ہیں جن کو حیض آتا ہے۔

(۱) عورت (۲) ضبع (لگڑ بڑ ہنڈار) (۳) چمکادڑ (۴) خرگوش۔

بعض اہل علم نے یہ بھی لکھا ہے کہ کتیا کو بھی حیض آتا ہے۔

(حیوۃ الحیوان جلد اول)

مچھر کی حیرت انگیز قوت

مچھر میں اللہ تعالی نے اتنی قوت ودیعت فرمائی ہے کہ یہ بسا اوقات اونٹ کو قتل کر دیتا ہے بلکہ ہر چوپائے کو قتل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جب مچھر اسے ڈس کر ہلاک کر دیتا

ہے تو درندے اور مردار خور پرندے اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں جو بھی اس کے ڈسے ہوئے کو کھا لیتا ہے تو وہ بھی مر جاتا ہے۔

عراق کے بادشاہوں کا قدیم زمانے میں یہ طریقہ تھا کہ جب وہ کسی کو قتل کرنا چاہتے تو وہ مچھر کی نالیوں کے قریب کچھاڑ میں باندھ کر ڈال دیتے تھے۔ پس وہ پچھروں کے بار بار ڈسنے سے ہلاک ہو جاتے۔

(حیوۃ الحیوان جلد اول)

امام زمخشری نے خطبہ بدل دیا

ابن خلکان وغیرہ لکھتے ہیں کہ امام زمخشری معتزلی المذہب تھے۔ وہ اس کا اظہار بھی کرتے تھے۔ نیز جب کسی کے یہاں اندر جانے کی اجازت طلب کرتے تو فرماتے کہ میں ابوالقاسم المعتزلی ہوں۔ ان کی سب سے پہلی تفسیر کشاف ہے۔ چنانچہ وہ یوں خطبہ لکھ کر حمد وثنا کرتے ہیں:

''الحمد لله الذي خلق القرآن''

تمام تعریفیں اس پاک ذات کے لیے ہیں جس نے قرآن کریم کو پیدا فرمایا۔

جب لوگوں نے اس سے کہا کہ اس سے تو لوگ تیری کتاب کو پڑھیں گے نہیں چھوڑ دیں گے۔ تو اس نے فوراً یہ بدل دیا:

''الحمد لله الذي جعل القرآن''

تمام تعریفیں اس پاک ذات کے لیے ہیں جس نے قرآن کو بنایا۔

جعل کا لفظ معتزلیوں کے نزدیک خلق کے معانی میں ہے۔ تفسیر کے اکثر نسخوں میں یہ

موجود ہے ’’ الحمد للہ الذي انزل القرآن ‘‘ (تمام تعریفیں اس ذات پاک کے لیے ہیں جس نے قرآن کو نازل کیا) لیکن یہ بات یادرکھئے کہ یہ مصنف کی ترمیم یا اصلاح نہیں ہے بلکہ لوگوں نے بعد میں اس طرح لکھ دیا ہے۔خوب سمجھ

(حیوۃ الحیوان جلداول)

چیل کاایک عجیب واقعہ

اخبار وآثار کے راویوں نے یہ لکھا ہے کہ یہ پرندہ سلیمان ابن داؤدؑ کے شکاری پرندوں میں تھا اور اس جانور کے مادہ کی عجیب وغریب صفت یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ جفتی کے وقت چلاتی ہے۔جس کا پس منظر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نر جانور نے ایک دفعہ ایک مادہ کے ساتھ جفتی کی جس سے بچہ پیدا ہوالیکن اس نے اپنے بچے کا انکار کر دیا۔ ماں نے اس مقدمہ کو حضرت سلیمانؑ کی عدالت میں پیش کیا کہ اس بچہ کے والد نے میری ساتھ جفتی کی جس کی وجہ سے یہ معرض وجود میں آیا لیکن وہ اس کا انکار کرتا ہے۔حضرت سلیمانؑ نے نر جانور کو بلایا اور معاملہ کی صورت حال دریافت فرمائی۔اس نے کہا اے اللہ کے رسول یہ جنگلوں میں پھرتی ہے دیگر جانوروں سے پرہیز نہیں کرتی۔معلوم نہیں یہ بچہ میرا ہے یا کسی اور کا۔آپؑ نے بچہ کو غور سے دیکھا تو اس میں والد کی شبیہہ پائی۔آپ نے حکم فرمایا کہ بچہ اس کا ہے اور آپ نے بچہ اس کے ساتھ کر دیا۔پھر مادہ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جس وقت تیرا شوہر جفتی کرے گا تو اپنے اوپر قدرت مت دینا تا آنکہ دوسرے پرندوں کو گواہ نہ بناؤ۔تو اس وقت سے اس کی یہ عادت ہوگئی کہ جب نر چیل مادہ کے ساتھ جفتی کرتا ہے تو وہ مادہ چیختی ہے اور کہتی ہے کہ اے پرندو! تم گواہ رہو یہ میرے ساتھ جفتی کر رہا ہے اور چیخنے کے

وقت قرآن شریف کی آیت کا یہ ٹکڑا بھی کہتی ہے ''کل شیء ھالك الا وجھه ''اس کی عادت یہ ہے کہ بائیں طرف سے شکار کرتی ہے، داہنی جانب سے نہیں۔

قزوینی فرماتے ہیں یہاں تک کہ بعض آدمی کہتے ہیں کہ چیل ایک جانب سے دیکھتی نہیں۔ یہی تو وجہ ہے کہ اس کا حملہ ہمیشہ ایک جانب سے ہوتا ہے۔ قزوینی کہتے ہیں کہ چیل ایک سال نر رہتی ہے اور ایک سال مادہ۔

(حیوۃ الحیوان جلد اول)

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کرامت

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک روز مریدین کو پند و نصائح فرما رہے تھے۔ تیز ہوا چل رہی تھی۔ آپ کی مجلس پر سے ایک چیل چلاتی ہوئی گزری۔ حاضرین کو اس کے چیخنے پر تشویش و تعجب ہوا۔ شیخ نے ہوا کو حکم دیا کہ اس چیل کی گردن اڑا دی جائے۔ چنانچہ فوراً اس کا سر ایک طرف اور جسم دوسری جانب گر پڑا۔ اس کے بعد آپ اپنی جگہ سے اٹھے اور چیل کے سر جسم کو اپنے ہاتھ میں لیا اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی۔ پھر وہ چیل زندہ ہو کر اڑ گئی۔ اور حاضرین نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

(حیوۃ الحیوان جلد اول)

نوشیروان بادشاہ کے سوالات اور حکیم بزرجمہر کے جوابات

سوال: خدا تعالیٰ سے کیا مانگنا چاہیے؟

جواب: دونوں جہاں کی خیر وعافیت۔

سوال: سلوک کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالی کے حکم کو مقدم ماننا اور اس کے بندوں پر شفقت کرنا۔

سوال: عمر کو کہاں صرف کرنا چاہیے؟

جواب: علم حاصل کرنے میں۔

سوال: سیدھا راہ کس طرح معلوم ہوتا ہے؟

جواب: علم کے روشنی سے۔

سوال: دنیا کس کو کہتے ہے؟

جواب: جو آخرت میں کام نہ آئے۔

سوال: راہ سلوک کی روشنی کیا ہے؟

جواب: نفس کو مغلوب کرنا۔

سوال: نفس کس تدبیر سے مغلوب ہوتا ہے؟

جواب: اس کی مخالفت سے۔

سوال: عزت کس چیز سے زیادہ ہوتا ہے؟

جواب: کم بات کرنے سے۔

سوال: بدی کس چیز سے کرنا چاہیے؟

جواب: اپنے نفس کے ساتھ۔

سوال: اللہ تعالی کی خوشنودی کس چیز سے حاصل ہوتا ہے؟

جواب: والدین کی خدمت سے۔

سوال: کون سی نیکی اللہ تعالی کے نزدیک زیادہ مقبول ہیں؟

جواب: اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنا، اور بیٹوں کے ساتھ، قوم کے ساتھ اور قبیلہ کے ساتھ۔

سوال: کونسی بدی اللہ تعالی کے نزدیک بدتر ہے؟

جواب: اپنے فرزندوں کے حق میں بددعا کرنا اور اپنے ماتحتوں پر ظلم کو روا رکھنا۔

سوال: نیک بخت کس دلیل سے پہچانا جاتا ہے؟

جواب: تین دلیل سے: پہلا طلب علم، دوسرا سخاوت، اور تیسرا شگفتہ گوئی۔

سوال: سب سے اچھے کام کیا ہے؟

جواب: علماء اور حکماء کے مجلس میں بیٹھنا اور ان کی صحبت سے فائدہ حاصل کرنا۔

سوال: فقر میں کیا چیز اختیار کرنا چاہیے؟

جواب: اللہ تعالی کی رضا۔

سوال: دل کی تاریکی کس چیز سے آتا ہے؟

جواب: دنیا کے مال کی محبت۔

سوال: دنیا میں کس طرح رہنا چاہیے؟

جواب: مسافر کی طرح کہ جب سرائے میں آتا ہے تو رات گزار کر صبح پھر کوچ کرتا ہے

۔

سوال: آدمی کو اپنی جان سے زیادہ کیا چیز عزیز ہے؟

جواب: دیندار کو دین اور بے دین کو پیسے۔

سوال: مسافر بہتر ہے یا مقیم؟

جواب: مسافر جاری پانی کے حکم رکھتا ہے اور مقیم روکا ہوا پانی کے۔

سوال: نیند اچھا ہے یا بیداری؟

جواب: ظالم کے لئے نیند اچھا ہے اور عادل کے لئے بیداری۔

سوال: سچے دوست کی نشانی کیا ہے؟

جواب: وہ جو نیکی میں دوستی کرے اور اور بدی میں آپ کو اس سے روکے۔

(ماخوذ: مطلع العلوم)

ابلیس کے ہاں بنی آدم کے تین قسمیں

وہب بن الورد سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ابلیس صورت بدل کر حضرت یحی بن زکریا علیہ السلام کے سامنے آیا اور کہنے لگا کہ میں آپ کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے تمہاری نصیحت کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ بتاؤ کہ بنی آدم کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ ابلیس نے جواب دیا کہ ہمارے یہاں بنی آدم تین قسموں میں ہے۔ (یعنی ہم نے بنی آدم کو تین درجوں میں تقسیم کر رکھا ہے)

پہلی قسم میں وہ لوگ ہیں جو ہمارے لئے بہت سخت ہیں۔ کیونکہ ہم ان کے پاس جاتے ہیں اور کافی محنت کرنے کے بعد اس کو بہلا پھسلا کر اپنے قابو میں کر لیتے ہیں اور اس کو دین کے راستہ سے روک دیتے ہیں۔ مگر یہ (قسم) فوراً گھبرا کر توبہ و استغفار کر لیتے ہیں اور ان کی توبہ و استغفار سے ہماری ساری محنت رائیگاں ہو جاتی ہے۔ پھر ہم دوبارہ جا کر اس کو بہکانے اور اپنا ہم خیال بنانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ مگر پھر وہ توبہ و استغفار کی پناہ لے لیتا ہے۔ غرضیکہ ایسا شخص ہمارے جال میں نہیں آتا۔ اس لئے ہم اس سے اپنی کوئی

حاجت روائی نہیں کر سکتے۔ تا آنکہ اس قسم سے ہم بہت مشقت میں پڑ جاتے ہیں۔

اور بنی آدم کی دوسری قسم میں وہ لوگ ہیں آسانی سے ہمارے قابو میں آجاتے ہیں اور وہ ہمارے ہاتھوں میں اس طرح رہتے ہیں جیسے بچوں کے ہاتھوں میں گیند کہ جس طرف کو چاہا لڑھکا دیا۔ اس قسم کے ذریعے ہماری محنت ٹھکانے لگ جاتی ہے۔

اور تیسری قسم میں آپ جیسے معصوم لوگ ہیں جن پر ہمارا کوئی قابو نہیں چلتا۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

حکیم لقمان کی ذہانت کا ایک واقعہ

آپ کا مکمل نام لقمان بن عنقاء بن ء بن بیرون تھا۔ آپ شہر ایلہ کے رہنے والے تھے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو آپ کے مالک نے بکری دی اور فرمایا کہ اس کو ذبح کر کے اس کے گوشت کا وہ حصہ لاؤ جو سب سے بہتر ہے۔ چنانچہ آپ نے بکری کو ذبح کیا اور اس کا دل وزبان نکال کر مالک کے سامنے پیش کر دیا۔ دوسرے دن مالک نے پھر ان کو ایک بکری دی اور کہا کہ اس کے گوشت کا وہ حصہ جو سب سے خراب ہے۔ آپ نے اس کو بھی ذبح کیا اور اس کا دل وزبان نکال کر مالک کے سامنے پیش کر دیا۔ مالک نے تعجب کیا اور دریافت کیا کہ ایک ہی جزا چھا بھی ہو اور برا بھی تو یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا دل وزبان دونوں بہترین چیزیں ہیں بشرطیکہ اس کی ذات میں بھلائی اور شرافت ہو اور یہی دونوں چیزیں بدتر ہیں جب کہ اس کی ذات میں شرافت وبھلائی نہ ہو۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

انسان نما ایک جانور (الشیخ الیہودی)

ابو حامد اندلسی نے اور قزوینی نے اپنی کتاب ''عجائب المخلوقات'' میں لکھا ہے کہ یہ ایک جانور ہے جس کا چہرہ انسانوں جیسا ہوتا ہے اور اس کی ڈاڑھی سفید ہوتی ہے۔ باقی بدن مینڈک جیسا ہوتا ہے۔ بال گائے جیسے ہوتے ہیں اور قد و قامت میں بچھڑے کے برابر ہوتا ہے۔ یہ سمندر سے شنبہ کی رات کو نکلتا ہے اور یک شنبہ کے غروب آفتاب تک باہر رہتا ہے۔ مینڈک کی طرح کودتا ہے۔ جب یہ پانی میں داخل ہو جاتا ہے تو کشتی اس تک نہیں پہنچ سکتی۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

والدہ کی بد دعا کا نتیجہ

تاریخ ابن خلکان و دیگر کتب تواریخ میں مذکور ہے کہ زمخشری مقطوع الرجل تھے۔ یعنی ان کی ایک ٹانگ کٹی ہوئی تھی۔ لوگوں نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ میری والدہ کی بد دعاء کا نتیجہ ہے۔ میں نے بچپن میں ایک چڑیا پکڑی اور اس کی ٹانگ میں ایک ڈورا باندھ دیا۔ اتفاقاً وہ میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اڑنے اڑتے ایک دیوار کے شگاف میں گھس گئی۔ میں نے ڈورا پکڑ کر (جو کہ شگاف کے باہر لٹکا ہوا تھا کافی لمبا ہونے کی وجہ سے) زور سے کھینچا تو وہ اس شگاف سے نکل آئی مگر ڈورے سے اس کی ٹانگ کٹ گئی۔ والدہ کو اس کا بڑا صدمہ ہوا اور مجھے یہ کہہ کر بد دعا دی کہ جس طرح تو نے اس کی ٹانگ کاٹ دی خدا تیری بھی ٹانگ ایسے ہی توڑے۔ چنانچہ جب طالب علمی کی عمر کو

پہنچا اور تحصیل علوم کی غرض سے بخارا کے لئے چلا تو دوران سفر سواری سے گر پڑا۔ بخارا جا کر میں نے بہت علاج کرایا مگر ٹانگ کٹائے بغیر بات نہ بنی اور انجام کار ٹانگ کٹوانی پڑی۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ

صحیحین سنن نسائی اور جامع ترمذی میں حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے حضرت ابن عباس کی حدیث منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس جواب پر اظہار ناراضگی فرمایا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ سے سوال کیا گیا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ سب سے بڑا عالم کون ہے؟ حضرت موسیٰ نے لاعلمی کا اظہار فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی موسیٰ علیہ السلام کو مطلع فرمایا کہ ہمارا بندہ خضر علیہ السلام سب سے زیادہ عالم ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معلوم کیا کہ ان سے کیسے اور کہاں ملاقات ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنے توشہ دان میں ایک مچھلی رکھ لو جہاں وہ مچھلی غائب ہو جائے وہیں خضر سے ملاقات ہوگی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حسب ہدایت توشہ دان میں مچھلی لے کر روانہ ہو گئے اور آپ کے ساتھ یوشع علیہ السلام بھی روانہ ہو گئے۔ جب ایک پتھر پر پہنچے تو دونوں اس پتھر پر سر رکھ کر سو گئے اور مچھلی توشہ دان سے کھسک گئی اور سمندر

میں راستہ بناتی ہوئے گزر گئی جس کو حضرت یوشع علیہ السلام نے دیکھا اور وہ مچھلی کی اس حیرت انگیز کارکردگی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے گوش گزار نہ کر سکے۔ کیونکہ جس وقت مچھلی دریا میں راستہ بناتے چلی اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام عبادت میں مصروف تھے ۔اس کے بعد ان دونوں حضرات نے پھر سفر شروع کر دیا تو اچانک حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تھکن کا احساس ہوا تو آپ نے اپنے ہمراہی حضرت یوشع علیہ السلام سے کہا کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ اس سفر میں تو ہمیں بڑی تکلیف پہنچی۔تب حضرت یوشع نے کہا لیجئے یہ عجیب بات ہو گئی کہ ہم آپ کو مچھلی کا واقعہ بتانا ہی بھول گئے اور دو مچھلی تو اس وقت غائب ہوگئی تھی۔ جب ہم اس پتھر کے پاس ہوئے تھے یہ سن کر حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ یہی وہ جگہ ہے جس کی ہم کو تلاش تھی۔

چنانچہ دونوں حضرات اپنے قدموں کے نشانات دیکھتے ہوئے واپس لوٹے اور جب اس پتھر کے پاس پہنچے تو وہاں ایک شخص کو جو چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے پایا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سلام کیا اور فرمایا کہ میں موسیٰ ہوں۔حضرت خضر نے پوچھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل ،تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں بنی اسرائیل کا نبی موسیٰ ہوں۔ پھر حضرت موسیٰ نے پوچھا کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں؟ تا کہ آپ مجھے وہ علم سکھا دیں جو آپ کو (منجانب اللہ) سکھایا گیا ہے۔حضرت خضر نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر (میرے افعال) پر صبر نہ کر سکیں گے۔حضرت موسیٰ علیہ اسلام نے فرمایا کہ آپ مجھے انشاءاللہ صابر پائیں گے اور میں کسی معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔

چنانچہ اس گفتگو اور معاہدہ کے بعد دونوں سمندر کے کنارے کنارے چل دیے۔ چلتے چلتے ان کو ایک کشتی نظر آئی اور انہوں نے اہل کشتی سے کشتی میں سوار ہونے کی بات چیت

کی۔اہل کشتی نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور بغیر اجرت کے ہی ان کو سوار کر لیا۔ کچھ دیر بعد ایک چڑیا کشتی کے کنارہ پر آ بیٹھی اور اس نے پانی پینے کے لئے سمندر میں ایک یا دو چونچ ماری تو حضرت خضر نے فرمایا: اے موسیٰ! میرے اور آپ کے علم نے اللہ تعالیٰ کے علم میں سے صرف اتنا حصہ کم کیا (پایا) جتنا اس چڑیا نے اس سمندر سے پانی کم کیا۔اس کے بعد حضرت خضر نے اس کشتی کا ایک تختہ اکھیڑ دیا اس پر حضرت موسیٰ نے تعجب سے کہا کہ ان کشتی والوں نے ہم کو بغیر کسی اجرت کے سوار کیا اور تم نے ان کی کشتی کو توڑ دیا کہ وہ ڈوب جائیں۔حضرت خضرؑ نے کہا کہ میں نے پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ رہ کر آپ سے صبر نہیں ہو سکے گا۔حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ مجھ کو یاد نہیں رہا تھا سو آپ بھول چوک پر میری گرفت نہ کیجئے۔اور میرے اس معاملہ میں مجھ پر زیادہ تنگی نہ کیجئے۔

شرط کی پہلی خلاف ورزی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسیانا سرزد ہوئی۔ پھر دونوں کشتی سے اتر کر چلے۔پس دیکھا کہ ایک لڑکا بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف ہے۔ حضرت خضرؑ نے اس بچہ کا سر اوپر سے پکڑ کر الگ کر دیا۔حضرت موسیٰ گھبرا کر کہنے لگے کہ آپ نے ایک بے گناہ جان کو مار ڈالا اور وہ بھی کسی وجہ کے بغیر بے شک آپ نے یہ بڑی بے جا حرکت کی۔حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ پہلے کے مقابلہ میں حضرت خضر کی جانب سے یہ تنبیہ سخت اور موکد ہے۔ پھر دونوں حضرات آگے چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں پر گزر ہوا تو ان حضرات نے ان گاؤں والوں سے کھانا مانگا (کہ ہم مہمان ہیں) لیکن گاؤں والوں نے ان کی مہمانی کرنے سے انکار کر دیا۔اسی گاؤں میں چلتے چلتے ان کو ایک دیوار نظر آئی جو گرنے کے قریب تھی۔حضرت خضرؑ نے اس کو ہاتھ کے اشارہ سے سیدھا کر دیا۔

موسیٰؑ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو اس کام پر کچھ اجرت ہی لے لیتے حضرت خضر نے کہا کہ یہ وقت آپ کے اور ہمارے درمیان جدائی کا ہے اور میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہوسکا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ میرے برادر موسیٰ پر رحم فرمائے کہ کاش وہ اتنا صبر کر لیتے یہاں تک کہ خود اللہ تعالیٰ ان رموز و اسرار کو بیان فرما دیتے۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

ایک عجیب حکایت

قزوینی نے ابوحامد اندلسی سے بیان کیا ہے کہ بحر اسود پر ایک پتھر کا نام کنیسہ ہے جو ایک پہاڑ پر ایستادہ ہے۔ اس کنیسہ پر ایک بڑا قبہ بنا ہوا ہے جس پر ایک کوا بیٹھا ہوا ہے جو وہاں سے بھی نہیں تھا۔ اس قبہ کے مقابل ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ لوگ اس مسجد کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ اس گرجے کے پادریوں سے یہ طے ہے کہ جو مسلمان زائرین یہاں آئیں وہ ان کی ضیافت کر لیں۔ چنانچہ جب کوئی زائر وہاں پہنچتا ہے تو وہ کوا قبہ کے ایک سوراخ میں اپنی چونچ ڈال کر آواز لگاتا ہے۔ زائرین کی تعداد جتنی ہوتی ہے اتنی ہی بار آواز لگاتا ہے۔ کوے کی آواز سن کر پادری اتنا ہی کھانا لے کر آتے ہیں جتنا کہ ان موجود زائرین کے لیے کافی ہو۔ اس کنیسہ کا نام کنیسۃ الغراب (کوے والا گرجا) مشہور ہو گیا۔ پادرویوں کا کہنا ہے کہ ہم اس کوے کو اس جگہ دیکھتے چلے آرہے ہیں نہ معلوم یہ کہاں سے کھاتا پیتا ہے۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

قصہ ذوالقرنین

حضرت عقبہؓ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور خادم حاضر تھا۔ اہل کتاب کے کچھ لوگ مصاحف یا کچھ اور کتابیں لئے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاضری کی اجازت لے آؤ۔ چنانچہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کا پیغام پہنچا دیا اور ان کا حلیہ بھی بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا مجھ سے کیا واسطہ وہ مجھ سے ایسی باتیں پوچھتے ہیں جو مجھ کو معلوم نہیں آخر میں بھی اس کا بندہ ہی تو ہوں صرف وہی بات جانتا ہوں جس کا علم میرا رب مجھے عطا کرتا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا اچھا مجھے وضو کرا دو۔ چنانچہ آپ کو وضو کرایا گیا۔ پھر آپ گھر کے مصلے پر تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرے پر بشاشت کے آثار نمایاں ہیں۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ان لوگوں کو میرے پاس بلا لاؤ اور میرے صحابہ میں سے جو اس وقت موجود ہوں ان کو بھی بلا لاؤ۔

چنانچہ میں سب کو خدمت اقدس میں بلا لایا۔ جب اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے گئے تو آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم مجھ سے پوچھنا چاہتے ہو اگر تم چاہو تو میں تمہارے سوال کے بغیر تم کو بتلا دوں اور اگر تم چاہو تو خود سوال کر لو۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ آپ خود ہی ابتدا فرما دیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرنا چاہتے ہو۔ لہذا میں تم کو بتلاتا ہوں کہ جو کچھ تمہاری کتابوں میں ان کے بارے میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ ذوالقرنین ایک رومی لڑکا تھا اللہ تعالی نے اس کو سلطنت

عطا فرمائی۔ پھر وہ بلاد مصر کے ساحل پر پہنچا اور وہاں ایک شہر آباد کیا جس کا نام اسکندریہ رکھا ۔ جب وہ اس کام سے فارغ ہوا تو اس کے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس کو روبقبلہ کر کے آسمان کی طرف لے کر اڑ گیا۔ پھر اس سے کہا کہ نیچے کی طرف نگاہ کرو اور بتا کہ تم کو کیا نظر آ رہا ہے؟ چنانچہ اس نے زمین کی طرف دیکھ کر کہا کہ مجھ کو میرا شہر اور ساتھ میں دوسرے شہر نظر آ رہے ہیں۔ پھر فرشتہ اس کو اور اوپر لے کر اڑا اور پھر وہی سوال دہرایا۔ ذوالقرنین نے کہا کہ مجھ کو میرا شہر اور دیگر شہر ملے جلے نظر آ رہے ہیں میں اپنے شہر کی شناخت نہیں کر سکتا۔ پھر فرشتہ اس کو اور اوپر لے گیا اور کہا کہ اب دکھ کیا نظر آ رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اب تو مجھ کو تنہا اپنا شہر نظر آ رہا ہے۔ فرشتہ نے کہا کہ یہ سب زمین ہے اور جو کچھ اس کے چاروں طرف ہے وہ سمندر ہے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اس کا سلطان مقرر کیا ہے۔

اس کے بعد ذوالقرنین نے دنیا کا سفر اختیار کیا اور چلتے چلتے وہ مغرب الشّمس (آفتاب غروب ہونے کی جگہ) پر پہنچ گیا اور پھر وہاں سے چل کر مطلع الشّمس یعنی پورب کی طرف جا پہنچا۔ وہاں سے چل کر سدین یعنی دو دیواروں پر پہنچا جو دو پہاڑ تھے اور اتنے نرم تھے کہ جو چیز ان سے مس کرتی وہ ان سے چپک جاتی تھی۔ اس کے بعد اس نے دیوار تعمیر کی اور یاجوج یا جوج کے پاس پہنچا اور ان کو دیگر مخلوق سے جدا کیا۔ بعد ازاں اس کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ جن کے چہرے کتوں کے مشابہ تھے اور وہ یاجوج ماجوج سے قتال کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس نے ان کو بھی جدا جدا کر دیا۔ پھر ایک قوم کے پاس پہنچا جو ایک دوسرے کو کھا جاتے تھے۔ وہاں ایک صحرہ عظیم بھی دیکھا۔ آخر میں وہ بحر محیط کے ایک ملک میں گیا۔

یہ سن کر وہ اہل کتاب بولے کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ ذوالقرنین کے متعلق جو کچھ

آپ نے ارشاد فرمایا بالکل وہی ہماری کتابوں میں مذکور ہے۔

روایت ہے کہ جب ذوالقرنین اسکندریہ کی تعمیر سے فراغت پا چکے اور اس کو خوب مستحکم بنا دیا تو آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا اور چلتے چلتے آپ کا گزر ایک ایسی صالح قوم پر ہوا جو راہ حق پر گامزن تھی اور ان کے جملہ امور حق پر مبنی تھے اور ان میں یہ اوصاف حسنہ بدرجہ کمال موجود تھے۔ روزمرہ کے امور میں عدل اور ہر چیز کی مساوی تقسیم انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا آپس میں صلہ رحمی حال وقال ایک، ان کی قبریں ان کے دروازوں کے سامنے ان کے دروازے غیر مقفل نہ ان کا کوئی امیر وقاضی، نہ آپس میں امتیازی سلوک، نہ کسی قسم کا لڑائی جھگڑا، نہ گالی گلوچ اور نہ قہقہہ بازی، نہ رنج وغم، آفات سماویہ سے محفوظ عمریں دراز، نہ ان میں کوئی مسکین اور نہ کوئی فقیر۔ ذوالقرنین کو ان کے یہ حالات دیکھ کر تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ تم لوگ مجھ کو اپنے حالات سے مطلع کرو کیونکہ میں تمام دنیا میں گھوما ہوں اور بے شمار بحری اور بری اسفار کئے ہیں مگر تم جیسی صالح اور کوئی قوم نظر نہیں آئی۔ ان کے نمائندہ نے کہا کہ آپ جو چاہیں سوال کریں میں ان کا جواب دیتا جاؤں گا۔

ذوالقرنین:۔ تمہاری قبر میں تمہارے گھروں کے درازوں کے سامنے کیوں ہیں؟

نمائندہ:۔ ایسا ہم نے عمداً اس لیئے کیا ہے تا کہ ہم موت کو نہ بھول جائیں بلکہ اس کی یاد ہمارے دلوں میں باقی رہے۔

ذوالقرنین:۔ تمہارے دروازوں پر قفل کیوں نہیں ہیں؟

نمائندہ:۔ ہم میں سے کوئی مشتبہ نہیں بلکہ سب امانت دار ہیں۔

ذوالقرنین: تمہارے یہاں امراء کیوں نہیں ہیں؟

نمائندہ:۔ ہم کو امراء کی حاجت نہیں ہے۔

ذوالقرنین:۔تمہارے اوپر حکام کوئی نہیں ہیں؟

نمائندہ:۔کیونکہ ہم آپس میں جھگڑا نہیں کرتے جو حاکم کی ضرورت پیش آئے۔

ذوالقرنین:۔تم میں اغنیاء یعنی مالدار کیوں نہیں ہیں؟

نمائندہ:۔کیونکہ ہمارے یہاں مال کی کثرت نہیں ہے۔

ذوالقرنین:۔تمہارے یہاں بادشاہ کیوں نہیں ہیں؟

نمائندہ:۔ہمارے یہاں دنیوی سلطنت کی کسی کو رغبت ہی نہیں۔

ذوالقرنین۔تمہارے اندر اشراف کیوں نہیں؟

نمائندہ:۔کیونکہ ہمارے اندر تفاخر کا مادہ ہی نہیں ہے۔

ذوالقرنین۔تمہارے درمیان باہم اختلاف کیوں نہیں؟

نمائندہ:۔کیونکہ ہم میں صلح کا مادہ بہت زیادہ ہے۔

ذوالقرنین:۔تمہارے یہاں آپس میں لڑائی جھگڑا کیوں نہیں؟

نمائندہ:۔ہمارے یہاں حلم اور بردباری کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔

ذوالقرنین:۔تم سب کی بات ایک ہے اور طریقہ راست ہے؟

نمائندہ:۔یہ اس وجہ سے ہے کہ ہم آپس میں نہ جھوٹ بولتے ہیں نہ دھوکر دیتے ہیں اور غیبت کرتے ہیں۔

ذوالقرنین:۔تمہارے سب کے دل یکساں اور تمہارا ظاہر و باطن بھی یکساں ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

نمائندہ:۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم سب کی نیتیں صاف ہیں ان سے حسد اور دھوکر نکل گئے ہیں۔

ذوالقرنین:۔تم میں کوئی مسکین وفقیر کیوں نہیں ہے؟

نمائندہ:۔ کیونکہ جو کچھ ہمارے یہاں پیدا ہوتا ہے ہم سب اس کو برابر تقسیم کر لیتے ہیں۔

ذوالقرنین۔تمہارے یہاں کوئی درشت مزاج اور تندخو کیوں نہیں ہے؟

نمائندہ:۔ کیونکہ ہم سب خاکسار اور متواضع ہیں۔

ذوالقرنین۔تم لوگوں کی عمریں دراز کیوں ہیں؟

نمائندہ:۔ کیونکہ ہم سب ایک دوسرے کے حق کو ادا کرتے ہیں اور حق کے ساتھ آپس میں انصاف کرتے ہیں۔

ذوالقرنین:۔تم باہم ہنسی مذاق کیوں نہیں کرتے؟

نمائندہ:۔تاکہ ہم استغفار سے غافل نہ ہوں۔

ذوالقرنین:۔تم غمگین کیوں نہیں ہوتے؟

نمائندہ:۔ہم بچپن سے بلا ومصیبت جھیلنے کے عادی ہو گئے ہیں لہذا ہم کو ہر چیز محبوب ومرغوب ہوگئی ہے۔

ذوالقرنین:۔تم لوگ آفات میں کیوں نہیں مبتلا ہوتے جیسا کہ دوسرے لوگ ہوتے ہیں؟

نمائندہ:۔ کیونکہ ہم غیراللہ پر بھروسہ نہیں کرتے اور نہ ہم نجوم وغیرہ کے معتقد ہیں۔

ذوالقرنین۔اپنے آباؤاجداد کا حال بیان کرو کہ وہ کیسے تھے؟

نمائندہ:۔ ہمارے آباؤاجداد بہت اچھے لوگ تھے وہ اپنے مساکین پر رحم کرتے اور جوان میں فقیر ہوتے ان سے بھائی چارہ کرتے۔ جوان پر ظلم کرتا اس کو معاف کر دیتے اور

جوان کے ساتھ برائی کرتا وہ ان کے ساتھ بھلائی کرتے تھے۔ جوان کے ساتھ جہل کا معاملہ کرتا تو وہ ان کے ساتھ بردباری کا معاملہ کرتے۔ آپس میں صلہ رحمی کرتے۔ نماز کے اوقات کی حفاظت کرتے۔ اپنے وعدہ کو پورا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالی نے ان کے ہر کام درست کر رکھے تھے اور جب تک وہ زندہ رہے ان کو اللہ تعالی نے آفات سے محفوظ رکھا اور اللہ تعالی نے اب ان کی اولاد یعنی ہم کو بھی انہی کے نقش قدم پر ثابت رکھا۔

یہ سب باتیں سن کر ذوالقرنین نے کہا کہ اگر میں کسی جگہ قیام کرتا تو تمہارے پاس کرتا لیکن اللہ تعالی کی طرف سے مجھے کہیں قیام کی اجازت نہیں ہے، اس لئے معذور ہوں۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

چند بری باتیں

کتاب ''المحکم'' اور ''الغایات'' میں لکھا ہے کہ اہل تجربہ کے قول کے مطابق یہ چیزیں باعث غم ہوا کرتی ہیں۔

(۱) بکریوں کے درمیان چلنا۔

(۲) بیٹھ کر عمامہ باندھنا۔

(۳) کھڑے ہو کر پائجامہ پہنا۔

(۴) دانتوں سے داڑھی کترنا۔

(۵) دروازہ کی چوکھٹ پر بیٹھنا۔

(۶) بائیں ہاتھ سے کھانا۔

(۷) دامن سے منہ پونچھنا۔

(۸) انڈوں کے چھلکوں پر چلنا۔

(۹) داہنے ہاتھ سے استنجا کرنا۔

(۱۰) قبروں پر قہقہہ مار کر ہنسنا۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

حضرت نوحؑ کی کشتی کا رقبہ

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام نے دو سال میں اپنی کشتی کو تیار فرمایا اور اس کشتی کا طول تین سو ہاتھ کے بقدر اور عرض پچاس ہاتھ اور بلندی تیس ہاتھ تھی۔ یہ کشتی ساج کی لکڑی سے بنائی گئی تھی اور اس میں آپ نے تین منزلیں بنائی تھیں۔ نیچے کی منزل میں جنگلی جانور درندے اور حشرات الارض کو رکھا گیا تھا اور درمیانی منزل میں سواری کے جانور اور چوپائے تھے اور اوپر والے حصے میں حضرت نوح اپنے متبعین اور سامان ضرورت کے ساتھ تشریف فرما تھا۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ نچلے حصے میں جانور درمیانی درجہ میں انسان اور اوپر کے درجے میں پرندے تھے۔

جب کشتی میں بہت زیادہ گوبر ولید وغیرہ جمع ہو گیا تو اللہ تعالی نے حضرت نوحؑ حکم دیا کہ ہاتھی کی دم کو دباؤ۔ چنانچہ حضرت نوحؑ نے ایسا ہی کیا جس کے نتیجہ میں ایک سور اور ایک سوری برآمد ہوئے۔ چنانچہ ان دونوں نے نکلتے ہی کشتی میں موجود تمام غلاظت کو کھا کر صاف کر دیا۔ اسی طرح جب چوہا کشتی کے کنارہ پر آ کر اس کے لنگر کی رسیوں کو کاٹنے لگا تو حق تعالی نے حضرت نوح کو حکم دیا کہ شیر کی دونوں آنکھوں کے درمیان چوٹ ماریں۔ چنانچہ حضرت نوح نے ایسا ہی کیا جس سے ایک بلا اور ایک بلی نکلی اور ان دونوں نے چوہے

پر حملہ کر کے اس کو رسی کاٹنے سے باز رکھا۔

حضرت حسنؒ سے منقول ہے کہ سفینہ نوح کی لمبائی ۱۲۰۰ گز اور چوڑائی ۶۰۰ گز تھی لیکن مشہور وہی مقدار ہے جو حضرت ابن عباس نے بیان فرمائی۔ حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اس کشتی کا دروازہ عرض میں تھا۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

کشتی سازی کی مدت

زید بن اسلم بیان کرتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام ۱۰۰ سال تک شجر کاری اور لکڑیاں کاٹنے میں مصروف رہے۔ پھر ۱۰ سال کشتی بنانے میں صرف ہوئے۔ بقول کعب احبار کشتی بنانے میں ۳۰ سال صرف ہوئے اور بعض کا قول ہے کہ ۴۰ سال تک شجر کاری کی اور ۴۰ سال تک اس کو خشک کیا اور پھر کشتی بنائی۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

بنی اسرائیل کی ایک مسخ شدہ قوم

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کی ایک قوم گم ہوگئی کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ ان کا کیا انجام ہوا؟ بس اس مقام پر صرف چوہے نظر آتے تھے اور ان چوہوں کا یہ حال تھا کہ جب ان کے سامنے اونٹنی کا دودھ رکھا جاتا تھا تو اس کو نہیں پیتے تھے مگر جب بکری کا دودھ ان کے سامنے رکھتے تھے تو اس کو پی لیتے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ چونکہ بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرم تھا اور بکری کا دودھ اور گوشت حلال تھا۔ اس لئے ان چوہوں کا اونٹنی کے دودھ سے اعراض کرنا اور بکری کے دودھ کو پی لینا اس امر کی دلیل ہے کہ یہ چوہے بنی اسرائیل کی مسخ شدہ قوم تھی۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

ایک عبرت انگیز واقعہ

حلیہ میں ابوعبداللہ نے لکھا ہے کہ میں ایک بحری سفر کے لئے کشتی پر سوار تھا کہ اچانک ایک زبردست ہوا چلی اور ہماری کشتی ڈانواڈول ہونے لگی اور اس کے ٹوٹ جانے کا شدید خطرہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ کشتی پر سوار تمام لوگ مایوس ہوگئے اور اللہ تعالی سے دعا و ونذریں ماننے لگے کہ اگر اللہ تعالی اس مصیبت سے نجات دیدے تو ہم فلاں فلاں کام کرلیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ابوعبداللہ سے بھی اصرار کیا کہ آپ بھی کوئی نذر مانیں۔ ابوعبداللہ کہتے ہیں کہ جب لوگوں کا اصرار کافی بڑھا تو اچانک میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ اللہ تعالی اگر مجھے اس مصیبت سے نجات دیدے تو میں ہاتھی کا گوشت نہیں کھاؤں گا۔ کچھ دیر بعد کشتی ٹوٹ گئی اور تمام لوگ دریا میں بہہ گئے مگر مجھے اور میرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں پر اللہ تعالی کی رحمت نازل ہوئی اور لہروں نے ہمیں ایک ساحل پر لا پھینکا۔ ہم لوگ اس ساحل پر دن تک رہے مگر ہمارے لئے کھانے پینے کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ اچانک ایک دن کہیں سے ایک ہاتھی کا بچہ ساحل پر آ گیا۔ لوگوں نے اس کو پکڑ کر ذبح کرلیا اور سب نے مل کر اس کو کھایا۔ لیکن میں نے نذر کی وجہ سے اس میں سے کچھ گوشت بھی نہ کھایا حالانکہ مجھے شدید بھوک تھی۔ میرے ساتھی چونکہ کئی دن سے بھوکے تھے لہذا انہوں نے شکم سیر ہو

کر کھایا جس کی وجہ سے ان پر نیند کا غلبہ ہو گیا اور سب گہری نیند سو گئے ۔ میں چونکہ بھوکا تھا اس لئے مجھ کو نیند نہ آسکی اور میں نقاہت سے ایسے ہی لیٹا رہا۔ کچھ دیر بعد مجھے ایک ہتھنی نظر آئی جو اپنے بچے کے نشانات قدم دیکھتی ہوئی ہم تک پہنچی تھی ۔ چنانچہ اس نے وہاں پہنچے ہی ہر آدمی کا منہ سونگھا اور سونگھنے کے بعد ہی سب کو اپنے پیروں سے روند کر ہلاک کرتی چلی گئی ۔ یہاں تک کہ وہ سب کو ہلاک کرنے کے بعد میرے قریب آئی اور میرا منہ سونگھا جب اس کو میرے منہ سے اپنے بچے کی گوشت کی خوشبو نہ آئی تو اس نے مجھ کو اشارہ کیا کہ میں اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤں ۔ چنانچہ میں اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ ہتھنی مجھے لے کر اس قدر تیزی سے دوڑی کہ میں نے بھی ہاتھیوں کو اتنی تیز بھاگتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ وہ اس دن اور پھر تمام رات مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھائے ہوئے دوڑتی رہی حتی کہ صبح ہو گئی اور پھر اس نے مجھے ایک ایسی جگہ پر پیٹھ سے اترنے کا اشارہ کیا جہاں پر کچھ لوگ کھیتی باڑی میں مشغول تھے ۔ چنانچہ کچھ لوگوں کی نظر مجھ پر پڑی اور ان میں سے ایک شخص آگے آیا اور مجھ سے پوچھا کیا بات ہے؟ میں نے ان کو تمام تفصیل بتادی تو وہ لوگ کہنے لگے کہ وہ ساحل یہاں سے آٹھ دن کی مسافت پر ہے اور اس ہتھنی نے یہ مسافت آدھے دن اور ایک رات میں قطع کر لی ۔ ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں ان لوگوں کے پاس کافی دن تک رہا۔ یہاں تک کہ وہ ہتھنی پھر دوبارہ حاملہ ہو گئی ۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

حیرت انگیز داستان

علامہ ابوالفرج ابن جوزی کی کتاب ''العرائس'' میں لکھا ہے کہ ایک طالب علم تحصیل علم

کے لئے اپنے وطن سے کہیں جا رہا تھا راستے میں اس کی ملاقات ایک شخص سے ہوئی جو اس کے ساتھ ہو گیا۔ جب وہ طالب علم اس شہر کے قریب پہنچا جہاں جانے کا قصد کر کے وہ گھر سے چلا تھا۔ اس اجنبی شخص نے اس طالب علم کو مخاطب کر کے کہا کہ ہم سفر ہونے کی وجہ سے تجھ پر میرا حق رفاقت لازم ہو گیا اور میں قوم جن کا ایک فرد ہوں مجھے تم سے ایک کام ہے۔ طالب علم نے پوچھا کیا کام ہے؟ جن نے کہا جب تو فلاں مقام پر پہنچے گا تجھے وہاں کچھ مرغیاں ملیں گی ان کے بیچ میں ایک مرغا ہو گا۔ اس کے مالک کا پتہ لگا کر اس مرغے کو خرید لینا اور اسے ذبح کر ڈالنا۔ بس تجھ سے میرا یہی کام ہے۔ اس طالب علم نے اس جن سے کہا کہ بھائی میرا بھی تم سے ایک کام ہے۔ جن نے پوچھا تیرا کیا کام ہے؟ اس نے کہا کہ بالفرض اگر کوئی سرکش جن کسی انسان پر سوار ہو جائے اور اس پر کسی عمل کا اثر نہ ہوتا ہو تو اس کا علاج کیا ہے؟ جن نے کہا کہ اس کی دوا یہ کہ ''یحمور'' کی کھال کا ایک ہاتھ لمبا تانت لے کر اس سے آسیب زدہ کی شہادت کی انگلی خوب جکڑ کر باندھ دی جائے پھر سنداب بری کا تیل لے کر چار قطرے آسیب زدہ کے داہنے نتھنے میں اور تین قطرے بائیں نتھنے میں ٹپکا دیئے جائیں اس سے وہ آسیب مر جائے گا اور پھر اس پر کوئی دوسرا آسیب کبھی بھی نہیں آئے گا۔

اس طالب علم کا کہنا ہے کہ وہ جن مجھ سے جدا ہو گیا۔ جب میں شہر کے اس مقام پر پہنچا جہاں کا اس نے پتہ دیا تھا تو مجھے وہاں مرغیاں نظر آئیں اور ان میں ایک مرغا بھی تھا۔ یہ ایک بڑھیا کی ملکیت میں تھا۔ میں اس سے وہ مرغا خریدنا چاہا مگر اس نے صاف انکار کر دیا۔ آخر کار بہت اصرار کر کے میں نے وہ مرغا دوگنی قیمت میں خرید لیا۔ پھر وہ جن مجھے نظر آیا اور اس نے اشارہ سے مجھے کہا کہ اس مرغے کو ذبح کر دے۔ چنانچہ میں نے اس کو ذبح کر

دیا۔ کچھ دیر کے بعد کچھ مرد وعورت پاس کے ایک گھر سے نکلے اور مجھے جادوگر کہہ کر مارنے لگے۔ میں نے ان سے کہا کہ میں جادوگر نہیں ہوں۔ وہ کہنے لگے جب سے تو نے یہ مرغا ذبح کیا ہے ایک جن آ کر ہماری جوان لڑکی پر سوار ہو گیا ہے اور وہ کسی طرح اس کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں ہے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ جن وہی میرا رفیق سفر ہے چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ مجھ کو ''یحمور'' کی تانت اور آپ سنداب لا کر دو میں اس کا علاج کروں گا۔ جب یہ چیزیں انہوں نے مہیا کر دیں۔ میں نے جا کر تانت سے اس آسیب زدہ لڑکی کی انگلی خوب کس کر باندھ دی۔ باندھتے ہی وہ جن چلانے لگا اور کہنے لگا کیا میں نے اس لئے تجھ کو یہ عمل سکھایا تھا کہ تو مجھ ہی پر اسے آزمائے۔ میں نے اس کی ایک نہ سنی اور پھر اس تیل کے چار قطرے اس کے داہنے نتھنے اور تین قطرے اس کے بائیں نتھنے میں ٹپکا دیئے۔ ٹپکاتے ہی وہ جن مردہ ہو کر اسی وقت گر پڑا اور لڑکی بھلی چنگی ہو گئی۔ پھر اس کو کسی آسیب کی تکلیف بھی نہیں ہوئی۔

(حیوۃ الحیوان جلد دوم)

حضرت آدم وموسیٰ علیہما السلام کا مناظرہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ، حضرت آدمؑ سے ہمکلام ہوئے اور فرمایا آپ ہی ہیں وہ؟ جن کی لغزش کی بناء پر انسانوں کو جنت سے نکالا گیا، اور آپ نے ان کو اس نصیب سے محروم کر دیا؟ پھر حضرت آدم نے حضرت موسیٰؑ کو فرمایا آپ وہ (عظیم شخصیت ہیں) جن کو اللہ نے اپنی رسالت اور اپنے ساتھ ہمکلامی کیلئے منتخب فرمایا اتنی مرتبت کے باوجود آپ مجھے ملامت کرتے ہیں، اس

بات پر جس کو اللہ نے میری پیدائش سے پہلے میری قسمت میں لکھ دیا تھا؟

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تو حضرت آدمؑ حضرت موسیٰؑ پر غالب آ گئے۔

(تاریخ ابن کثیر جلد اول)

مسلمانوں کے عظیم سائنس دان ''الحازن''

ڈاکٹر خالد سہیل

میں نے جب اپنی سائنسی تحقیق کے لیے ایمیزون پر ساری دنیا کے سائنسدانوں کی سوانح عمریاں تلاش کرنی شروع کیں تو مجھے یہ جان کر بہت حیرت ہوئی کہ مجھے گیلیلیو' نیوٹن' آئن سٹائن اور ہاکنگ کی سوانح عمریاں تو آسانی سے مل گئیں لیکن مسلم سائنسدان الحازن کی کوئی سوانح عمری نہ ملی۔ چنانچہ میں نے اپنے عزیز دوست زکریا ورک سے رجوع کیا۔ زکریا ورک پروفیسر عبدالسلام کی سائنسی خدمات پر تحقیق کر چکے ہیں۔ انہوں نے میری حد سے زیادہ مدد کی۔ اس تحقیق کے دوران مجھے یہ جان کر بھی حیرانی ہوئی کہ الحازن کا اصلی عربی نام الحسن (ابوعلی الحسن بن الحسن الہیثم) تھا جو انگریزی میں بگڑ کر الحازن ہو گیا جس طرح رابندر ناتھ کا نام ٹھاکر سے بگڑ کر ٹیگور ہو گیا تھا۔

الحازن 965 عیسوی میں بصرہ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا تعلق مسلمانوں کے اس سنہری دور سے تھا جس دور میں الکندی' الرازی" الفارابی اور ابن رشد جیسے فلسفیوں نے مسلمانوں میں سائنسی اور تنقیدی شعور کو بڑھاوا دینے کی کوشش کی تھی۔ اسی لیے الحازن فرماتے ہیں کہ اگر کسی انسان کو سائنسدان بننا ہے اور سچ کو جاننا ہے تو اسے ہر تحریر کو شک کی نگاہ سے دیکھنا اور پڑھنا چاہیے۔ الحازن نے اپنی ابتدائی تعلیم بصرہ کی مسجدوں اور مدرسوں

میں حاصل کی لیکن جلد ہی انہوں نے اپنی خفتہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے روایت سے بغاوت اور بغاوت سے دانائی کا سفر شروع کر دیا۔

الحازن نے اپنی غیر روایتی تعلیم کا آغاز ارسطو کی کتابوں سے کیا۔ وہ جو کتاب بھی پڑھتے وہ اس کا خلاصہ لکھتے تا کہ ان کے دوستوں اور شاگردوں کو پوری کتاب نہ پڑھنی پڑے۔ فلسفے کے بعد ان کی دلچسپی ریاضی میں پیدا ہوئی اور انہوں نے اقلیدس کی کتابوں سے جیومیٹری کے راز سیکھے۔ ریاضی میں جب انہیں دسترس حاصل ہونے لگی تو انہوں نے ارشمیدس اور پٹولومی کی کتابوں کا مطالعہ کیا تا کہ وہ فلسفے ریاضی اور افلاکیات کے علوم پر عبور حاصل کر سکیں۔ الحازن کو جب مختلف علوم پر عبور حاصل ہو گیا تو نوجوانی میں وہ قدرے مغرور ہو گئے اور بلند بانگ دعوے کرنے لگے۔ ان دعووں میں سے ایک دعویٰ یہ تھا کہ اگر خلیفہ وقت الحاکم انہیں اپنے دربار میں بلائے تو وہ اسے دریائے نیل پر بند باندھنے کی ترکیب بتائیں تا کہ عوام دریا کے طوفانوں اور سیلابوں سے بچ سکیں۔ الحازن کے دعوے کی خبر اڑتے اڑتے خلیفہ تک پہنچ گئی اور خلیفہ نے الحازن کو اپنے دربار میں طلب کیا۔

الحازن وہاں پہنچے تو خلیفہ نے انہیں اپنے دعوے پر عمل کرنے کو کہا۔ الحازن دریائے نیل پر پہنچے تو انہیں اندازہ ہوا کہ ان کا دعویٰ حقائق پر مبنی نہ تھا۔ وہ ایک دیوانے کی بڑ سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ جب الحازن نے دربار میں آ کر خلیفہ سے اعتراف کیا کہ وہ اپنا وعدہ وفا نہیں کر سکتے تو خلیفہ کو طیش آ گیا اور انہیں دس سال کے لیے گھر میں قید کر دیا گیا۔ خلیفہ الحاکم نے اپنے دور خلافت میں نہ صرف الحازن پر جبر کیا بلکہ بہت سے اور لوگوں پر بھی ظلم کیا۔ اس نے کئی بے گناہوں کے سر قلم کروا دیے اور کئی معصوموں کو شہر بدر کر دیا۔ وہ اتنا دیوانہ تھا کہ اس نے THE MAD CALIPH کا خطاب پایا۔

الحازن 1011 سے 1021 عیسوی تک اپنے گھر میں قید رہے۔ انہیں کسی دوست اور دانشور سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ الحازن نہایت ذہین اور دانا انسان تھے۔ انہوں نے وہ دس سال اپنے تجربات اور مشاہدات رقم کرنے میں لگائے اور ایک کتاب تخلیق کی جو بعد عربی میں کتاب المناظر اور دو صدیوں بعد مغربی دنیا میں BOOK OF OPTICS کے نام سے چھپی اور انہوں نے FATHER OF OPTICS کا خطاب پایا۔ کتاب المناظر میں الحازن نے بصارت 'روشنی اور عدسوں کے بارے میں اپنے انقلابی نظریات پیش کیے۔ اکیسویں صدی کے بین الاقوامی شہرت کے مالک پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر سہیل زبیری اپنے مقالے A VERY BRIEF HISTORY OF LIGHT میں پہلے تاریخی حوالوں کا ذکر کرتے ہیں اور پھر الحازن کی تحقیقات اور خدمات کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں 'ایک وہ دور تھا جب مصری قوم کے عوام وخواص یہ سمجھتے تھے کہ روشنی کا تعلق سورج دیوتا سے ہے جب وہ آنکھ کھولتا ہے تو ساری دنیا میں روشنی ہو جاتی ہے اور دن نکل آتا ہے اور جب وہ آنکھ موند لیتا ہے تو رات ہو جاتی ہے اور چاروں طرف تاریکی پھیل جاتی ہے۔ یونانی فلاسفروں نے نہ صرف روشنی بلکہ روشنی اور بصارت کے تعلق کے بارے میں بھی مختلف خیالات اور نظریات پیش کیے۔ ایک نظریہ افلاطون (BC428۔BC328) کا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ روشنی انسانی آنکھ سے نکل کر چاروں طرف پھیل جاتی ہے اور جب وہ کسی چیز کو چھوتی ہے تو انسانی آنکھ پر اس چیز کی ساخت رنگ اور ماہیت واضح ہو جاتے ہیں۔ یہ نظریہ ایک ہزار سال تک مقبول عام رہا۔ دوسرا نظریہ اپی کیورس (BC341۔BC270) کا تھا ان کا کہنا تھا کہ ہر چیز ایٹم خارج کرتی ہے اور جب وہ ایٹم انسانی آنکھ تک پہنچتے ہیں تو انسانی آنکھ پر وہ چیز منکشف ہو جاتی

ہے تیسرا نظریہ ڈیموکریٹس (BC460۔BC370) کا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہر چیز کا نقش ہوا پر ثبت ہو جاتا ہے اور انسانی آنکھ اس نقش کو پڑھ لیتی ہے اور اس چیز کو جان جاتی ہے۔ الکندی نے نہ صرف روشنی کی خصوصیات کا مطالعہ کیا بلکہ روشنی' آئینے اور سائے کے تعلق کو بھی سمجھنے کی کوشش کی۔ الکندی نے افلاطون کے روشنی کے نظریے میں گرانقدر اضافے کیے۔ الکندی کے نظریات کو بوعلی سینا کے خیالات نے اور بڑھاوا دیا دسویں صدی کے الحازن نے کتاب المناظر رقم کی جو سات جلدوں پر مشتمل تھی۔ یہ پہلی کتاب ہے جس میں انسانی آنکھ' روشنی' آئینوں' سایوں اور عدسوں کی خصوصیات کا تفصیلی ذکر کیا گیا۔ الحازن کے شہ پارے کا لاطینی میں ترجمہ بارہویں صدی میں کیا گیا۔ وہ کتاب اگلے پانچ سو برس تک اس موضوع پر سب سے اہم کتاب سمجھی جاتی ہے جس کے بعد نیوٹن کی AD 1704 کی کتاب OPTICKS اولیت اختیار کر لیتی ہے۔ الحازن نے یونانی فلسفیوں کے نظریے کہ روشنی انسانی آنکھ سے نکلتی ہے کو ایک ہزار سال کے بعد غلط ثابت کیا اور یہ ثابت کیا کہ روشنی کا ماخذ لیمپ جیسے مختلف آلے ہیں۔ انہوں نے دیواروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ کر کے اور دیوار کی دوسری طرف لیمپ رکھ کر یہ بھی ثابت کیا کہ روشنی کی شعاعیں سیدھی لکیر میں سفر کرتی ہیں۔ اس تجربے سے انہوں نے کیمرہ بنانے کے امکان کو بھی درخشاں کیا۔ الحازن نے دوربین تو ایجاد نہ کی لیکن دوربین کا امکان پیش کیا کہ کس طرح روشنی مختلف عدسوں سے گزرتے ہوئے اپنی خصوصیات بدلتی ہے۔ الغرض الحازن کے روشنی کے نظریات نے کیمرے اور دوربین کی ایجادات کے لیے بنیادیں فراہم کیں۔

الحازن کی زندگی کے بارے میں بہت سی کہاوتیں مشہور ہیں۔ ایک کہاوت کے مطابق

الحازن ایک تاریک کمرے میں بیٹھے تھے کہ انہیں دیوار پر روشنی دکھائی دی جب وہ قریب گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ روشنی کے ساتھ ان اشیا کا الٹا عکس بھی تھا جو کمرے کے باہر تھیں۔ الحازن نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ دوسری دیوار میں ایک سوراخ تھا جس سے روشنی کی کرنیں آ رہی تھیں۔ الحازن نے سوراخ پر اپنا ہاتھ رکھا تو عکس غائب ہو گیا۔ ہاتھ اٹھایا تو عکس دوبارہ دکھائی دینے لگا۔ الحازن نے اس مشاہدے کو ایک اور تجربے سے دہرایا۔ انہوں نے ایک دیوار کے سامنے تین شمعیں جلائیں اور دیوار اور شمعوں کے درمیان ایک پردہ رکھا اور پردے میں سوراخ کیا۔ ایسا کرنے سے انہیں دیوار پر شمعوں کا الٹا عکس دکھائی دینے لگا۔ اس تجربے سے الحازن نے نتیجہ نکالا کہ انسانی آنکھ بھی اسی بند کمرے کی طرح ہے جس میں باہر کی چیزوں کا عکس آنکھ کے پردے پر الٹا پڑتا ہے اور پھر دماغ میں جا کر سیدھا ہو جاتا ہے۔ الحازن نے انسانی آنکھوں عدسوں اور کیمروں کے راز جانے۔ الحازن کی زندگی کے بارے میں تحقیق کرتے ہوئے مجھے نیشنل جیوگرافک کی بچوں کی چھوٹی سی کتاب مل گئی جس کا نام IBN AL HAYTHAM...THE MAN WHO DISCOVERED HOW WE SEE ہے۔ اس کتاب میں الحازن کے بارے میں مندرجہ ذیل معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

1: الحازن نے ایک ایسی گھڑی بنائی جو پانی سے چلتی تھی اور گھنٹوں اور منٹوں میں صحیح وقت بتاتی تھی۔

2: الحازن کی علم ریاضی سے ثابت کیا کہ چاند کی روشنی دراصل سورج کی منعکس کردہ روشنی ہے۔

3: الحازن نے وہ راز بتائے جن کی بنیاد پر کیمرے 'مووی پروجیکٹر' دوربینیں اور

خوردبینیں بنائی گئیں۔

4: الحازن نے ہمیں بتایا کہ ہم دن کے وقت ستارے نہیں دیکھ سکتے کیونکہ وہ سورج کی تیز روشنی میں ماند پڑ جاتے ہیں لیکن رات کی تاریکی میں صاف دکھائی دیتے ہیں۔ الحازن کی روشنی 'بصارت اور اجرام فلکی کی تحقیقات سے مسلم فلاسفر ابن رشد نے ہی نہیں گیلیلیو اور نیوٹن جیسے مغربی دانشوروں اور سائنسدانوں نے بھی استفادہ کیا۔ الحازن مسلمانوں کے سنہری دور کا ایک روشن ستارہ ہیں جنہوں نے انسانی بصارت کے بارے میں بصیرت افروز مقالے لکھے اور سائنس کی دنیا میں گرانقدر اضافے کیے۔ وہ 1040 عیسوی میں پچھتر برس کی عمر میں فوت ہوئے۔

حکمائے فلاسفہ

حضرت لقمان حکیم:

حضرت داؤدؑ کے ہمعصر تھے اور انہی کا شرف تلمذ حاصل تھا۔ قرآن مجید میں انہی کے نام سے ایک سورت بھی ہے، اور بہت دانا تھے، دانائی کی بہت ساری باتیں ان کی طرف منسوب ہے۔ اور مشہور وصیت جو اپنے بیٹے کو کیا تھا، قرآن مجید میں بھی موجود ہے کہ:

''اے بیٹے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

اس کے علاوہ صد پند کے نام سے آپ کی نصائح موجود ہے۔

فیثاغورث

شام سے مصر آیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے اصحاب کے ساتھ ملاقات ہوئی، علم

الٰہی اور حکمت وطبعیات سیکھ لیا اور اپنے سوچ سمجھ سے علم موسیقی نغمہ والحان کو ایجاد کیا، اور سقراط انہی سے یہ علم یاد کیا۔

اور اس نے اپنے علم کو خدا پرستی میں گزارا اور دنیا کی لذات سے اعراض کیا، اور بقیہ علم کو عبادات میں بسر کیا، اور اسی (۸۰) رسائل مختلف علوم میں تصنیف کیا ہے۔

(مطلع العلوم)

انتافلس:

حضرت لقمان حکیم کے شاگرد تھے۔ اور یہ پہلا شخص ہے جن کو حکیم کے لقب سے نوازا گیا۔

(مطلع العلوم)

افلاطون

قدیم یونانی فلسفی افلاطون کی فکر مغربی سیاسی فلسفہ اور بہت حد تک اخلاقی اور مابعد الطبیعیاتی فلسفہ کے نقطہ آغاز کو ظاہر کرتی ہے۔ ان موضوعات پر اس کے معروضات کو دور ہزار تین سو برسوں سے مسلسل پڑھا جا رہا ہے۔ افلاطون کا شمار مغربی فکر کے عظیم بانیوں میں ہوتا ہے۔

افلاطون ایتھنز کے ایک ممتاز گھرانے میں 427 قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ نوجوانی میں اس کی ملاقات فلسفی سقراط سے ہوئی جو اس کا دوست اور رہنما بن گیا۔ 399 قبل مسیح میں ستر برس کی عمر میں سقراط پر بے دینی اور ایتھنز کے نوجوانوں کو ورغلانے کے مبہم الزامات

کے تحت مقدمہ چلایا گیا۔اس کو موت کی سزا دی گئی۔ افلاطون کے الفاظ میں سقراط ،دانا ترین،اوران تمام لوگوں میں سے بہترین ہے جن سے آج تک مل پایا ہوں سقراط کی موت نے افلاطون کے دل میں جمہوری حکومت کے لیے ایک مستقل نفرت بھر دی۔سقراط کی موت کے کچھ ہی عرصہ بعد افلاطون نے ایتھنز چھوڑ دیا۔ اگلے دس یا بارہ برس اس نے مسلسل سفر میں گزارے۔ 387 قبل مسیح کے قریب وہ ایتھنز واپس آیا اور ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ جسے اکاومی کا نام دیا۔جو نوسو سال سے زائد عرصہ تک قائم رہی۔افلاطون نے زندگی کے بقیہ چالیس برس ایتھنز میں گزارے۔وہ فلسفہ کی تدریس کرتا اور لکھتا رہا۔اس کا سب سے معروف شاگرد ارسطو تھا جو سترہ برس کی عمر میں اکاومی میں داخل ہوا تب افلاطون ساٹھ برس کا تھا۔افلاطون 80 برس کی عمر میں 347 میں فوت ہوا۔

ارسطو

ارسطو قدیم یونان کا عظیم فلسفی،سائنسدان، ریاضی دان، استاد، تحقیق نگار اور مصنف تھا۔ اس کی تحریروں کے مضوعات فزکس، ما بعد الطبیعات (Metaphysics)، شاعری، تھیٹر، موسیقی، منطق، فن بلاغت، فن لسانیات، سیاسیات، حکومت، اخلاقیات، حیاتیات اور حیوانیات تھے۔ارسطو 384 قبل مسیح میں یونان کے ایک چھوٹے سے ساحلی قصبے Stagira میں پیدا ہوا۔اس کے باپ کا نام Nicomachus تھا جو کہ ریاست میسیڈونیا کے بادشاہ Amyntas کا درباری طبیب تھا۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ارسطو کے آباؤ اجداد کئی نسلوں سے اس ریاست کے شاہی دربار میں بطور معالج کام کرتے چلے آ رہے تھے، اگرچہ ارسطو جب ابھی لڑکپن میں ہی تھا تو اس کا باپ فوت ہو گیا لیکن اس کے

باوجود ساری عمر ارسطو کا شاہی دربار سے قریبی واسطہ رہا اور اس نے اس ماحول کا کافی اثر بھی لیا۔ ارسطو کی ماں کا نام Phaestis تھا لیکن اس کے بارے میں مزید کچھ معلوم نہیں۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ارسطو کی ماں بھی اس کے بچپن میں ہی فوت ہوگئی۔ ارسطو کے باپ کے مرنے کے بعد ارسطو کا بہنوئی Proxenus اس کا سرپرست بنا اور اس کے جوان ہونے تک اس کا خرچ اٹھاتا رہا۔

صاحب مطلع العلوم لکھتے ہیں:

''انہوں نے افلاطون سے علم حاصل کیا، اور افلاطون کے مرنے کے بعد اپنا مدرسہ بنایا اور اسکندر رومی کو بھی علم وحکمت کی تعلیم دی، ایک سو بیس (۱۲۰) کتب مختلف علوم میں تصنیف کیا ہے۔ اور ایک سو آٹھ (۱۰۸) سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔''

(مطلع العلوم)

دیمقراطیس

ایک قدیم یونانی فلسفی تھا، جسے آج بنیادی طور پر کائنات کے جوہری نظریہ کی تشکیل کے لئے یاد کیا جاتا ہے۔ صاحب مطلع العلوم لکھتے ہیں:

''افلاطون سے بہت پہلے گزرا ہے اور کہا جاتا ہے علم وحکمت میں افلاطون سے زیادہ فوقیت رکھتا تھا''۔

اُقلِیدس

لفظ ''اقلیدس'' یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی کلید ہندسہ یعنی غوامض ہندسہ کا

کھولنے والا۔

چنانچہ اقلیدس بھی علم ہندسہ کو کھول دیا یعنی وضع کیا، جن کے نام سے جیومٹری پڑی۔ ایک یونانی حکیم گزرے ہیں جو علم ہندسہ کا ماہر تھا اور علم ہندسہ کا ایجاد بھی انہوں نے کیا ہے۔ صاحب مطلع العلوم لکھتے ہیں:

''علم ہندسہ میں ''اقلیدس'' کے نام سے ان کی تصنیف مشہور ہے۔ اور علم ہیئت میں ''مجسطی'' معتبر تصنیف انہی کا ہے''۔

ان سے پوچھا گیا کہ خدا کے مقبول بندوں کی علامات کیا ہیں؟ تو کہا کہ میٹھے گفتگو اور اچھے اخلاق اس میں پایا جائے اور تواضع مہمان اور نیک، بد کی حال پر یکساں شفقت کرنا۔

(مطلع العلوم)

جالینوس

ایک بہت بڑا حکیم اور کامیاب طبیب تھا۔ حکیم بقراط انہیں کا شاگرد رشید تھا۔ ان کا قول ہے کہ جب تک انسان اپنے نفس کے عیوب پر مطلع نہ ہوجائے تو اس کا اصلاح ہرگز نہیں ہوسکتا پس انسان کو چاہیے کہ اپنے عیوب پر اطلاع اور آگاہی حاصل کرے۔

(مطلع العلوم)

بقراط

مشہور یونانی سائنس دان تھا۔ طبابت میں بہت کام کیا اور نام پیدا کیا۔ بیماری میں تعویذ گنڈے کے علاج کی بجائے سائنسی علاج کی بنیاد ڈالی اور اسی وجہ سے بقراط کو

بابائے طب کا درجہ بھی دیا جاتا ہے۔

صاحب مطلع العلوم لکھتے ہیں:

''علم طب کو عالم پر انہوں نے ظاہر کیا اس سے پہلے حکماء اس علم کو مخفی رکھا تھا اغیار پر آشکارہ نہیں کرتے تھے۔ سوالہ سال کی عمر میں علم حاصل کرنے سے فارغ ہوا اور تدریس کے منصب پر فائز ہوا۔ اس کے مقالات ہیں کہ سب سے عقلمند انسان وہ ہے جو مفلسی کی حالت میں دل کو تنگ نہیں رکھتا اور دنیا کی دولتوں کو آخرت کی نعمتوں پر پسند نہیں کرتا''

(مطلع العلوم)

سقراط

اپنے عہد کا باکمال بے مثال حکیم تھا، اور مخلوق کو امر الٰہی کی طرف دعوت دیتا اور برائی سے روکتا، اس وقت کے بادشاہ نے اس کو قتل کرنے کی ترغیب دی، عوام میں فتنہ وفساد کی وجہ سے۔ ان کی سوانح حیات کت بارے میں کافی کتب چھپ چکی ہے۔

دیوجانس کلبی

یونان کا ایک فلسفی جو علم وحکمت میں کمال رکھتا تھا۔ اور فلسفہ کلبیت کا پیرو تھا، سینوپ میں پیدا ہوئے اور ایتھنز میں سکونت اختیار کی۔ کہا جاتا ہے کہ ماتا دیوی کے مندر میں ایک ٹب میں بیٹھا رہتا تھا، ایک بار بحری قزاقوں کے قبضے میں آ گیا، انہوں نے اس کو ایک کورنتھ کے ایک دولت مند آدمی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ آخر اس کے بچوں کو تعلیم دی اور آزادی پائی۔ صاحب مطلع العلوم لکھتے ہیں کہ:

''ان سے پوچھا گیا کہ کھانا اور شراب کس وقت کھانا اچھا ہے؟ تو کہا کہ اہل دولت کے لئے اس وقت جب اس کا شہوت غالب ہو اور تنگ دست اور مفلس کو جب میسر آ جائے کھائے''۔

بقراطیس

بقراط کے شاگردوں میں تھا۔ اس کا قول ہے کہ علوم شریفہ ہرگز دلنشین نہیں ہوتا جب تک برے خطرات کو دل سے باہر نہ نکالے کیونکہ گندگی اور پاکی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ (مطلع العلوم)

بلیناس

بعض کہتے ہیں کہ ارسطو کے شاگردوں میں سے ہے۔ اسکندریہ جو مصر کے شہروں میں سے ایک ہے منارہ بنایا تھا اس کے اوپر آئینہ نصب کیا تا کہ روم اور اس کے اردگرد کے علاقے اس کا مشاہدہ کرے۔ اور یہ عجیب صنعت و حکمت اس کے مصنوعات میں سے ہے۔ (مطلع العلوم)

جاماسپ

ایک عجمی حکیم ہے۔ اور لقمان حکیم کے شاگردوں میں سے تھا، علم رمل اور نجوم میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔

(مطلع العلوم)

ارجاسپ

اپنے وقت کا علم وحکمت کا بے مثال حکیم تھا۔ جب قریب المرگ تھا تو اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ دوستوں کے ساتھ لطف و احسان کرو، اور اس کے بعد منہ کی طرف کیا اور سر بسجود ہو کر اس دار جہاں سے رخصت کر دیا۔

بزرجمہر

نوشیروان بادشاہ کا وزیر تھا اور اپنے زمانے میں حکماء کا مقتداء۔ اس کے کئی اقوال ماقبل گزر چکے ہیں ''نوشیروان کے سوالات'' عنوان کے تحت۔

حکیم بید پائے برہمن

ہند کے حکماء میں سے تھا۔ اس کے اقوال میں سے یہ ہے کہ چار ہزار کلام حکمت جمع کر کے لایا ہوں اور اس میں چار کو اختیار کیا ہوں، دو یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ اول خالق، دوم موت۔ اور دو بھلانے کے قابل ہیں، اول آپ کا احسان کہ آپ دوسروں کو پہنچائے، دوم بدی ہے کہ جو دوسروں سے آپ کو پہنچے۔

عمر خیام نیشاپوری

حکمائے اسلام میں سے بہت بڑا حکیم تھا۔ اور بعض نے اس کو بوعلی سینا کا مثال کہا ہے ۔ سلطان سنجر سلجوقی اس کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتا تھا۔ اس کے رباعیات تمام دنیا میں مشہور ہے اور عمر کے آخری ایام میں اکثر علم الہیات کے مطالعہ میں مشغول ہوتا تھا اور

رحلت کے وقت نماز پڑھ رہا تھا سر سجدہ میں رکھ کر کہا اے خدا میں آپ کو نہیں پہچانا قدر و اندازہ سے پہچانا آپ مجھے بخش دیں یہ کہہ کر سجدہ میں گر پڑا۔ان کی وفات ۵۱۵ھ میں ہوئی۔

ابونصر فارابی

ابونصر فارابی کا پورا نام ''محمد بن ترخان ابونصر'' ابن ابی اُصیبیہ نے اس کا نام ''ابونصر محمد بن اوزلغ بن طرخان'' لکھا ہے۔افغانستان کے مقام ''فاراب'' میں 872ء میں پیدا ہوا۔فارابی کی ابتدائی زندگی نہایت ہی غربت اور تنگدستی میں گزری،مگر غربت وتنگدستی اس کے علم وجستجو پر غالب نہ ہوسکی۔ابتدائی دور میں یہ ایک دفعہ رات کے وقت مطالعہ میں مصروف تھا کہ تیل ختم ہونے سے چراغ بجھ گیا۔اس میں اتنی مالی وسعت نہ تھی کہ تیل خریدتا۔مگر شوق مطالعہ اسے کھینچ کر باہر لے آیا اور گشت کرتے ہوئے پہرے دار کے سامنے لا کھڑا کیا۔فارابی نے پہریدار سے سارا ماجرا کہہ سنایا اور اُسے وہاں تھوڑی دیر رکنے کی گزارش کی تاکہ وہ اپنا سبق یاد کرلے۔پہریدار اس دن مان گیا،مگر دوسرے دن اس نے رکنے سے صاف انکار کردیا۔مگر فارابی نے گزارش کی کہ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلتا رہے گا تاکہ اس کی لالٹین کی روشنی میں مطالعہ کرسکے۔کچھ دنوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا مگر ایک دن پہریدار نے اس کی علمی لگن اور جستجو سے متاثر ہوکر اسے نئی لالٹین لاکر دے دی۔ فارابی کے حصول علم کا یہ بے مثال واقعہ رہتی دنیا تک ایک مشعل راہ ہے۔

انہوں نے تقریباً 50 سال حصولِ علم میں صرف کیے۔انہوں نے مسیحی طبیب یوحنا بن حیلان سے بھی استفادہ کیا۔اس کے بعد تحقیق وتدریس کی طرف متوجہ ہوکر سیف الدولہ

ہمدانی کے دربار سے وابستہ ہو گیا۔علم ریاضی، طب، فلسفہ اور موسیقی میں تحقیق وتحاریر۔ منطق کی علمی گروہ بندی کی۔ان کو ارسطو کے بعد دوسرا بڑا فلسفی بھی کہا جاتا ہے۔انہوں نے علم طبیعیات میں وجود خلا پر اہم تحقیقات کیں۔اس کے علاوہ ماہر عمرانیات، سیاسیات و موسیقیات بھی تھے۔فارابی ارسطو اور افلاطون سے بے حد متاثر تھے۔انہوں نے ارسطو کی اکثر کتابوں کی شروحات لکھیں، اسی وجہ سے انہیں ''معلّم ثانی'' بھی کہا جاتا ہے۔ان شرحوں میں شرح ''ایساغوجی'' اور بطلیموس کی ''المجسطی'' بہت مشہور ہیں۔فارابی نہ صرف حکیم اور فلسفی تھے بلکہ سائنس، نجوم اور موسیقی کے علوم پر بھی انہیں دسترس تھی۔ان کی دیگر تصانیف میں الموسیقی الکبیرہ، معانی العقل اور ''ارا ء اہل المدینۃ الفاضلۃ'' اور ''السیر ۃ الفاضلۃ'' معروف ہیں۔ان کی تصانیف کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہیں۔فارابی شاعر بھی تھے۔ان کی ایک طویل دعا بھی بہت مشہور ومعروف ہے، جسے بعض تذکرہ نگاروں نے نقل کیا ہے۔انہوں نے 950ء میں دمشق میں وفات پائی۔

ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا

ابوعلی حسین بن عبداللہ بن سینا 980 ء بمطابق 370 ہجری قمری کو بخارا میں پیدا ہوئے ۔ان کے والد کا نام عبداللہ تھا جو بلخ کے رہنے والے تھے اور نوح بن منصور سامانی کے دور حکومت میں بخارا ہجرت کر گئے اور یہاں ان کے والد کو انتظامی امور میں ایک اچھے عہدے پر فائز کر دیا گیا۔ ان کی والدہ کا نام ستارہ تھا۔آپ ماں اور باپ، دونوں کی طرف سے ایرانی النسل ہیں۔ یورپ کے رہنے والے انہیں avesinna کے نام سے یاد کرتے ہیں۔آپ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد کی محبت میں سرشار تھے۔وہ

اپنی پوری زندگی ایسے حکمرانوں کی سرپرستی حاصل کرنے کی کوشش میں رہے جو ایرانی تھے ۔انھوں نے بخارا میں تعلیم پائی اور سب سے پہلے قرآن اور ادبیات کی تعلیم حاصل کی اور صرف دس سال کی عمر میں ہی انہوں نے اس قدر ان علوم میں ترقی کی کہ ارد گرد کے لوگوں کو حیران کر دیا۔ ان کے والد ''اخوان الصفاء'' نامی ایک رسالے کا مطالعہ کیا کرتے تھے، اپنے والد کو دیکھ کر ابن سینا نے بھی اس رسالے کو پڑھنا شروع کر دیا۔ان کے والد انہیں ایک سبزی بیچنے والے کے پاس لے گئے جس کا نام محمود مساحی تھا اور وہ ہندی حساب کتاب سے آگاہی رکھتا تھا۔ چنانچہ ابن سینا نے بچپن میں اس سبزی فروش سے یہ فن بھی سیکھ لیا۔اسی زمانے میں ایک دانشمند بنام ابوعبداللہ (حسین بن ابراھیم الطبری) ناتلی جو فلسفہ کا داعی تھا، بخارا آیا۔ان کے والد نے اس فلسفہ دان کو اپنے گھر میں جگہ دی اور اسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابن سینا نے اس سے فلسفے کی تعلیم حاصل کی ۔انہی سے انہوں نے فقہ کی بھی ایک حد تک تعلیم حاصل کی ۔ جب سلطان بخارا نوح ابن منصور بیمار ہوئے تو ان کے علاج معالجے کے سلسلے میں زمانے کے تجربہ کار حکیموں کی دوائیں استعمال کی گئی ۔ جب کسی بھی حکیم کی دوائی کارگر ثابت نہ ہوئی تب ابن سینا جیسے کم عمر اور غیر معروف طبیب کی دوائی سے سلطان صحت یاب ہو گئے ۔ چنانچہ سلطان نے ان کو اپنی لائبریری کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ بوعلی کا حافظہ بہت تیز تھا۔جلد ہی سلطان کا کتب خانہ چھان مارا اور ہمہ گیر معلومات اکٹھی کر لیں ۔اکیس سال کی عمر میں پہلی کتاب لکھی۔ ایک روایت کے مطابق بوعلی سینا نے اکیس بڑی اور چوبیس چھوٹی کتابیں لکھی تھیں۔بعض کے خیال میں اس نے ننانوے کتابیں تصنیف میں لائیں۔ان کی اہم تصانیف میں کتاب الشفاء، القانون فی الطب، اشارات شامل ہیں۔ یورپ میں ان کی بہت سی کتابوں کے

ترجمے ہوئے اور وہاں ان کی بہت عزت کی جاتی ہے۔

اسلام کا یہ عظیم فرزند اپنے زمانے میں عظیم حکیم اور عظیم فلسفی اور ماہر طبیعات بن کر ابھرا ۔آپ ماہر کیمیا دان، ماہر طب، ماہر طبیعیات اور بہترین دوا ساز تھے۔آپ وہ پہلے کیمیا دان تھے جنہوں نے اس نظریے کی تردید کی کہ ہر دھات کو سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔آپ نے ایک طبیب کی حیثیت سے نا قابل علاج بیماریوں کا علاج دریافت کیا۔ دوا سازی میں آپ نے 760 سے زائد مختلف ادویات خود تیار کیں۔آپ نے سو سے زائد کتب تحریر کیں جن میں سے 16 طب اور 5 سائنس (جنرل) پر تھیں۔ ان تصانیف میں دو کتابیں نہایت اہم ہیں پہلی "قانون فی الطب" اور دوسری "الشفا"۔قانون فی الطب کی 5 جلدیں تھیں۔ یہ کتاب آٹھ سو سال تک یورپ کے میڈیکل کالجوں میں بطور درسی کتاب شامل رہی۔آپ درس و تدریس اور استادوں کے لیے چند اصول بھی لکھے ہیں۔ یورپ کا پہلا تعلیمی ڈھانچہ شیخ بوعلی سینا ہی کے اصولوں پر مبنی تھا۔اسلامی دنیا کی اس عظیم شخصیت نے سن 1037ء میں وفات پائی اور ان کا مقبرہ ایران کے شہر ھمدان میں واقع ہے۔

شہاب الدین مقتول

آپ کی ولادت سہرورد میں 549ھ بمطابق 1154ء میں ہوئی۔آپ مشہور ایرانی فلسفی اور مکتب اشراق کے بانی تھے۔آپ ایران کے صوبہ زنجان کے علاقے قیدار کے رہائشی تھے۔آپ کی بعض فلسفیانہ اور صوفیانہ آرا کی وجہ سے علما وقت نے آپ کے قتل کا فتویٰ دیا۔سلطان الظاہر غازی نے آپ کو قلعہ حلب میں مقید کر دیا اور وہیں آپ کو تختۂ دار

پر لٹکا دیا گیا۔ آپ کی تصانیف میں ''حکمۃ الاشراق'' بہت مشہور ہے، اس کے علاوہ ''التلویحات''، ''ھیاکل النور'' اور ''المشارع والمطارحات'' بھی آپ کی تصانیف ہیں۔ اول الذکر سے آپ کو ممتاز کرنے کے لیے آپ کے نام کے ساتھ ''صاحب حکمۃ الاشراق'' لگایا جاتا ہے یا شیخ شہاب الدین یحییٰ سہروردی لکھا جاتا ہے۔ آپ کی وفات 587ھ بمطابق 1191ء حلب، شام میں ہوئی۔

حکیم ناصر خسرو

حکیم ناصر خسرو چوتھی صدی ہجری کی اہم شخصیت تھے، ان کا پورا نام ابو معین حمید الدین ناصر بن خسرو القبادیانی المروزی تھا۔ انہوں نے علم و ادب، فلسفہ اور حکمت کے حوالے سے کئی یادگار کتب چھوڑی ہیں، لیکن متعدد اسباب کی بنا پر ان کا کام زیادہ شہرت حاصل نہ کر سکا، کام کی شہرت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی شخصیت بھی نہ ابھر سکی اور نہ ہی اس کے مختلف پہلو سامنے آ سکے۔ آپ صاحب دیوان شاعر بھی تھے اور عمر کے آخری حصے میں کتاب کی اشاعت بھی دیکھ سکے۔ اس کے علاوہ آپ کی کتاب گشایش و رہائش بھی اب تک موجود ہے جبکہ دیگر کتب محفوظ نہ رہ سکیں۔

خواجہ نصیر الدین طوسی

(597-672ھ)، ساتویں صدی ہجری کے شیعہ فلسفی اور متکلم تھے۔ انہوں نے اخلاق، منطق، فلسفہ، کلام، ریاضیات اور نجوم جیسے مختلف علوم میں قلم فرسائی کی ہے۔ اخلاق ناصری، اوصاف الاشراف، اساس الاقتباس، شرح الاشارات، تجرید الاعتقاد، جامع

الحساب، زیج ایلخانی اور تذکرۃ فی علم الہیئۃ ان کے اہم ترین آثار شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے ایران کے ایک شہر مراغہ میں ایک رصد خانہ اور 4 لاکھ سے زیادہ کتابوں پر مشتمل کتب خانہ کی بھی بنیاد رکھی۔

یعقوب کندی

عرب کے ایک شاہی خاندان کا فرد ہے، اس کا باپ ابواسحاق بن الصباح خلیفہ مہدی اور ہارون رشید کے زمانے میں کوفہ کا امیر تھا۔ اور یہی ان کا جائے پیدائش ہے۔ سال ولادت اور وفات میں متعین نہیں۔ لیکن بعض نے سال وفات ۲۵۸ھ لکھا ہے اور بعض نے ۲۶۰ھ۔

بعض اقوال کے مطابق ابتداء میں یہودی تھا پھر اسلام لایا اور بعض اقوال کے مطابق عیسائی تھا۔ اس کا ابتدائی زمانہ بصرہ میں گزرا جہاں اس کی جائیداد تھی ممکن ہے اس نے وہاں کچھ تعلیم بھی حاصل کی ہو، لیکن حقیقی تعلیم اس نے بغداد میں آکر حاصل کی۔ ان کا شمار عباسی دور کے بہترین مترجمین میں کیا گیا ہے، اور تمام تذکروں میں لکھا ہے کہ اس نے فلسفہ کی بہت سی کتابوں کا ترجمہ کیا، اور فلسفہ کی مشکل کتابوں کی توضیح وتشریح کی۔

(ماخوذ: حکمائے اسلام از مولانا عبدالسلام ندوی)

یحی بن ابی منصور

یہ ایک خاندانی منجم اور ریاضی دان تھے، ان کا باپ ابومنصور خلیفہ ابوجعفر کا منجم تھا اور مجوسی مذہب رکھتا تھا اور ان کا بیٹا یحی فضل بن سہل ذوالریاستین کے دربار سے تعلق رکھتا تھا،

اور احکام نجوم میں فضل اسی کی رائے پر عمل کرتا تھا، لیکن جب فضل بن سہل حوادث زمانہ کا شکار ہوا تو یحی مامون کے منجم اور ندیم ہو گئے، اور اس نے ان کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی اور وہ ان کے ہاتھ پر اسلام لائے۔

یحی بن ابی منصور کا سال ولادت کسی تذکرے میں مذکور نہیں ہے، البتہ ان کی وفات کے متعلق ابن خلکان نے لکھا ہے کہ جس سال مامون طرسوس کے قصد سے نکلا یحی نے حلب میں وفات پائی اور وہی قریش کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

یحی کی تصنیفات میں صرف چند کتابیں ہیں اور سب کی سب ریاضی سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۱) کتاب الزیج الممتحن دو نسخے اول وثانی۔

(۲) کتاب مقالۃ فی عمل ارتقاء سدس ساعۃ لعرض مدینۃ السلام۔

(۳) کتاب یحتوی علی ارصادلہ

(۴) رسائل الی جماعۃ فی الارصاد۔

(ماخوذ حکمائے اسلام)

عباس بن سعید جوہری

عباس بن سعید جوہری ریاضی کی تمام شاخوں میں علم ہندسہ کا بہت بڑا ماہر تھا۔ صناعت تسییر اور حساب فلک کا بہت بڑا ماہر اور آلات رصدیہ کے بنانے کا مہتمم تھا، اور اس نے چاند، سورج اور بعض سیاروں کے مقامات کی تحقیق کی اور اس کے متعلق ایک زیج تیار کی جو اس فن کے لوگوں میں مشہور ہے، اور یہ غالباً مامون کے ہاتھ پر اسلام لایا۔

(ایضا)

ابوالطیب سند بن علی

ممتاز ریاضی دان ہے اس کی کنیت ابوالطیب اور سند بن علی نام ہے، ابتداء میں یہودی تھا لیکن بعد کو مامون کے ہاتھ پر اسلام لایا، وہ اپنے زمانے میں فضلاء میں تھا اور فن انجینیر ی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اوران کی تصنیفات نجوم وحساب میں ہیں۔ (ایضا)

محمد بن موسیٰ خوارزمی

مامون کے زمانے تک مسلمانوں میں فلسفی صرف یعقوب کندی ہی پیدا ہوا، لیکن ریاضی دانوں میں متعدد اشخاص نے شہرت حاصل کی جن میں ایک محمد بن موسیٰ خوارزمی بھی ہے۔ افسوس ہے کہ اس کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وہ مامون کے بیت الحکمۃ سے تعلق رکھتا تھا، اوراس کا شمار ہیئت دانوں میں کیا جاتا ہے۔

فن ریاضی میں سب سے پہلے جبر ومقابلہ پر اسی نے کتاب لکھی اور یورپ میں انگریزی ترجمہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ (ایضا)

محمد بن زکریا رازی

محمد نام، ابوبکر کنیت ہے، باپ کا نام زکریا اور دادا کا نام یحی ہے۔

رے میں پیدا ہوا اور وہی نشوونما حاصل کی سال ولادت نہیں لکھا گیا لیکن موجودہ دور میں اس کی چھان بین کی گئی، لیکن کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہوسکا، کسی نے سال ولادت ۲۲۶ھ

کسی نے ۲۳۶ھ کسی نے ۲۴۰ھ کسی نے ۲۵۰ھ لکھا لکھا ہے۔ بعض نے ۲۵۱ھ لکھا ہے، لیکن ڈاکٹر محمود نجیب آبادی اس کے حالات میں جو مستقل رسالہ لکھا ہے اس میں قیاساً ۲۴۰ھ کو ترجیح دی ہے۔

زکریا رازی بہت بڑا سیاح بھی گزرا ہے، وہ شہروں میں پھرا کرتا تھا، اور طبی اغراض سے بھی متعدد سفر کئے ہیں۔ نیز کثیر التصانیف بھی ہیں ہمیشہ خط و کتابت میں مشغول تھا۔ اور زندگی کے آخری حصہ میں اندھا ہو گیا تھا، اور ۳۱۱ھ میں رے میں انتقال کیا۔ (حوالہ بالا)

ابو محمد العدلی القاینی

اس حکیم کے حالات اور سنہ ولادت و وفات بالکل معلوم نہیں، اور کشف الظنون میں اس کی تصنیفات کا بھی ذکر نہیں لیکن وہ بہت بڑا ریاضی دان اور ادیب تھا، البتہ معقولات سے بالکل واقف نہ تھا، ریاضی کے متعلق اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے زیج بتانی کی تہذیب و اصلاح کی، محمد بن جابر ترانی بتانی بہت بڑا ریاضی داں تھا، اور اس نے ایک رصد خانہ قائم کیا تھا، اور اس پر بہت سا مال و دولت صرف کیا تھا، اس کے رصد خانے کی اہمیت کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ مامون کے رصد خانے کے بعد صرف اسی کے رصد خانے نے شہرت حاصل کی تھی، ابو محمد عدلی نے اسی کی زیج کی تہذیب و اصلاح کی تھی، اور اس تہذیب و اصلاح میں اس کا دارومدار زیج ارجانی پر تھا، بیہقی نے لکھا ہے کہ میں نے زیج اربانی کے بہت سے نسخے اس کے خطہ کے لکھے ہوئے پائے۔ اس کے علاوہ خود ریاضی کے متعلق اس نے متعدد کتابیں لکھیں۔ ایک تو زیج مرتب کی تھی، جو زیج عدلی

کے نام سے مشہور ہے، ایک کتاب مساحت میں اور ایک جبر ومقابلہ میں لکھی تھی۔ اس نے ریاضی دانوں کے جو درجے قائم کیے تھے اس میں اپنا نام تیسرے درجے پر رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ''نہ سفیدی کرنے والا عمارت کے بانی کے مثل ہے، نہ بانی انجینیر کے مثل ہے انجینیر تو بطلیموس ہے اور بانی بتانی، اور میرا درجہ سفیدی کرنے والوں کا ہے۔

حکیم ابوالوفاء بوزجانی

محمد نام اور سلسلہ نسب یہ ہے، محمد بن محمد بن یحی بن اسماعیل بن العباس، خراسان کے ایک شہر بوزجان میں جو ہرات اور نیشا پور کے درمیان واقع ہے، رمضان المبارک میں پیدا ہوا، اور ۳۴۸ھ میں جب کہ اس کا سن ۲۰ سال کا تھا، عراق میں آیا، اور قفطی کا بیان ہے کہ علم عدد اور ہندسہ کی تعلیم ابو یحی ماوردی اور ابوالعلا بن کرنیب سے حاصل کی لیکن ابن ندیم نے لکھا ہے کہ اس نے اپنے چچا ابوعمرو المغازلی اور اپنے ماموں ابوعبداللہ محمد بن عنبسہ سے تعلیم حاصل کی، اور اس کے چچا ابوعمرو نے ہندسہ کی تعلیم اابو یحی مادروی اور ابوعلاء کرنیب سے حاصل کی تھی۔

بہرحال وہ بوزجان سے عراق میں آکر برابر بغداد میں مقیم رہا، اور لوگ اس سے تعلیم استفادہ حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ رجب ۳۸۸ھ میں وفات پائی، حکیم ابوالوفاء بوزجانی کا یہ سن وفات قفطی نے لکھا ہے لیکن ابن خلکان نے زیادہ تحقیق کی ہے اور اس کا سنہ وفات ۳۷۶ھ بتایا ہے، چنانچہ لکھتا ہے کہ میں نے اس کا سنہ ولادت ابن ندیم کی کتاب الفہرست سے لکھا ہے لیکن اس نے اس کا سنہ وفات بیان نہیں کیا، اس لیے میں

نے اس کے تذکرے میں تاریخ ولادت تو لکھ دی لیکن تاریخ وفات کے لیے سادہ جگہ چھوڑ دی کیونکہ جیسا کہ میں نے

ابتدائے کتاب میں لکھا ہے میرا مقصد صرف تاریخ وفات کا بیان کرنا ہے۔اس کے بعد میں نے ۲۰ سال سے زائد مدت میں اس کی تاریخ وفات تاریخ ابن اثیر میں پائی جس نے اسی سنہ میں اس کی وفات لکھی ہے اور میں نے اسی سنہ وفات اس کے تذکرے میں شامل کر دیا۔

ابو القاسم علی بن الحسن العلوی المعروف بابن الاعلم

قفطی نے اخبار الحکماء میں اس کے باپ کا نام حسن لکھا ہے، لیکن مختصر الدول میں اس کے باپ کا نام حسین بتایا ہے وہ شریف النسب اور حضرت جعفر طیار کی اولاد میں تھا۔ بغداد میں پیدا ہوا اور وہیں نشونما پائی وہ علم ہیئت اور علم تسییر کا بہت بڑا ماہر تھا اور عضد الدولہ کے دربار میں اس کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔ چنانچہ عضد الدولہ فخر یہ کہا کرتا تھا کہ کواکب ثابتہ اور ان کے مقامات کے متعلق میرے علم عبد الرحمن صوفی اور زیج کے حل کرنے میں شریف، علم اور نحو میں ابو علی فارسی ہیں

۳۷۴ھ میں حج کو گیا، حج کر کے واپس ہوا تو ایک منزل میں جس کا نام عسیلہ تھا۔ ۸ محرم ۳۷۵ھ کو وفات پائی لیکن سال ولادت معلوم نہیں۔

لاؤزے

پیدائش: 570 قبل مسیح (اندازاً)

وفات:490 قبل مسیح (اندازاً)

ملک: چین۔

چینی فلسفی لاؤزے کو تاؤمت (Daoism) کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ وہ ہونان (ہینان) صوبے میں پیدا ہوا۔ روایت کی مطابق وہ شاہی دربار میں دستاویزات کو سنبھالنے کے کام پر مامور تھا۔ آٹھ سال کی عمر میں اس نے چین کی مغربی سرحد کا رخ کیا (موجودہ تبت) اور اس بات پر بہت دکھی اور مایوس ہوا کہ انسان فطری نیکی کی راہ پر چلنے کو تیار نہیں تھے۔ سرحد پر ایک گارڈ نے اس سے کہا کہ آگے جانے سے پہلے اپنی تعلیمات کو ریکارڈ کرے۔ تب اس نے (۵۰۰۰) حروف میں ''تاؤتے چنگ'' (راستہ اور اس کی طاقت) مرتب کی۔ حقیقت چاہے کچھ بھی ہو لیکن تاؤمت اور کنفیوشس مت کو تقریباً اڑھائی ہزار سال قبل کے چین میں زندگی کے سماجی، سیاسی اور فلسفیانہ حالات پر دو ممتاز ردعوامل کے طور پر ساتھ ساتھ رکھ کر دیکھنا پڑے گا۔ کنفیوشس مت کا تعلق زیادہ تر سماجی تعلقات معاشرتی رویے اور انسانی رہن سہن سے ہے جبکہ تاؤمت کی نوعیت زیادہ انفرادی و باطنی اور فطرت کے زیر اثر ہے۔

''راستہ اور اس کی طاقت'' 81 ابواب پر مشتمل ہے۔ ان ابواب کو دو حصوں تاؤ چنگ اور تے چنگ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ (1 تا 37 اور 38 تا 81)۔ اگرچہ ادبی نقاد صدیوں سے اسے ایک ہی مصنف کی تصنیف کے طور پر پڑھتے آئے ہیں، لیکن غور کرنے پر واضح ہو جاتا ہے کہ مختصر تمثیلات کا ایک مجموعہ ہے۔ بہرحال روایت کے مطابق لاؤزے ہی اس کا مصنف تھا۔ ''راستہ اور اس کی طاقت'' تعلیم دیتی ہے کہ انسان ''تاؤ'' (راستہ) کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے (''تاؤ'' دراصل چیزوں کی حقیقت ہے کیونکہ کوئی بھی نام اس کا احاطہ

نہیں کرتا۔ہم اسے ادراک میں نہیں لا سکتے ۔ جولوگ Wu Wei ہیں وہ اس کے ساتھ متحد ہو کر تاؤ حاصل کر سکتے ہیں ۔ Wu Wei کے تصور کا ترجمہ کرنا مشکل ہے ۔تاہم بالعموم اس کا ترجمہ غیر فعالیت (Nonaction) کے طور پر کیا جاتا ہے جو درست نہیں ۔ تاؤ مت غیر فعالیت کا فلسفہ نہیں ۔Wu wei کا مطلب ''فطری اقدام'' ''بے کوشش اقدام'' یا ''غیر ارادی فعل'' کے طور پر لینا چاہیے ۔اصل نکتہ یہ ہے کہ انسان کو حقیقت کے بہاؤ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔Wu wei کو ہماری زندگی کا انداز ہونا چاہیے کیونکہ تاؤ ہمیشہ مفید ہوتا ہے اور یہ کوئی گزنہیں پہنچاتا ۔آسمان کی راہ ہمیشہ نیکی کی حمایت کرتی ہے اور خیر کا منبع صرف تاؤ ہی ہے ۔تاؤ کو نیکی اور فائدے کا باعث بنانے والی وجوہ مبہم ہیں ۔حتی کہ رشی بھی اسے سمجھ نہیں سکتے لیکن دنیا روحانی قوت سے لبریز حقیقت ہے ۔تاؤ حقیقت میں ایک ایسا مقام رکھتا ہے جو گھر میں عبادت کے لیے مخصوص کردہ گوشے جیسا ہے ۔سوچنے پر زندگی کے وقوعے غیر منصفانہ معلوم ہوتے ہیں تو ہمیں یاد کرنا چاہیے کہ آسمان کا حال کچھ بھی نظر انداز اور ادھورا نہیں چھوڑتا۔

(فلسفیوں کا انسائیکلوپیڈیا)

ہیراکلیتس

پیدائش:540 قبل مسیح (اندازاً)

وفات:480 قبل مسیح (اندازاً)

ملک یونان

مادیت پسند اور جدلیاتی طریقہ کار اپنانے والا یونانی فلسفی ہیراکلیتس ایشیائے کوچک

میں ایک قدیم یونانی شہر ایفی سس میں پیدا ہوا (جواب ترکی میں ہے۔ یہ جگہ فلسفے کی جائے پیدائش ملیتس سے زیادہ دور نہ تھی۔ ہم ہیر کلیتس کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے ۔تمام قدیم سوانحات میں اس کے اقوال کی بنیاد پر ہی کچھ اندازے لگائے گئے۔ اگر چہ افلاطون کا خیال تھا کہ اس نے پار مینائیڈز سے پہلے لکھا، لیکن قرین قیاس ہے کہ اس نے پار مینائیڈز کے بعد لکھا ہو۔ کیونکہ وہ ان تمام اہم مفکرین اور اہل قلم پر فرداً فرداً تنقید کرتا ہے جن کے ساتھ وہ اختلاف رائے رکھتا ہے۔ اس نے کہیں بھی پار مینائیڈز کا ذکر نہیں کیا۔

دوسری طرف پار مینائیڈز نے اپنی نظم میں ہیر اکلیتس کے اقوال کی ہی بازگشت پیش کی ۔ ہیر اکلیتس نے اسطورہ نگاروں ہومر و ہسیاڈ کے علاوہ فلسفیوں میں فیثا غورث اور ژمینوفینز جبکہ مؤرخ ہیکاٹیئس کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہ سب افراد چھٹی صدی قبل مسیح یا اس سے بھی پہلے کے ہیں۔ لہذا ہیر اکلیتس کا دور چھٹی صدی قبل مسیح کے اواخر کا بنتا ہے۔ اگر چہ اس نے اپنے سیاسی خیالات کھل کر بیان نہیں کیے لیکن غالباً وہ عوام کے لیے ارسٹوکریٹک جذبہ تحقیر کا حامل اور چند دانا افراد کی حکومت کا حامی نظر آتا ہے۔

(فلسفیوں کا انسائیکلوپیڈیا)

انا کساغورث

پیدائش: 500 قبل مسیح

وفات: 428 قبل مسیح

ملک یونان۔

ایشیائے کوچک میں کلازومینے سے تعلق رکھنے والے یونانی فلسفی انا کساغورث نے

ماخذوں) Origins) کے فلسفہ میں nous (''ذہن'' یا ''استدلال'') کا نظریہ متعارف کروایا۔ ارسطو بتاتا ہے کہ وہ عمر میں اپنی ڈوکلینز سے بڑا تھا، لیکن اس نے مؤخر الذکر کے بعد لکھا۔ انا کساغورث کا تعلق ایک اشرافی گھرانے سے تھا، لیکن مکمل طور پر سائنس سے وابستگی کی خواہش میں اس نے اپنی جائیداد رشتہ داروں کے حوالے کر دی اور ایتھنز چلا گیا۔ وہاں اس نے پیریکلیز کے ساتھ قریبی تعلق میں زندگی گزاری۔ پیلو پونیشیائی جنگ چھڑنے سے کچھ ہی عرصہ پہلے پیریکلینز کے سیاسی مخالفین نے اسے نا پارسائی کے جرم کا مرتکب ٹھہرایا۔ نا پارسائی سے مراد ریاست کے تسلیم شدہ دیوتاؤں کو ماننے سے انکار تھا۔ (درحقیقت اس نے کہا تھا کہ سورج محض پیلو پونیشیا کے خطے جتنے سائز کا ایک روشن پتھر ہے اور چاند مٹی سے بنا ہے)۔

(فلسفیوں کا انسائیکلوپیڈیا)

ابن رشد

پیدائش: 1126 عیسوی

وفات: 1198 عیسوی

ملک: سپین

اسلامی روایات کو یونانی فکر کے ساتھ مدغم کرنے والا نہایت مؤثر فلسفی عبدالولید محمد ابن احمد ابن محمد ابن رشد مغرب میں " Averroes " کے نام سے جانا جاتا ہے۔ الموحد (الموہاد) خلیفہ ابو یعقوب یوسف کی درخواست پر اس نے ارسطو کی کتب اور افلاطون کی ''ری پبلک'' پر تفاسیر کا ایک سلسلہ شروع کیا جس نے کئی سو سال تک مسلمان اور یورپی دنیا پر

اپنے اثرات جاری رکھے۔اس نے ماہرین الٰہیات کے برخلاف عمل کرتے ہوئے مذہب کے فلسفیانہ کے دفاع میں ''فصل المقال''، ''کشف المناہج'' اور ''تہافۃ التہافہ'' نامی کتب لکھیں جو آج بھی پڑھی جاتی ہیں۔

ابن رشد کارڈوبا (قرطبہ) میں فقہاء کے ایک ممتاز خاندان میں پیدا ہوا اور الموہاد سلطنت کے شمالی افریقی دارالحکومت مراکیچ میں وفات پائی۔ روایتی مسلم علوم (بالخصوص تفسیر قرآن حدیث اور فقہ) میں دست رس حاصل کرنے کے بعد اس نے طب اور فلسفہ میں کمال حاصل کیا اور کارڈوبا کا قاضی القضاۃ تعینات ہوا۔(المواحدویوں کے عہد میں اس کا دادا بھی اس عہدے پر فائز رہ چکا تھا)۔1182ء میں وہ مراکش اور مسلم سپین کے خلیفہ ابویعقوب یوسف کا طبیب اعلیٰ مقرر ہوا۔ابن رشد کو 1195ء میں یوسف یعقوب المنصور نے یہ رائے رکھنے پر جلاوطنی کی سزا دی کہ ''فلسفہ مذہب پر اولیت رکھتا ہے۔'' تاہم المنصور کی وفات کے فوراً بعد وہ دوبارہ منظور نظر بن گیا۔

1169ء اور 1195ء کے درمیانی برسوں میں ابن رشد نے ارسطو کی بیشتر تحریروں کی تفسیروں کا سلسلہ لکھا۔ارسطو کی "Politica" دستیاب نہ ہو سکنے کے باعث اس نے افلاطون کی ''ری پلک'' کی شرح لکھی۔ابن رشد کی لکھی ہوئی تمام شرحیں ارسطو کی مکمل تصنیفات کے لاطینی ترجمے میں شامل ہیں اور اب عربی یا عبرانی زبان میں نہیں ملتیں۔

ابن رشد کی شرحوں نے آنے والی صدیوں کے دوران یہودیوں اور عیسائیوں پر کافی گہرا اثر ڈالا۔اس کی واضح اور دوررس سوچ نے ارسطو کی فکر مکمل طور پر پیش کرنے اور ساتھ ساتھ مفہوم کی وضاحت بھی دینے کے قابل بنایا۔اس نے قابل اور تنقیدی انداز میں کلاسیکی مفسرین ٹیمس تھیئس، الیگزانڈر اور فلسفیوں مثلاً الفارابی ابن سینا اور ابن باجہ

کواستعمال کیا۔

(فلسفیوں کاانسائیکلوپیڈیا)

امام غزالیؒ:

امام غزالیؒ اسلامی تاریخ کا وہ درخشاں ستارہ ہیں جس کی کرنیں چوتھی صدی ہجری کے وسط میں دنیائے اسلام میں نمودار ہوئیں۔

امام نے اپنے فکر انگیز نظریات کے سبب مسلم دنیا پر وہ گہرے نقوش چھوڑے ہیں جو آج بھی اسلامی فلسفہ، علم وحکمت، تصوف و روحانیت، معاشرتی اقدار اور اخلاقیات کی اصلاح کے لیے اساسی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام غزالی نے اپنے دور میں موجود علمی مکاتب کے نظریات کا بغور مطالعہ کیا اور ان کے نظریات کے ابطال اور اسلام کی جامعیت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ آپ یقیناً اپنے دور کے نابغہ روزگار اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔

آپ کا نام محمد، حجۃ الاسلام لقب، غزالی عرف ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے محمد بن محمد بن احمد۔ خراسان کے اضلاع میں ایک ضلع کا نام طوس ہے۔ اس میں دو شہر ہیں۔ طاہران اور طوفان۔ امام صاحب ۴۵۰ھ میں طاہران میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ رشتہ فروش تھے اور اس مناسبت سے ان کا خاندان غزالی کہلاتا تھا۔

امام صاحب کے والد اتفاق سے تعلیم سے محروم رہ گئے تھے۔ جب مرنے لگے تو انہوں نے امام صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی کو اپنے ایک دوست کے سپرد کیا اور کہا کہ مجھ کو نہایت افسوس ہے کہ میں لکھنے پڑھنے سے محروم رہ گیا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکوں کو تعلیم دلائی جائے تاکہ میری جہالت کا کفارہ ہو جائے۔ ان

کے مرنے پر اس پر اس بزرگ نے امام صاحب کو تعلیم دلانی شروع کی۔ چنانچہ ابتدائی مراحل طے کرائے۔ لیکن چند روز کے بعد تعلیم کا کوئی سامان نہ رہا، امام صاحب کے والد جو مصارف تعلیم کے لیے دے گئے تھے۔ وہ ختم ہو چکی۔ اس بزرگ نے امام صاحب سے کہا تمہارے والد کا سرمایہ ختم ہو چکا ہے اور میرے پاس کچھ مال ومتاع نہیں اس لیے تم دونوں بھائی کسی مدرسے میں داخل ہو جاو۔ چنانچہ امام صاحب نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔

امام صاحب نے فقہ کی کتابیں احمد بن محمد رافکانی سے پڑھیں۔ یہ بزرگ امام صاحب کے شہر میں مقیم تھے اور یہیں درس دیتے تھے۔ اس کے بعد جرجان کا قصد کیا اور امام بونصر اسمٰعیلی کی خدمت میں تحصیل شروع کی۔ اس زمانے میں درس کا یہ قاعدہ تھا کہ استاد جو تقریر کرتا تھا شاگرد اس کو قلمبند کرتے جاتے تھے اور نہایت محفوظ رکھتے تھے۔ ان یادداشتوں کو تعلیقات کہتے تھے چنانچہ امام صاحب نے بھی تعلیقات کا مجموعہ تیار کیا تھا۔ چند روز کے بعد وطن کو واپس آئے۔ اتفاق سے راہ میں ڈاکہ پڑا اور امام صاحب کے پاس جو سامان تھا، سب لٹ گیا۔ اس میں وہ تعلیقات بھی تھیں جو امام ابونصر نے لکھوائی تھیں۔ امام صاحب کو اس کے لیے نہایت صدمہ تھا۔ چنانچہ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس گئے اور کہا کہ "میں اپنے اسباب اور سامان میں صرف اس مجموعہ کو مانگتا ہوں کیونکہ میں نے انہی کے سننے اور یاد کرنے کے لیے یہ سفر کیا تھا۔ وہ ہنس پڑا اور کہا کہ تم نے خاک سیکھا جب کہ تمہاری یہ حالت ہے کہ ایک کاغذ نہ رہا تو تم کورے رہ گئے۔" یہ کہہ کر اس نے وہ کاغذ واپس دے دیئے۔ امام صاحب پر اس کے طعنہ آمیز فقرے کا اثر کیا۔ چنانچہ وطن پہنچ کر وہ یادداشتیں زبانی یاد کرنی شروع کیں یہاں تک کہ پورے تین برس صرف کر دیئے اور ان کے حافظ بن گئے۔

قرآن کی ضرورت کیوں ہے

(نوٹ: ''قرآن کی ضرورت کیوں ہے'' کے عنوان سے میرے دادا حضرت مولانا عبدالوہاب سریابیؒ نے ایک مستقل رسالہ ترتیب دیا تھا، جو غیر مطبوعہ ہے افادہ عام کے لئے اسی سے چند اقتباسات پیش خدمت ہے)

قدرت باری تعالی کے متعلق سوالات:

دنیا میں قدیم سے دو ہی عقیدہ و نظریہ کے لوگ بستے چلے آرہے ہیں:

اول: وہ لوگ جو وجود خدا اور مذہب کے قائل ہیں۔

دوم: وہ لوگ جو وجود خدا اور مذہب کے اصلاً قائل نہیں ہیں۔

یہاں روئے سخن بھی اہل مذاہب سے ہیں مدعا کو پہلے عام فہم کیلئے سوال و جواب سے پیش کی جاتی ہے اس کے بعد نمبر وار دلائل دیجاتی ہے۔

سوال ۱: کیا دنیا کو کوئی مالک پیدا کرنے والا ہے؟

سوال ۲: اگر ہے تو کیا اس دنیا کی موجودات سے اس پیدا کرنے والے مالک کو بہتر علم حاصل ہے یا کوئی بیگانہ کو؟

سوال ۳: اگر بیگانہ کو بھی حاصل ہوسکتا ہے تو کیا یہ ایک عام قاعدہ کلیہ ہے کہ بیگانہ بھی ملکۃ غیر کو بخوبی جان سکتا ہو؟ اگر سوائے مالک کے کوئی بیگانہ نہیں جان سکتا تو پھر اس موجودات عالم کے متعلق مالک کی بتائی ہوئی ہدایات کہاں ہیں؟

سوال ۴: پھر ان ہدایات کو پوری طریقہ سے جاننے کیلئے کونسی تعلیم کی ضرورت درپیش

ہوتی ہے؟

جوابات:

جواب سوال اول: اس دنیا کو ایک پیدا کرنے والا مالک ضرور ہے۔جیسا کہ ملت اسلام اور دیگر تمام اہل مذاہب کا یہی عقیدہ ہے سوائے دہریوں کے اگر دنیا بے مالک ہے تو کوئی دانش مند صرف ایک آباد خطہ دنیا میں بغیر مالک کے پیش کر کے دکھائیں۔

جواب سوال دوم: اور خود پیدا کرنے والا مالک اس موجودات عالم کا طریقہ کار کو بہتر جانتا ہے، اس لئے کہ اس موجودات کے تمام نیک و بد سے وہی مالک کامل علم بصیرت رکھتا ہے۔سوائے مالک کے اور کوئی بیگانہ کبھی نہیں جان سکتا اس لئے کہ اس کو علم نہیں جتنا کہ مالک کو علم ہے، یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے۔

اور وہ تمام ہدایات جو کہ اس موجودات عالم کے نظام کیلئے ضروری کافی ہیں، کتاب وسنت میں مضمر ہے نیز ہر دور میں جو طریقہ نظام ان دو ہی فرمودات کے مطابق بنایا گیا ہے تو وہ صحیح ہوا ہے وگرنہ غلط اور باعث نزول عذاب ثابت ہوا ہے تاریخ گواہ ہے۔

جواب سوال سوم: سوال دوم کے جواب میں ملاحظہ کرے۔

جواب سوال چہارم: ان ہدایات کے جاننے کیلئے عربی تعلیم کی ضرورت درپیش ہوتی ہے نہ کہ مغربی تعلیم کی۔

دلائل بر جوابات:

دلیل بر جواب نمبر ا:

یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں تغیر وتبدیل پیدا ہوتا ہے جس چیز میں تغیر وتبدیل ہوتا ہو وہ ایک طریقہ پر قائم نہ رہ سکتا ہو وہ مخلوق اور حادث ہے اس کو خالق اور صانع ضرور ہے یہی ہے عقیدہ تمام مذاہب کا جو وجود خدا کے قائل ہیں سوائے دہریوں کے۔

اسلام کا عقیدہ ونظریہ تو اس بارہ میں اظہر من الشّمس ہے محتاج حوالہ ہی نہیں باقی رہی دوسرے مذاہب تو ان کے حوالہ جات اقرار الوہیت کے متعلق ملاحظہ ہو:

عقیدہ عیسائی مذہب دربارہ اقرار الوہیت:

انجیل میں ہے کہ:

''خدائے کہ جہاں وآنچہ درآن آفرید چونکہ او مالک آسمان وزمین است در ہیکلہائے ساختہ شدہ بدستہا ساکن نمی باشد'' انجیل مقدس کہ از زبان اصلی یونانی ترجمہ شدہ است مطبوعہ دارالسلطنت لندن باب ۱۷ آیۃ ۲۴ صفحہ ۲۲۰)

جس خدا نے دنیا اور اس کے سب چیزوں کو پیدا کیا وہ آسمان اور زمین کا مالک ہوکر انسان کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا۔

عقیدہ سکھ مذہب دربارہ اقرار الوہیت:

کل پروان کتیب قرآن
پوتھی پنڈت رہے پوران
نانک ناؤں بھیا رحمن
کرکرتا تورا کوّ جان

(گورو گرنتھ صاحب راگ رام کلی محلہ صفحہ ۸۳۶)

اس زمانے کیلئے خدا نے قرآن ہی کو منظور کیا اور پوتھیان پنڈت اور پوران سب منسوخ ہو گئے جس میں ای نانک خدا کا نام رحمن ہے اور کرتا دھرتا وہی ایک ذات ہے۔

عقیدہ ہندو مذہب دربارہ اقرار الوہیت:

''احمد پتو پری میدہام حگرا ہم سوریہ اواحبنی'' (سام ویدک پر پاٹک ۲ دشتی ۶ منتر ۸)

احمد نے خدا سے پر حکمت شریعت حاصل کی میں سورج کی طرح روشن ہو رہا ہوں۔

''ایسے گوشت کا کھانا حرام ہے جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو'' (منود ہرم شاستر ادھیا ۵ سلوک ۳۶)

پہلے حوالہ میں اقرار الوہیت کے ساتھ نبی آخر الزماں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت بھی موجود ہے۔

عقیدہ یہودی مذہب دربارہ اقرار الوہیت:

توریت میں لکھا ہے:

''پھر قائم نہ ہوا کوئی نبی بنی اسرائیل میں موسیٰ کی مانند جس نے پہنچانا خدا کو دوبدو'' (توریت کتاب پنجم باب ۳۴)

عقیدہ پارسی مذہب دربارہ اقرار الوہیت:

پارسی مذہب جس کو آتش پرست یا مجوسی مذہب بھی کہتے ہیں ان کے مذہبی کتابیں ژند اور پہلوی دو زبان میں پائی جاتی ہیں اپنا مذہب کو وہ بھی آسمانی مانتے ہیں زرتشت کو خدا کا نبی تسلیم کرتے ہیں بہر حال وہ بھی وجود خدا کے منکر نہیں ہیں۔ (بحوالہ انسائیکلو پیڈیا

ص/۱۰۰)

(دلائل برجواب نمبر ۲،۳،۴)

ضرورت قانون: یہ ظاہر ہے کہ انسان اپنے بقاء میں ضروریات زندگی کیلئے محتاج ہیں اور ضروریات زندگی سوائے اشتراک دوسروں کے تعاون سے حاصل ہو ہی نہیں سکتے اور اشتراک وتعاون سوائے معاملات ومعاوضات کے کامل نہیں ہوسکتے جب اس بناء پر کہا جاتا ہے کہ انسانی مدنی الطبع ہے جب یہ معاوضات ومعاملات درمیان میں آگئے تو کبھی ان معاملات میں ایسے اختلاف وتنازع پیدا ہوجاتا ہے جس سے اختلافی امور دین اور دنیا واقع ہوجاتے اس لئے ان اختلافات کے تصفیہ کیلئے قانون کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ قانون صحیح اور مستحکم ہو موجودات عالم اپنے بقاء ونما کیلئے ایک مستحکم اور صحیح ضابطہ کی متقاضی ہے تاکہ اس ضابطہ کی ماتحت موجودات عالم کا نظام چلایا جاسکے۔ اور وہ نظام واقعات موجودات کے موافق بھی ہو تب مستحکم اور صحیح ہو اس نظام استوار کرنے کیلئے اگر فقط عقلی تجربہ اور مشاہدہ سے کام لیا جائے تو اول یہ نہایت محدود ہے، دوم یہ کہ اکثر غلطی واقع ہونے سے محفوظ نہیں۔ اس وجہ سے غیر یقینی ثابت ہوتے ہیں پھر ان کا مستفاد بھی ضرور مشکوک ہوا ہوگا۔ خصوصاً مجہول ومستنور امور میں تو وہ غلطی سے خالی ہی نہیں رہ سکتے۔

اور تاریخ کا سلسلہ نامکمل ہونے کے ساتھ ساتھ اتنا محفوظ اور قابل یقین نہیں جس سے کبھی کامل علم کا استفادہ ہوسکے اور اسی کے موجودات عالم کے باہم ضبط ونظم بنایا جاسکے۔ کتب ماضیہ منسوخ ہونے کے علاوہ ان کی تعلیمات تحریف وتغیر سے محفوظ نہ رہ سکے جن سے یقینی علم حاصل ہو۔

اب موجودات عالم کے کامل علم آوری کیلئے صرف تین طریقے باقی رہے بس، اوران تینوں کا ماخذ ایک ہی ہے۔

علماء عقائد کا بھی یہی تحقیق ہے کہ کہ اسباب علم صرف تین ہیں (۱) خبر صادق (۲) عقل (۳) حواس سلیمہ (شرح عقائد نسفی)

ف: عقل اور حواس سلیمہ اسباب علم تو ضرور ہیں مگر اکثر غلطی واقع ہونے سے مصئون نہیں ہیں اس لئے کہ عقول وحواس بحسب فطرۃ وامزجہ متفاوت ہوتے ہیں، نیز تو ہمات کا غلبہ عقل پر بہت ہوسکتا ہے تو معلوم ہوا کہ تنہا عقل آوری کیلئے کافی نہیں پھر حواس کا مدار بھی عقل تو ہے اب رہا صرف علم آوری کیلئے خبر صادق اور خبر صادق وہی ہوسکتا ہے جو واقع کے موافق ہو اور واقع کت موافق جبھی ہوسکتا ہے کہ ان موجودات عالم کی خبر کو موجد کی صنعت کے موافق دیا گیا ہو۔

(۱) ثبوت صانعیت و مالکیت: یعنی ہر چیز کا بنانے والا مالک کو اس کا بخوبی علم ہوسکتا ہے۔

(۲) سلسلہ تعلیم وصانع مالک: یعنی مالک اس کی تعلیم دوسرے کو دیا وہ تیسرے کو تیسرے چوتھے کو تا آخر۔

(۳) صانع و مالک کی ذاتی یادداشت کا مطالعہ:

بس موجودات عالم کے صحیح علم وکامل بصیرت اگر ہے تو صرف ان تین طریقوں سے مستفاد ہے۔ یہ اس لئے کہ اصل مالک کے علاوہ اور کوئی بیگانہ خواہ جتنا بھی عقلمند کیوں نہ ہو کوائف موجودات سے معلوم نہیں ہوسکتا جب تک کہ خود مالک نے اطلاع نہ دیا گیا ہو یا بصورت دیگر اس کا اطلاع خبر صادق کے ذریعہ سے کسی تک نہ پہنچتا ہو۔

یعنی ایک مخبر صادق یہ کہے کہ اس چیز کے متعلق مالک نے یوں کہا ہے تب اس چیز کے متعلق کامل بصیرت حاصل ہوسکتی ہے، بہر کیف خود مالک کا اطلاع دینا یا دستاویز مالک سے استفادہ کرنا یا خبر صادق کے ذریعہ سے اس مالک کا اطلاع کا پہنچ جانا کامل علم کا افادہ دے سکتا ہے۔

دلیل اول:

فرض کیجئے کہ ایک شخص خود اپنا ہاتھ کا بنایا ہوا ایک ناقص اور معیوب چیز کو ناقص جان کر عمداً فروخت کرنے میں کامیاب ہوجائے اس دوران اگر بالفرض لینے اور دینے والے کے درمیان تنازع واختلاف اس نقص اور عیب پر پیدا ہوتو آپ بتائیں کہ مجرم کون ہوسکتا ہے خود مالک یا خریدار عقل تو یہی کہتا کہ مالک مجرم ہے۔ اگر مالک یہ کہے کہ واقعی اس کو میں نے بنایا تو ہے اور اس میں یہ نقص واقعی ہوگا مگر اب اس ناقص چیز کو واپس نہیں لے سکتا اور نقصان کا تاوان بھی نہیں دے سکتا اس لئے کہ مجھے اس کا علم نہیں تھا ہے بلکہ اس نقص کا علم اس خریدار کو بہتر حاصل تھا۔ وہ اس کو ناقص جان کر خریدا ہے، دوسری جانب خریدار اس علم کا قطعاً انکار کرتا ہے، تو کیا کوئی منصف عدالت اس مالک کی بے خبری اور خریدار کی باخبری کو تسلیم کر کے مالک کو بری کرسکتا ہے۔

کیا مالک اپنے اس کہنے میں صادق قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیا منصف عدالت اس مظلوم خریدار کو اس تاوان سے نجات دلاسکتا ہے۔ اگر عدالت اس خریدار کو ضرور حق بجانب دیکھ کر بری کرے اور اس ناقص چیز کو واپس مالک کے سپرد کرے تو بتائے کہ عدالت کے پاس اس بارہ میں کیا حجت اور دلیل موجود ہے کہ اس دھوکہ دینے والے مالک کو ملزم قرار دے سکے۔

سوائے اس کے کہ اس مالک کو یہ سمجھائے کہ آپ چونکہ اس چیز کو خود بنایا ہے اور اس کے مالک ہیں اور یہ چیز کچھ مدت ضرور آپ کے سامنے رہا ہے اب کیسے آپ کو اس کا علم نہیں رہا ہے اس کے برعکس خریدار کو جو کہ نہ اس کا مالک رہا ہے اور نہ اس کو خود بنایا ہے نہ اس کے سامنے کچھ عرصہ رہا ہے، اس چیز کے متعلق کیونکر علم ہوسکتا ہے۔ لہذا آپ جھوٹے ہے آپ کا یہ تجاہل قبول نہیں آپ ملزم ہیں اس ناقص چیز کو واپس لیں گے یا بصورت دیگر اس نقص کا تاوان واپس دیں گے۔

اگر عدالت یہاں ثبوت مالکیت سے حصول علم کو تسلیم نہ کرے تو پھر اس دھوکہ دینے والے کو کونسی معقول حجت سے ملزم قرار دے سوائے جبر وتشدد کے۔ اگر عدالت بھی جبر وتشدد سے فقط فیصلہ کو منوانے کی کوشش کرے تو پھر وہ عدالت ہی نہ رہی بلکہ ہم اسے جبر وتشدد کے ایک مرکز کا نام دے سکتے ہیں، اور اگر عدالت جبر وتشدد سے کام نہ لے تو اس کے پاس اور کوئی حجت ہی نہیں جس سے اس دھوکہ دینے والے کو ملزم قرار دے۔

جب وہ عدالت میں قانوناً ملزم نہ ہوسکا تو لازماً اچھے اور برے کا امتیاز ہی ختم ہوتا جس کی بناء پر دھوکہ دینے والے اس عدالت قائم کرنے والے حکومت میں چاہے ناقص اشیاء فروخت کریں اور قیمت کامل چیز کی وصول کریں کسی کو بات کرنے کی مجال نہ ہوگا، تو آپ بتائیں یہ کہاں کا عدل ہے۔

یا تو بصورت دیگر دنیا میں فریب دینا ہی محال عقلی ہوسکتا ہے اس لئے کہ جو کوئی چیز کسی کو دھوکہ سے فروخت کرنا چاہے چونکہ اس چیز کے متعلق پہلے سے (بمطابق اس غلط کہنے کے اشیاء کو سوائے مالک کے اور بھی جانتے ہیں) اس خریدار کو باخبر تسلیم کیا گیا ہے تو پھر وہ خریدار دھوکہ میں کیسے آسکتا ہے حالانکہ ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ کوئی دھوکہ دینے والے

بھولے بھالے لوگوں کو فریب دیتے ہیں۔اس لئے فریب دینا بھی محال اور ناممکن نہیں بن سکتا تو خلاصہ کلام یہ نکلا کہ اس مالک کی بے خبری اور خریدار کی باخبری منصف عدالت میں نامقبول ہونا بھولے بھالے خریداروں کا فریب میں آجانا اور نقصان برداشت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ دوسرے بیگانوں کو حقائق موجودات کے کامل بصیرت حاصل نہیں ہوسکتا جتنا کہ خود مالک کو علم حاصل ہے۔

البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کچھ سرسری علم کسی نہ کسی وجہ سے حاصل ہوسکتا ہے مگر بحث صحیح علم وکامل بصیرت میں ہے سو وہ سوائے مالک کے کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔فہوالمرام

سلسلہ وشجرہ مالک وصانع سے علم حاصل ہوسکتا ہے:

کسی انجن کو فرض کیجئے اور دیکھئے کہ اس انجن کو تمام لوگ روزمرہ نہایت غور وفکر سے دیکھتے ہیں، کیا یہ دیکھنے والے فقط اس دیکھنے سے اس انجن کو چلا سکتے ہیں اور اس کی اندرونی نقائص کو وہ ماہر فن کی طرح جان سکتے ہیں، اس کے پرزوں کی محل اور موقع کو اپنے فقط غور وفکر سے پہچان سکتے ہیں یقیناً جواب نفی میں ہے امکان نہیں کہ کوئی اس جواب کو اثبات میں دے سکے۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ جتنا بھی عقل مند کیوں نہ ہو سرے سے اس انجن کے پرزوں کے نام تک بھی نہیں جان سکتے سوائے اس کے کہ اس بنانے والے سے تعلیم حاصل کریں، یا پھر اس بنانے والے کہ سلسلہ وشجرۂ تعلیم کے موافق اس انجن کی تعلیم کو کسی استاد سے حاصل کریں۔اور اس استاد کی تعلیم بھی اس بنانے والے کی ترکیب بناوٹ سے مخالف نہ ہوا ہو تبھی مقصد ہورا ہوگا۔ الغرض کہ اس بنانے والے کا شجرۂ تعلیم سے ہی علم حاصل ہوسکتا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ چونکہ میں نے اس انجن کو غور وفکر سے دیکھا ہے میں اس کو ضرور چلا بھی سکتا ہوں۔ یقیناً وہ اس میں کامیاب نہیں ہوگا اسی قانون کی بناء پر ڈرائیوری، انجینئری وغیرہ صنعتوں کیلئے ٹریننگ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھی یقینی امر ہے کہ ٹریننگ میں اس اصل ایجاد کرنے والے کی ترکیب وبناوٹ کے مخالف تعلیم دی جائے۔ اور پرزوں کو رد وبدل کیا جائے مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم مافوق کو تحت اور ماتحت کو فوق کریں یقیناً وہ تعلیم قابل عمل اور مفید نہ ہوگا اور اس سے کام نہیں چل سکے گا اس لئے کہ اصل ایجاد کرنے والے کی ترکیب وبناوٹ سے چونکہ مخالف ہے تو وہ پرزے اپنے اپنے مخصوص کام نہ دے سکیں گے یہی شجرۂ وسلسلہ تعلیم اس بنانے والے کا آخر تک اسی طرح سے چلے گا جس طرح ابتداء سے اس کو ایجاد کرنے والے نے اس کی تعلیم دی تھی۔

اگر ایجاد کرنے والے نے اس کی تعلیم دی تھی، اگر ایجاد کرنے والا مالک کے یا اس کے شجرۂ تعلیم کے بغیر کشف حقائق حاصل ہوسکتا تو پھر فقط دیکھنے سے کیوں انجینئری اور ڈرائیوری نہیں کی جاسکتی اور اس میں عملی سلسلہ تعلیم یعنی ٹریننگ کی کیا ضرورت تھی اس سے ثابت ہوا کہ سوائے ایجاد کرنے والے مالک کے کوئی اور بیگانہ حقائق اور کوائف موجودات سے باخبر نہیں ہوسکتا یا تو پھر اس کی شجرۂ تعلیم ہی سے یہ علم حاصل ہوسکتا ہے اور بس۔ فہوالمراد

سلسلہ تعلیم اور دستاویز سے علم حاصل کرنا:

ڈاکٹری کو فرض کیجئے اور غور وفکر کیجئے کہ جتنا اس دواؤں کے متعلق اور ان کے فائدہ اور نقصان کے متعلق اس بنانے والے اور ترکیب دینے والے ڈاکٹر کو علم حاصل ہوسکتا ہے کسی

دوسرے شخص کو قطعاً حاصل نہیں۔

اس قاعدہ کے رو سے تو جب بھی کسی ڈاکٹر کے دوا سے کوئی نقص اتفاقاً پیدا ہو جاتا ہے تو فی الوقت بعینہ اسی ڈاکٹر کے پاس دفع نقص کیلئے رجوع کرنا پڑتا ہے جس سے دوائی لیا گیا ہے۔ اگر چہ اسی ڈاکٹر معلوم سے کئی بہتر اور ڈاکٹر موجود کیوں نہ ہو۔

البتہ اگر وہ ڈاکٹر دفع نقص سے عاجز ہو کر جواب دے تو پھر بحالت مجبوری کسی اور ڈاکٹر سے مشورہ کرنا پڑتا ہے، مگر پہلے اس ڈاکٹر معلوم سے دریافت کرنے کا خیال ہر ایک انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے، یہ اس لئے کہ عقل کا تقاضہ یہی ہے کہ جس دوا کو جس ڈاکٹر سے ترکیب دی گئی ہے اس کے فائدہ اور نقصان سے بھی اس کو صحیح علم ہوگا، یا تو پھر ڈاکٹر کے متعلم یا متعلم کے متعلم کو یہ علم حاصل ہوگا۔

یا تو پھر اس ڈاکٹر کی مرتب کردہ فہرست ہدایات سے یا اس کے شاگرد کا مرتب کردہ فہرست ہدایات کے مطالعہ سے یہ علم حاصل ہوسکتا ہے اس قاعدہ کے رو سے اکثر دیکھا گیا ہے کہ اکثر دواؤں کے ہمراہ فہرست ہدایات خود اس ترکیب دینے والوں کی طرف سے شامل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی ڈاکٹر کی دوا سے کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے تو لامحالہ حاکم وقت اسی ڈاکٹر معلوم سے باز پرس کرنے کا مجاز رکھتا ہے نہ کسی اور ڈاکٹر سے اگر بالفرض یہ ڈاکٹر کہے کہ واقعی اس دوا کو میں نے بنایا ہے اور میں نے ترکیب دی ہے، مگر مجھے اس دوا کا فائدہ اور نقصان کا علم نہیں ہے بلکہ مجھ سے بہتر اس دوا لینے والا مریض کو اس کا فائدہ اور نقصان کا علم تھا۔ تو آپ غور کرے اس کا یہ کہنا کہا تک درست ہوگا۔

تو آپ ان ضروری امور سے یقین کریں گے کہ واقعی یہ قاعدہ ہے کہ سوائے بنانے والے یا اس کے شاگرد یا شاگرد کے شاگرد کے اطلاع دینے سے تا آخر سلسلہ تعلیم۔ یا

فہرست ہدایات موجد کے کبھی حقائق وکوائف اشیاء کے صحیح علم حاصل نہیں ہوسکتا خواہ جتنا بھی عقل مند کیوں نہ ہو، کسی عقل مند کے بس میں یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ اس قاعدے کے نقص کو پیش کر سکے۔

ثبوت ملکیۃ سے:

جائداد کو فرض کیجئے اور غور و تحقیق سے دیکھئے اس کے متعلق سوائے مالک کے کسی کو قطعاً صحیح علم حاصل نہیں، بعض حالات میں خود مالک کے سگے اولاد اور قریبی رشتہ داروں کو بھی اس جائداد کا خبر نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض بندگان خدا بغیر کسی اطلاع دہی اور تحریری وصیت کے وفات پاتے ہیں تو ان کا بہت سی مال ملکیۃ جن کا اولاد کو اور رشتہ داروں کو خبر نہیں ضائع اور معدوم ہوجاتے ہیں اس قاعدہ کے رو سے (کہ سوائے مالک کے کسی اور کو علم نہیں ہوسکتا) جب بھی کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہوجاتا ہے تو پھر وہ خود اپنے زبان سے اپنے اولاد اور دیگر رشتہ داروں کو اپنے جائداد کے متعلق صحیح خبر دیتا ہے یا تو بصورت دیگر اس جائداد کو وہ مفصل تحریر کرا کے پسماندگان کی علم آوری اور اختلاف سے نجات دلانے کیلئے چھوڑ دیتا ہے۔ تاکہ اس کے بعد اول تو کوئی جائداد لاپتہ نہ ہوسکے دوم یہ کہ پسماندان اس تحریر سے نزاع واختلاف کے وقت تصفیہ طلب کریں۔ اس بناء پر اگر اتفاقاً اس متوفی کے بعد کسی چیز یا کسی جائداد کے متعلق فی مابین پسماندان اختلاف پیدا ہو تو سب سے پہلے تصفیہ کیلئے خود اس مالک کی تحریر شدہ دستاویز کی مطالعہ سے حقیقت حال کی آگاہی حاصل کر کے اسی کے موافق حتی المقدور فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

اس لئے کہ وہ تصفیہ کرنے والے از خود یہ جانتے ہیں کہ جو چیز خود مالک نے اپنے

جائداد کے متعلق تحریر کیا ہے وہی صحیح اور قابل عمل ہو سکے گا۔ تو معلوم ہوا کہ اگر سوائے مالک کے کسی اور بیگانہ کو بھی کوائف وحقائق موجودات سے کامل آگاہی حاصل ہوسکتا تو کیوں اولاد اپنے باپ کی عام ملکیۃ وجائداد سے صحیح واقف نہیں ہوسکتا اور پھر کیوں اختلاف کے وقت اس دستاویز کو دیکھنے کی ضرورت پیش آجاتی اور کیوں بعض بندگان خدا کے مال بغیر اطلاع دہی سے فوت ہونے کی حالت میں ضائع ہوجاتے یہ سب امور بدہی ہیں جن سے انکار کرنا محال ہے، بلکہ ان سے انکار کرنا ہی نادانی ہے۔

الحاصل اس قیاس پر مکان کو فرض کیجئے مویشیوں کے ریوڑ کو پرکھئے بلکہ تمام اعیان عالم موجودات دنیا میں جہاں بھی آپ غور کریں تو ضرور آپ مالک کو باخبر اور بیگانہ کو بے خبر دیکھیں گے۔ پس ثابت ہوا کہ مالک کے سوائے کسی دوسرے بیگانہ کو قطعاً صحیح علم وکامل بصیرت حاصل نہیں ہوسکتی۔ صحیح علم وکامل آگاہی کا مدار اصل مالک ہے خواہ اپنے زبان سے اطلاع کرے خواہ اس کا یہ اعلام خبر صادق کے ذریعہ سے پہنچ جائے۔

بلاخوف وتردید یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جس کی انتقاض مشکل اور کسی ہوش مند کیلئے محال ہے بلکہ ہر شخص اپنے روزمرہ کے امور میں یہی قاعدہ کلیہ کو ملاحظہ کرتا ہے۔ اور حقیقت میں عقل کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ایک انجن کو کسی انجینئر نے ایجاد کیا ہے وہی اس انجن کو بہتر جانتا ہے اور اس کی کیفیت سے اطلاع دے سکتا ہے۔

کسی دوا کو کسی ڈاکٹر نے ترکیب دی ہے وہی اس کو اچھی طرح جان سکتا ہے، اس کا فائدہ اور نقصان سے بخوبی اطلاع دے سکتا ہے۔ اس کے متعلق فہرست ہدایات مرتب کرسکتا ہے۔

کسی جائداد کا مالک خالد ہے وہی اس کے متعلق کامل علم رکھ سکتا ہے۔

کسی مکان کو زید نے تعمیر کی ہے وہی اس کی کمیت اور کیفیت سے بہتر واقفیت رکھ سکتا ہے۔ یہ تو مجازی مالکیت وصانعیت کا حال ہے۔

پھر جب کی دنیا و مافیہا کو ایک مالک حقیقی خدائے برتر اپنے قدرت کاملہ سے عدم سے معرض وجود میں لایا ہے وہی ذات اس دنیا کے نیک و بد کے متعلق ہدایات دے سکتا ہے اور وہی ہدایات نظام عالم کیلئے یقیناً صحیح اور واقعات عالم کے موافق اور باعث نجات ہوں گے۔ وہی ہدایات رضاء مالک کے موافق ثابت ہوں گے اس لئے کہ اصل مالک کی بتائی ہوئی ہدایات ہیں۔ کتاب وسنت اور تاریخ شاہد ہیں کہ ان کے علاوہ جتنے بھی ہدایات وضوابط بیگانوں کے امم ماضیہ میں گزرے ہیں یا کہ موجودہ دور میں ہوں گے سب غلط اور واقعات عالم کے خلاف ہیں۔

موجودہ دور میں تمام ہدایات قرآن وحدیث کی تعلیمات میں مضمر ہیں:

پس حدیث نبوی چونکہ قرآنی تعلیمات کی تشریح کرتی ہیں اس لئے اسلامی اصول نے احادیث نبوی کو بھی وحی کا درجہ دیا ہے، احادیث نبوی کو وحی میں شمار کیا ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ تمام اہل مذاہب کا یہی دستور رہا ہے کہ وہ اپنے رہنماؤں کے اقوال کو بھی الہامیات سے کم خیال نہیں کئے ہیں۔

چنانچہ یہودیوں نے اپنی روایات کو جمع کر کے (مسنا) نام رکھا ہے اس روایات کو تورات سے زیادہ جانتے ہیں، اس رویات پر یہود کے علماء نے شرح لکھی ہیں جو کہ متن اور شرح کو (طالموت) کہتے ہیں۔ اب طالموت یروشلم اور طالموت بابل کے نام سے

موجود ہیں۔

نصاری اعمال حوارین کو اناجیل کے برابر جانتے ہیں اس لئے وہ سب روایات اعمال رسولان کے نام سے اناجیل کے ذیل میں شامل اور منسلک ہیں۔

مگر صرف بدقسمت مغرب زدہ اور دہری منش مسلمان کو اعمال رسولان سے چھڑ لگتا ہے۔

اب ان قیاسات ودلائل کے ذہن نشین ہوجانے کے بعد آپ کو ضرور یقین ہوگا کہ قرآنی نظام کے سوا دنیا کو چارہ ہی نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآنی تعلیمات کو جاننے کیلئے عربی تعلیم کی ضرورت ہے نہ کہ مغربی تعلیم کی۔ اس لئے کہ ایک زبان دانی ہر چند ماہر ہو دوسری زبان کو سوائے تعلیم سے قطعاً نہیں جان سکتا۔

یہ بھی یاد رہے کہ موجودہ اسکولوں کے پندرہ بیس منٹ کے تعلیم القرآن سے یا کالجوں کے عام طور پر عربی مضامین کے مشق کرنے کو قرآن دانی کیلئے کافی سمجھنا اور اس نمونہ کی عربی تعلیم سے قرآن کا معنی دانی کا دعوی کرنا سراسر غلطی ہے۔ ایسے تعلیم سے قرآن کے معانی میں قطعاً کامل عبور حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ بلکہ اس قرآن پاک کی تعلیمات کو جاننے کیلئے ایک خاص توجہ اور مصمم ارادہ کی ضرورت ہے تاکہ مسلمان اس قرآن کے حقوق سے عہدہ برا سکیں۔

فائدہ:

پہلے بیان کیا گیا ہے کہ اس دنیا میں قدیم سے دو ہی عقیدہ ونظریہ کے لوگ بستے چلے آرہے ہیں۔

ایک وہ گروہ جو کہ اس عالم محسوسات کے علاوہ ایک اور مجرد ذات اور لازوال ہستی کا معتقد اور قائل ہے حکماء متقدمین میں سقراط، افلاطون، ارسطو اور ان کے تمام متبعین اسی عقیدہ اور نظریہ کے معتقد گزرے ہیں اسی لئے ان کو متألّہین کہتے ہیں، اور ان متقدمین حکماء کے علاوہ دوسرے تمام مذاہب کا بھی یہی عقیدہ ہے۔

دوسرا وہ قوم جو کہ اس عالم محسوسات کے علاوہ اور کوئی مجرد ذات ولازوال ہستی کا اصلاً قائل نہیں ہیں۔ اور وہ اسی دنیاوی زندگی کے ماسوا کوئی اور زندگی کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

بعض قدیم یونانیوں کا بھی یہی نظریہ تھا مگر سب سے پہلے اس نظریہ کو اپیکورد یوجانس کلبی کے پیروی نے تقریبا چوتھی صدی قبل مسیح یونان میں فروغ دے کر اس کی باقاعدہ اشاعت کرنے لگے۔

وجہ تسمیہ کلبی: کلبی اس کو اس لئے کہتے ہے کہ ان کے عقیدہ میں روئے زمین کے تمام اشیاء مشترک تھے۔ اس بناء پر جب کسی دسترخوان کو دیکھتے خواہ مخواہ اس پر ٹوٹ پڑتے تھے، کیونکہ حیاء کا دور کرنا ان کے ہاں کمال تھا حتی کہ اکثر اوقات اصحاب دسترخوان ان نوخیز حکیموں سے تنگ آ کر پھر ان کو کتوں کے نام سے یاد کرتے تھے ان کی طرف ہڈیاں پھینک پھینک کر بھگاتے تھے اس لئے وہ کلبی مشہور ہوئے (ردنیچریت جمال الدین افغانی)

ان دہریوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا کی ہر ایک چیز میں ایک خاصیت اور طبیعت موجود ہوتی ہے اور ان خواص وطبائع کی بناء پر وہ تمام اشیاء نظام عالم میں چلتے ہیں اور اپنے اپنے مخصوص کام سرانجام دیتے ہیں، ان کی اس گردش طبعی سے دنیا کا نظام وابستہ ہے، اس کے

علاوہ اور کوئی فاعل وصانع دنیا کو نہیں ہے۔

جب ان سے دریافت کیا جائے کہ آخر ان اشیاء کو یہ مختلف طبائع اور خواص پھر کس نے دی ہے، اور ان میں یہ تغیر وتبدیلی کیوں ہے اور یہ استحالات ان میں کیوں رونما ہوتے ہیں؟ جواب ندارد اس عقیدہ کی بناء پر اس گروہ کو دھری کہتے ہیں۔

چونکہ یہ لوگ ہستی باری تعالی وحشر الاجساد وحیات اخروی سے انکار کر کے دنیا کو قدیم کہتے ہیں، اس لئے دھری کے نام سے موسوم ہیں۔

المنجد میں ہے کہ:

''الدھری: الملحد القائل ان العالم موجوداً ازلاً وابداً لاصانع له'' (المنجد ص/۲۲۷طبع بیروت)

دہری اس ملحد کو کہتے ہیں جو کہ اس عقیدے کا قائل ہیں کہ دنیا ازل سے ابد تک موجود ہے اس کو کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔

اس جماعت کو نیچری بھی کہتے ہیں نیچر انگریزی میں طبیعت کو کہتے ہیں، چونکہ یہ جماعت فقط طبعی اثرات سے بقاء دنیا کے قائل ہیں اور وجود خالق سے منکر ہیں اس لئے ان کو نیچری کہتے ہیں۔ نیز مادہ پرست کے نام سے بھی اسی گروہ کو تعبیر کرتے ہیں، اس اعتبار سے کہ وہ صرف مادیات کے قائل ہیں روحانیات سے منکر ہے۔

اس عقیدہ ونظریہ کو چونکہ خاص طور پر اپیکورو یوجانس کلبی یونان میں ترقی دے کر باقاعدہ اس کی اشاعت کی اس لئے اپیکورد ہری کے نام سے مشہور ہے۔

دیمقراطیس ایک یورپین ڈارون نامی انیسویں صدی میں بھی اس نظریہ کی شخصیت گزار ہے، بلکہ ڈارون کا تو کہنا ہے کہ انسان پہلے کیڑے مکوڑے تھا پھر بندر گیا اس کے بعد ترقی

کرتے کرتے انسان بنا۔

اکبرالہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

بولا منصور نے خدا ہوں میں
ڈارون بولا بورنا ہوں میں
سن کے کہنے لگے میرے ایک دوست
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

اس قریبی دور میں کمیونسٹ سوشلسٹ یعنی اشتراکیین واجتماعیین اس قدیم عقیدہ ونظریہ والوں کے جدید نام ہیں۔ جن کا قوت تخیل روس کا پیداوار ہے اگر چہ کمیونسٹ سوشلسٹ کی تعریفوں میں معمولی سی لفظی فرق ہے مگر عقیدہ کے اعتبار سے دونوں ایک ہی زنجیر کی کڑی ہے۔ یہ ازم قریبی دور میں جو کہ تمام ممالک میں پہنچی اور بدستور پہنچ رہی ہے مارکس اور لینن کے کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کمیونسٹ سوشلسٹ بھی اس قدیم نظریہ وعقیدہ کی اشاعت کرتے ہیں جو کہ اپیکورو یوجانس اور ڈارون ودیگر قدیم اہل یونان کا عقیدہ تھا، یعنی انکارالوہیت کمیونسٹ سوشلسٹ چونکہ موجودہ دور سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ان کے چند حوالہ جات قارئین کرام کیلئے دیا جاتا ہے۔ کہ نقل کفر کفر نباشد کمیونسٹ سوشلسٹ کے نزدیک:

''مذہب اور خدا سب سے زیادہ باعث تکلیف ہیں'' (معاذ اللہ)

موجودہ کمیونسٹ بھولے بھالے مسلمانوں کو تو دھوکہ سے یہ کہا کرتے ہیں کہ کمیونزم ایک اقتصادی اور سیاسی تحریک ہے جسے مذہب سے کوئی سروکار نہیں۔

لیکن مدعیان تحریک وپیشوایان کمیونسٹ وسوشلسٹ یعنی مارکس اور لینن کے نزدیک

سب سے پہلے مذہب کی بیخ کنی ضروری ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک دنیا میں غریب انسانوں پر جس قدر ظلم واستبداد کی قیامتیں ٹوٹ رہی ہیں سب خدا اور مذہب کے وجود سے ہیں ان مصائب کا استیصال اس وقت تک ناممکن ہے جب تک لوگوں سے خدا کے وجود کا ایمان مٹا نہ دیا جائے، اس لئے دنیا میں سب سے پہلے اور سب سے بڑا استبداد کا حامی خود خدا ہے۔

(Bolshevism by edmand candler بحوالہ انسائیکلو پیڈیا)

خود لینن خدا کے تصور کی ابتدا کی وجہ یوں بیان کرتے ہے:

''سرمایہ داری کی غیر مرئی قوتوں نے ذہن انسانی میں ایک ڈر کی صورت پیدا کر دی ہے، جس سے ایک حاکم اعلی کے تخیل کی بنیاد پڑی۔ اسے انسان نے خدا کے نام سے پکارنا شروع کر دیا، سو جب تک خدا کا تخیل ذہن انسان سے فنا نہ کر دیا جاوے یہ لعنت کسی طرح دور نہیں ہو سکتی''

Hammer and snd sickleby mark pat)

(rick

لینن مارکس کے حوالہ سے اپنے ایک مقالہ مطبوعہ منتھلی ماہ دسمبر ۱۹۲۶ء میں لکھتا ہے:

''مذہب لوگوں کیلئے افیون ہے اس لئے نظریہ مارکس کے رو سے دنیا کے تمام مذاہب اور کلیسا سرمایہ داری کے آلہ کار ہیں جن کے توسط سے مزدور جماعت کے حقوق کو پامال کیا جاتا ہے، اور انہیں فریب دیا جاتا ہے۔ لہذا مذہب کے خلاف جنگ کرنا ہر اشتر کی ضروری ہے۔ تا آنکہ دنیا سے مذہب کا وجود ہی مٹ جائے''

A.B.C of communism کے باب ۸۹ میں لکھا ہے:

''اشتراکیت کے نام لیواؤں کا اولین فرض ہے کہ مارکس کے اس قول کو کہ مذہب لوگوں کیلئے افیون ہے۔ تمام جماعتوں نے ذہن نشین کرائیں اور انہیں یقین دلائیں کہ ازمنہ گزشتہ میں کیا اور دور حاضرہ میں کیا متمرد اور سرکش انسانوں کے ہاتھ میں مذہب ہی ایک حربہ ہے جس کے ذریعہ دنیا میں عدم مساوات جماعتیں تفریق اور غصب واستبداد کو روا رکھا جاتا ہے اور جس کے نام سے مزدوروں کی جماعت سے سرمایہ داری کی دیوتا کی پوجا کرائی جاتی ہے''

یہ دشمنان تمدن خواہ قدیم دھری ہو خواہ موجودہ دور کے کمیونسٹ وسوشلسٹ ہو انسان کو وجود خدا اور مذہب سے بیگانہ کر کے اس کا جوہر عقل وہمت کو پست کر رہے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے کہ انسان بالکل بہائم کے سی بن جاتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ انسان ارتقا وبرتری صرف حیاء وغیرت سے حاصل ہوسکتا ہے اور حیاء وغیرت اقرار الوہیت وتسلیم مذہب کے ساتھ وابستہ ہیں۔ جب ہر ایک انسان اپنے مذہب کو خواہ واقعہ میں کچھ بھی ہو دوسرے مذاہب سے انسانی رشک کے جذبہ سے ضرور بہتر جانتا ہے اور اس رشک کی پیش نظر ہمیشہ اپنے ہم عصر اور ہمسروں سے مسابقت کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ ہر صورت میں دوسرے مذاہب والوں سے بہتر ثابت ہو سکے۔

تو جب یہاں اقرار الوہیت وتسلیم مذہب سرے سے مفقود ہے حیاء وغرت کیسے نصیب ہو جب حیاء وغیرت ہی نہیں تو اکتساب فضائل وکمالات انسانی کے شوق مسابقت کہا سے آئے گی۔ تو رفتہ رفتہ انسانی ہمت پست ہو کر بہائم کے سی بن جاتا ہے، یہ ایک نقصان اس عقیدہ کا۔

دوسرا یہ کہ دشمنان تمدن انسان کو روحانیت واخلاقیات وشرافت وحیاء سے محروم کر کے

اس کی قیمتی فکر کو صرف مادیات کی طرف متوجہ کرا دیتے ہیں۔

اس گروہ کا زاویہ نگاہ فقط دوامر پر ہوتا ہے: ایک معاشی مسئلہ دوم مادی ترقی آگے ان کا کوئی مقصد حیات وغایت جہد نہیں اس نظریہ میں اور بھی کئی نقائص موجود ہیں۔ مگر یہاں عدم گنجائش کی وجہ سے فروگذاشت کی جاتی ہیں۔

یقیناً اسلام کا سبق اور قرآن کی تعلیم ان تمام نظریات سے بالاتر ہے جس پر عمل کر کے انسان قعر مذلت سے نکل کر روحانیات واخلاقیات اور شرافت سے آراستہ ہوجاتا ہے اور تمام انسانی کمالات ومدادج کو طے کر کے دنیاوی کامیابی کے ساتھ ساتھ اخروی سرخروئی بھی حاصل کرسکتا ہے۔

اس دھریہ کی اشاعت اب یہی بدستور اکثر ممالک خصوصاً اسلامی مملکتوں میں ہوتا چلا جارہا ہے۔ بلکہ پہلے سے بھی اب اس کی اشاعت عروج پر ہے۔

یہاں تک کہ بڑے بڑے سلطنتوں کے خزانے واعلی افسر واکثر پریس وعام لیٹریچر اس نظریہ کی اشاعت کیلئے وقف ہیں۔ موجودہ دور میں نوبت تو یہاں تک پہنچی ہے کہ بعض معتبر مسلم مدیراں اور اسلامی جرائد اس نظریہ کو مختلف لباس پہنا کر مختلف رنگ میں نشر کئے جارہے ہیں۔ اس پر بھی بس نہیں بلکہ مسلم مدیراں اس نظریہ کو نہایت شدومد سے کتاب وسنت سے ثابت کرنے کی بھی انتھک کوشش کررہے ہیں۔ یاد رہے کہ موجودہ دور میں مذہب سے مذہب والوں سے خلاف جو بھی مضامین نظر آتے ہیں یا مذہب والوں سے نفرت پھیلانے کی آوازیں سننے میں آتے ہیں وہ سب یقیناً مارکس اور لینن کے نظریہ کی صدائے بازگشت ہیں۔

ان مساعی کا تمام تر غرض وغایت صرف یہی ہے کہ مذہب اسلام خود اپنے والوں سے

کسی نہ کسی وجہ سے بدنام ہوکر قابل عمل نہ ہو سکے۔ اسی غرض کے حصول کیلئے یہ لوگ سوچھ سمجھ سے مذہب اسلام کے ساتھ طرح طرح کے خود ساختہ اور من گھڑت الزامات وابستہ کر کے نہایت حقیرانہ رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ اور مذہب کو ارتقاء انسان وحصول کمالات کے منافی بتاتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ اگر مارکس اور لینن کے نظریہ کو پیش نظر رکھ کو غور سے دیکھا جائے تو موجودہ دور کے اکثر مغربی تعلیم یافتہ طبقہ مذہب کے لباس میں اشتراکیت کا رنگ لیتے ہوئے نظر آئیں گے، اس لئے اکثر مغربی تعلیم یافتہ طبقہ کے نزدیک اگر ایک بدنام وحقیر اور مطعون ترقی سے دور رکھنے والی چیز دنیا میں موجود ہے تو مذہب ہے اور وہ مذہب کو بدنام کرنے کیلئے ہر مجلس میں یہی کہتے ہیں کہ مذہبی جذبات ہی سے ہمیشہ اختلافات وتنازعات رونما ہوتے ہیں۔

ان کے زعم باطل میں دنیا میں اور کوئی چیز پر اختلافات پیدا نہیں، جتنا کہ مذہب پر ہوا ہے ان کے خیال میں اختلافات سے بچنے کا علاج فقط مذہب سے کنارہ کش رہنے اور مذہب کو بدنام کرنے میں حاصل ہوجاتا ہے۔

پھر تعجب یہ ہے کہ بھولے بھالے مسلمان بھی ان بے بنیاد الزامات پر باور کر کے ان ہاں میں ہاں ملاتے ہیں۔ ان سادہ مسلمانوں کو یہ خبر نہیں کہ مذہب سے صرف وہی عناصر اختلاف رکھتے ہیں جو کہ دھری اور کمیونسٹ عقیدہ رکھتے ہیں یا ان کے خیالات کو پسند کرتے ہیں، بس یہ اس لئے کہ مذہب سے تعصب کرنے کا نام کمیونزم ہے۔ مذہب کو حقیر یا مذہب والوں کو حقیر کہنے والا مارکس اور لینن کے نظریہ کے آئینہ دار ہے، ان کے علاوہ کبھی بھی آپ کو مذہب سے مخالف نظریہ وعقیدہ دنیا میں نہیں مل سکے گا جو مذہب مذہب کو برا

جانے۔

(ماخوذ: قرآن کی ضرورت کیوں ہے از مولانا عبدالوہاب سریابیؒ)

حضرت عیسیٰؑ بغیر باپ کے پیدا ہوئے (سائنسی تحقیق)

حضرت عیسیٰ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے:

'' ومریم ابنت عمران التي أحصنت فرجها فنفخنا فيه من روحنا '' (سورۃ التحریم ۲۶، آیت ۱۲)

ترجمہ: نیز عمران کی بیٹی مریم کو، مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں، جنہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی، تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔

''و التي احصنت فرجها فنفخنا فيها من روحنا و جعلناها و ابنها آية للعالمين '' (سورت الانبیاء ۲۱، آیت ۹۱)

ترجمہ: اور اس خاتون کو دیکھو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونکی، اور انہیں اور ان کے بیٹے کو دنیا جہان کے لوگوں کے لئے ایک نشانی بنادی۔

ان آیتوں میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے۔ پچھلے زمانے میں عیسائی حضرات کو بڑی پریشانی ہوئی کہ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کو کیسے پیدا کرے گا، اس لئے کچھ حضرات نے ان کا باپ منتخب کرلیا، اور کچھ لوگوں نے کہا یہ اللہ کا

بیٹا ہے۔

سائنسی تحقیق:

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اللہ کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں ہے۔

پہلی مثال:۔۔۔میں نے ایک مرتبہ گیہوں کے آٹے کا گوند بنایا، جو گوند بچ گیا اس کو ایک بوتل میں بند کر دیا، اور اوپر سے ڈھکن لگا دیا، اور ایک طاق پر رکھ دیا کہ کچھ دنوں کے بعد اس سے کتاب ساٹیں ایک مہینہ کے بعد اس بوتل کو کھولا تو بند بوتل میں بیشمار چھوٹے چھوٹے کیڑے ہو چکے تھے، گوند کو کاغذ پر انڈیلا تو اس پر کیڑے کیڑے ہی چل رہے تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ۔۔یہ بوتل پوری طرح بند ہے، اس میں کوئی کیڑا نہیں جا سکتا، تو یہ کئی سو کیڑے بغیر باپ کے، اور بغیر ماں پیدا کیسے ہوئے؟ جو خدا ان کیڑوں کو بغیر ماں کے، اور بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے، وہی خدا بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کر سکتا ہے۔

دوسری مثال:۔۔۔میں نے اونی سوٹر پلاسٹک کی تھیلی میں اچھی طرح بند کر کے صندوق میں رکھ دیا، چھ مہینے کے بعد پہننے کے لئے نکالا تو اس میں اونی کیڑا بھرا ہوا تھا، اور سارا سوٹر کھا چکا تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ۔۔ پلاسٹک کے بند تھیلے میں کوئی کیڑا نہیں جا سکتا، تو یہ کئی سو کیڑے بغیر باپ کے، اور بغیر ماں پیدا کیسے ہوئے؟ جو خدا ان کیڑوں کو بغیر ماں کے، اور بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے، وہی خدا بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کر سکتا ہے۔

تیسری مثال:۔۔۔ہم لوگ ہر سال کوٹھی میں چاول رکھتے ہیں، اور اس کو پوری طرح بند کر دیتے ہیں، لیکن چھ مہینے کے بعد کوٹھی کھولتے ہیں تو اس چاول میں کروڑوں کیڑے ہوتے ہیں، اور چاول کو کھا چکے ہوتے ہیں جو خدا ان کیڑوں کو بغیر ماں کے، اور بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے، وہی خدا بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کر سکتا ہے۔

آخر جس خدا نے باپ کے عضو تناسل میں منی پیدا کی، اور ایک قطرے منی میں کئی کڑوڑ انسانی کیٹرا پیدا کرتا ہے، اور اس کو بڑا کر کے انسان پیدا کرتا ہے وہ خدا بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ کیوں پیدا نہیں کر سکتا۔

اس لئے آیت میں جو کہا کہ میں نے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کیا ہے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، اور اس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کے لئے باپ تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس آیت پر ایمان رکھنا چاہئے۔

(سائنس اور قرآن از مولانا ثمیر الدین صاحب)

انسان کی پیدائش کے ۷ مراحل کو قرآن نے ذکر کیا تو سائنس داں حیران رہ گئے

انسان کی پیدائش پر ارشاد ربانی یہ ہے:

''ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ، ثم جعلناه نطفة في قرار مكين ، ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظم لحما ثم انشأناه خلقا آخر فتبارك

اللہ احسن الخالقین ۔ (سورت المومنون ۲۳ ، آیت ۱۴)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا، پھر ہم نے اس کو ٹپکی ہوئی بوند کی شکل میں ایک محفوظ جگہ پر رکھا، پھر ہم نے اس بوند کو جمے ہوئے خون کی شکل دے دی، پھر اس جمے ہوئے خون کو ایک لوتھڑا بنا دیا، پھر اس لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا، پھر اسے ایسی اٹھان دی کہ وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا، غرض بڑی شان ہے اللہ کی جو سارے کاریگروں سے بڑھ کر کاریگر ہے!

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سات مرحلے سے گزر کر آدمی انسان بنتا ہے، اور پھر جوان ہوتا ہے۔

پچھلے زمانے میں ان سات مراحل کی تحقیق نہیں تھی:

پچھلے زمانے میں یہ تحقیق نہیں تھی اس لئے لوگ سرسری طور پر اس آیت سے گزر جاتے تھے، لیکن آج جب خردبین کے ذریعہ، اور ایکسروں کے ذریعہ، بچے کے پیدا ہونے کے مرحلے کی تحقیق ہوئی تو سائنس داں اور ڈاکٹر حیران ہو گئے، کہ جو بات آج سے چودہ سو سال قرآن نے کہی تھی، آج چودہ سال کے بعد ہو بہو وہی بات ثابت ہوئی، جو قرآن نے کہا تھا، اس میں ایک حرف کے برابر بھی کمی بیشی نہیں ہوئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعی اللہ کی کتاب ہے۔

پیدائش کے سات مراحل کی سائنسی تحقیق:

یادداشت کے لئے پہلے پیدائش کے ان سات مراحل کو ذہن میں رکھیں۔

(۱) و لقد خلقنا الانسان من سلالة من طين۔

(۲) ثم جعلناہ نطفة في قرار مكين۔

(۳) ثم خلقنا النطفة علقة۔

(۴) فخلقنا العلقة مضغة۔

(۵) فخلقنا المضغة عظاما۔

(۶) فكسونا العظم لحما۔

(۷) ثم انشأناہ خلقا آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین۔(سورت المومنون ۲۳، آیت ۱۴)

پیدائش کا پہلا مرحلہ:

۔(۱) و لقد خلقنا الانسان من سلالة من طين۔

ترجمہ: ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے۔

مرد کی منی کھانے پینے سے پیدا ہوتی ہے، اور کھانا، اور غذا مٹی سے پیدا ہوتی ہے اس لئے اللہ نے فرمایا کہ میں نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا تھا، اور سب انسان حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے ہیں، اس لئے اللہ نے فرمایا کہ میں نے انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے، اور چونکہ منی کھانے سے بنتی ہے، اور کھانا مٹی سے بنتا ہے، اس لئے یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے کہ انسان کو مٹی کے خلاصے سے پیدا کیا ہے۔

سلالۃ: کا ترجمہ ہے کسی چیز کا خلاصہ کسی چیز کا نچوڑ۔

ابھی یہ تحقیق ہوئی ہے کہ منی کے ایک قطرے میں باریک باریک کئی لاکھ کیڑے

ہوتے ہیں ، یہ جومنی کے قطرے میں سفید سفید ذرات نظر آتے ہیں ، یہ سب باریک باریک کیڑے ہوتے ہیں ،اورانہیں میں سے ایک کیڑے سے پورا انسان پیدا ہوتا ہے، اور باقی سارے کیڑے ضائع ہوجاتے ہیں۔اللہ نے اس آیت میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جب سائنس کی تحقیق ہوئی کہ اتنے باریک کیڑے کو بڑھا کر،اور پال پال کر اللہ تعالی پانچ فٹ کے انسان کو پیدا کرتا ہے تو ڈاکٹر اس تحقیق پر حیران ہو گئے۔

پیدائش کا دوسرا مرحلہ:

(۲) ثم جعلناہ نطفة في قرار مكين۔

ترجمہ: پھر ہم نے اس کو ٹپکی ہوئی بوند کی شکل میں ایک محفوظ جگہ پر رکھا۔

جب مرد ہم بستری کرتا ہے تو منی کا کچھ قطرہ بچہ دانی (womb) میں داخل ہوتا ہے، اس قطرے میں لاکھوں کیڑے (sperm) ہوتے ہیں،ان تمام کیڑوں میں سے صرف ایک کیڑا کو موقع ملتا ہے کہ عورت کی جومنی ہوتی ہے،اس میں انڈا ہوتا ہے،اس انڈے میں گھس جائے ، اس میں گھسنے کے بعد جس طرح دانے کی جز نکلتی ہے اسی طرح اس کیڑے کی جز نکلتی ہے،اور وہ جز بچہ دانی کی دیوار کے ساتھ چپک جاتی ہے اس کو اردو میں ،نال،اور،انگریزی میں umbilical cord کہتے ہیں،اور اس سے خون چوسنا شروع کرتی ہے،اور اسی خون کے چوسنے سے یہ کیڑا بڑھنے لگتا ہے،اور انسان بن جاتا ہے۔

منی کا یہ ایک کیڑا بچہ دانی کی دیوار کے ساتھ چپکتا ہے،اسی کو قرآن نے

ثم جعلناہ نطفة في قرار مكين۔

کہا ہے، کہ اس کیڑے کو ایک محفوظ جگہ پر رکھا، اور وہاں سے وہ بڑھنا شروع کیا۔

منی کا یہ کیڑا اتنا باریک، اور اتنا نازک ہوتا ہے کہ عورت کے جسم ذرا سی گرمی تیز ہو جائے، یا ٹھنڈی زیادہ ہو جائے، یا خون کا دوران تیز ہو جائے، یا خون کا دوران سست ہو جائے تو یہ کیڑا فورا مر جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک عورت اٹھارہ سال کی عمر سے پینتیس ۳۵ سال کی عمر تک ہی بچہ پیدا کر سکتی ہے، اور اس سترہ سال میں چھ یا سات ہی بچہ پیدا کر سکتی ہے کبھی کبھار زیادہ ہو جائے اس کا اعتبار نہیں کیا ہے چونکہ یہ مرحلہ بہت نازک ہے اس لئے اللہ نے احسان جتلاتے ہوئے فرمایا کہ میں نے نطفہ کو ایک محفوظ جگہ پر رکھا ہے۔

ڈاکٹروں نے جب تحقیق کی کہ یہ کیڑا کس طرح بچہ دانی کی دیوار سے چپکتا ہے، اور پھر اس سے خون چوستا ہے، اور پھر بڑھنا شروع کرتا ہے تو وہ اس آیت پر حیران ہو گئے۔

پیدائش کا تیسرا مرحلہ:

(۳) ثم خلقنا النطفة علقة۔

ترجمہ: پھر ہم نے اس بوند کو جمے ہوئے خون کی شکل دے دی۔

یہ کیڑا جب بڑھتا ہے تو جمے ہوئے خون کی شکل میں نظر آتا ہے، اور چونکہ بچہ دانی کی دیوار کے ساتھ چپکا ہوتا ہے، اس لئے ایسا لگتا ہے کہ خون کا لوتھڑا دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا ہے۔

علقہ: کا معنی ہے لٹکا ہوا، چونکہ یہ کیرا بچہ دانی کی دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا ہوتا ہے، اس لئے قرآن نے اس کو علقہ، کہا ہے۔

پیدائش کا چوتھا مرحلہ:

(۴)فخلقنا العلقة مضغة۔

ترجمہ: پھر اس جمے ہوئے خون کو ایک لوتھڑا بنا دیا۔

کچھ ہفتوں کے بعد یہ جما ہوا خون گوشت کی شکل اختیار کرتا ہے، لیکن وہ گوشت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہیں کہیں سے کسی نے چبا دیا ہو، اسی لئے قرآن نے اس کو مضغہ کہا ہے، چبائی ہوئی چیز۔

اصل میں یہاں سے اب انسان کا ڈھانچہ بننا شروع ہوجاتا ہے، سر، دونوں ہاتھ، بیچ کا دھڑ، دونوں پاؤں کا حصہ اب بننا شروع ہوتا ہے جو جگہ جگہ سے چبائے ہوئے گوشت کی طرح معلوم ہوتا ہے۔

پیدائش کا پانچواں مرحلہ:

(۵) فخلقنا المضغة عظاما۔

ترجمہ: پھر اس لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کر دیا۔

عظام کا معنی ہے ہڈی۔تقریبا چار ماہ کے بعد یہ چبایا ہوا گوشت کی طرح، جو مضغہ، بنا ہوا تھا، اس کے اندر ہڈیاں بنا شروع ہوتی ہیں، جس کو قرآن نے کہا ہے کہ میں نے گوشت کے لوتھڑے کو اب ہڈیوں میں تبدیل کرنا شروع کر دیا ہے اصل میں اس پانچو میں مرحلے میں، اب ہڈیاں، سر، آنکھیں، دل، گردہ، پھیپھڑا ہاتھ اور پاؤں واضح طور پر بننا شروع ہو جاتا ہے، اور خردبین سے دیکھیں تو تھوڑا تھوڑا نظر بھی آتا ہے۔

پیدائش کا چھٹا مرحلہ:

(۲) فکسونا العظم لحا۔

ترجمہ:، پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا۔

لحم کا ترجمہ ہے گوشت۔۔اس چھٹے مرحلے میں ہڈیوں پر گوشت چڑھتا ہے، اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ پورے جسم کی ہڈی بن چکی ہے، اور کافی حد تک گوشت بھی بن چکا ہے لیکن مزید گوشت بنایا جارہا ہے، اور ہر عضو کو مکمل کرنے کے مرحلے میں ہے، اس مرحلے میں خردبین سے دیکھیں گے تو تمام اعضا مکمل نظر آئیں گے۔

پیدائش کا ساتواں مرحلہ:

(۷) ثم انشأناہ خلقا آخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ۔ (سورت المومنون ۲۳ ، آیت ۱۴)

ترجمہ:، پھر اسے ایسی اٹھان دی کہ وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا، غرض بڑی شان ہے اللہ کی جو سارے کاریگروں سے بڑھ کر کاریگر ہے!

اس مرحلے میں بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے، اور ایک مکمل انسان بن جاتا ہے اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ شروع میں میرا ایک باریک سا سفید کیڑا تھا، اور اب وہ ایک انسان بن کر کھڑا ہو گیا ہے، یہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔۔اگر کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ پہلے بہت باریک سا سفید کیڑا تھا، جو خردبین سے بھی نظر نہیں آرہا تھا، اور اب وہ انسان بن گیا تو اس کو یقین نہیں آئے گا کہ اتنی بڑی تبدیلی کیسے آ گئی، اور یہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔

اللہ احسان جتلاتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ میں نے تخلیق کی ہے، اس لئے میرا شکریہ ادا کرنا چاہئے، اور مجھ پر ایمان رکھنا چاہئے۔

ڈاکٹر نے جب ان سات مراحل کی تحقیق کی تو وہ حیران ہو گئے، کہ قرآن نے جن جن

سات مراحل کا تذکرہ کیا ہے، واقعی وہ حرف بحرف صحیح ہیں، اور واقعی یہ اللہ کی کتاب ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

(سائنس اور قرآن از مولانا ثمیر الدین صاحب)

سور کا گوشت واقعی حرام ہونا چاہئے (سائنسی تحقیق)

سور کا گوشت حرام ہے اس کے لئے یہ آیتیں ہیں۔

حرمت علیکم المیتة والدم و لحم الخنزیر ۔ (سورت المائدۃ ۵، آیت ۳)

ترجمہ: تم پر مردار جانور، اور خون اور سور کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے۔

۔انما حرم علیکم المیتة و الدم و لحم الخنزیر ۔ (سورت النحل ۱۶، آیت ۱۱۵)

ترجمہ: اس نے تو تمہارے لئے بس مردار، خون، سور کا گوشت ۔۔حرام کیا۔

ایک زمانے تک یہ تجسس رہا کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ پاک نے سور کا گوشت حرام کیا ہے آج کی سائنسی تحقیقات نے اس کو بڑے اچھے انداز میں یہ ثابت کیا کہ اللہ نے آخر کیوں سور کا گوشت حرام کیا ہے

سائنسی تحقیق:

سور کے گوشت کھانے میں یہ نقصانات ہیں:

[۱] ۔۔سور بہت کچھ کھاتا ہے لیکن اس کی اصل غذا، جس کو وہ شوق سے کھاتا ہے، انسان کا پیخانہ ہے، یہ جب کمرے سے نکلتا ہے تو تمام کھیتوں میں صرف انسان کا پیخانہ

تلاش کرتا رہتا ہے، اور اسی کو کھاتا ہے، یہ اتنا گندہ جانور ہے، اس طرح گندہ جانور کوئی اور نہیں ہے، جس کی مرغوب غذا انسان کا پیخانہ ہو۔

[۲]۔۔اس کو سب سے زیادہ یہ اچھا لگتا ہے کہ انسان کے پیچانے کا کیچڑ ہو جس سے بے پناہ بدبو آرہی ہو اس میں گھنٹوں تک بیٹھنا اس کو اچھا لگتا ہے، اور اس میں رہنا پسند کرتا ہے، میں نے یہ خود دیکھا ہے۔

[۳]۔۔۔اس کا نر ایک مرتبہ کسی نر کے پیخانہ کے راستے میں اپنا خاص عضو ڈال دے تو پورا گھنٹہ بھر اس میں ڈالے رکھتا ہے، اور دونوں مزا لیتے رہتے ہیں، جس کے اندر ڈالا وہ بھی ہٹنے کا نام نہیں لیتا، دوسرے جانور میں یہ ہے کہ جس کے اندر ڈالا وہ جلدی سے جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے، لیکن یہ جانور اتنا غلیظ ہے کہ جس کے اندر ڈالا وہ بھی گھنٹوں کھڑا رہتا ہے، گویا کہ یہ جانور لواطت کا عادی ہے۔

سور کے گوشت کھانے کا یہ اثر ہوا کہ پورا معاشرہ گندہ اور بے حیا ہو گیا

یورپ میں سور کا گوشت بہت کھایا جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ گندے ہو گئے، کوئی بھی آدمی پیخانہ کرنے کے بعد پانی سے نہیں دھوتا، صرف ٹیشو پیپر سے پونچھ لیتا ہے، بلکہ پیخانہ گھر میں پانی کا کوئی نظام ہی نہیں ہوتا ہے صرف ٹیشو پیپر سے پونچھنے کا نظام ہوتا ہے، یہ اتنے گندے ہوتے ہیں، صرف ایک یا دو دن میں نہا لیتے ہیں اور سور کا گوشت کھا کر بے حیا اتنے ہو گئے ہیں کہ لواطت کا کام عام ہے، عورتیں بھی لواطت کرواتی ہیں، اور اب تو مرد مرد سے شادی کا رواج عام ہو رہا ہے، بلکہ اس کو قانونی حیثیت دے دی گئی ہے۔

محققین کا کہنا ہے کہ یہ سب سور کے گوشت کھانے کا اثر پڑا ہے، کیونکہ غذا کا اثر آدمی کے اخلاق پر بہت پڑتا ہے اور اسی لئے اللہ نے سختی سے سور کے گوشت کھانے کو منع فرمایا ہے۔

[۴]۔۔انٹرنیٹ پر ہے کہ سور کے گوشت کو کھانے سے یہ 5 بیماریاں ہوتی ہیں

[trichinosis] یہ بیماری خاص طور پر سور کے گوشت کو کھانے والوں کو ہوتی ہے اس کے علاوہ یہ بیماریاں بھی ہوتی ہیں۔

[2]enterococcus[3]staph[4]salmonella[5]listeria

یہ پانچ قسم کی بیماریاں ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے خود سائنس داں کہتے ہیں کہ سور کا گوشت ہرگز نہیں کھانا چاہئے، سور کے گوشت میں زہریلا کیٹرا بھی ہوتا ہے۔

(سائنس اور قرآن از مولانا ثمیر الدین صاحب)

مسیحی عقائد میں فلسفہ کی آمیزش

امتزاج مغرب میں:

مجوسی ایرانیوں اور بت پرست رومیوں کے درمیان ہونے والی جنگوں میں رومی بادشاہوں کا یہ واضح رویہ سامنے آیا کہ وہ ایرانیوں سے ممتاز ہونے کے لئے وہ بھی ایک قومی مذہب اپنائیں، اسی موقع پر رومی حکومت کے سامنے صرف مسیحی مذہب ہی تھا جس کے خلات روی حکمران برسوں صف آرا ہے، چنانچہ رومی حکام سیاسی مصلحت کے تحت

عیسائی بن گئے اور اس طرح مسیحیوں پر دینی مظالم ختم ہو گئے، اور قسطنطین کا عہد مسیحیوں کے لئے عہد سعادت بن گیا۔

اس منزل کے بعد مسیحیت نے چند نئے قدم اٹھائے وہ یہ کہ روم کی بت پرست اور فلسفیانہ تہذیب کے ساتھ فکری طور پر مزاحم اور معرکہ آرا ہوگئی جس کے بارے میں فندلند لکھتا ہے کہ:

''فلسفہ نے دینی خیالات کی تہذیب وترتیب اور تزئین کی خاطر یونانی علوم سے کام لیا تا کہ وہ بے چین دینی شعور کے سامنے دنیا کے بارے میں ایک قابل قبول نظریہ رکھ سکے چنانچہ اس طرح ماوراء طبعیات پر مشتمل چند دینی نظام سامنے آگئے جو دوسرے نظاموں سے کسی حد تک متفق تھے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیحیت کے شکل پذیر ہونے سے پہلے رومی حکومت میں تین مذہب تھے:

۱۔حکومت کا سرکاری مذیب یعنی بت پرستی۔

۲۔یہود کا قومی مذہب یہودیت جس میں حکومت دخل انداز نہیں ہوتی تھی۔

۳۔حضرت عیسی کا مذہب جس کے خلات رومی سلطنت اور یہودی تھے اور جو روم کا مذہب بن گیا۔

دینی مظالم کے دوران یہ دو مختلف رجحانات سامنے آئے کہ کچھ مسیحی رومی بت پرستی میں داخل ہو گئے لیکن ان کے دل ودماغ اور ان کی ہمدردیاں مسیحیت ہی کے ساتھ رہیں، دوسرا یہ کہ رومی بت پرست عہد مظالم کے بعد مسیحیت میں داخل ہوئے لیکن وہ بھی اپنی بت پرستی کو بھلا نہیں سکے۔

اس کے ساتھ اسے بھی پیش نظر رکھئے کہ روما کے اجتماعی حالات لوگوں میں مسیحیت کے گہرے طور پر اثر انداز ہونے کے خلاف تھے، رومی سلطنت بھی گہرے طبقاتی فرق وامتیاز کا شکار تھی، چنانچہ جہاں ہم خوش حالی اور فارغ البالی دیکھتے ہیں، وہ حاکم طبقہ کا حصہ ہے اور اس کے برعکس عوام بھوکے اور دانہ دانہ کے محتاج نظر آتے ہیں۔۔ان حالات ہیں ان عوام کے لئے مذہب ہی ایک سہارا بن سکتا تھا لیکن وہ بھی مرور ایام بھوک سرمایہ داری حکومت کے ظلم اور مذہبی لوگوں کی ریاکاری کی وجہ سے بہت کمزور پڑ گیا تھا۔اس لئے کہ معاشی بدحالی دل ودماغ کو بیکار اور عقائد کو متزلزل کر دیتی ہے، خاص طور ضعف الایمان لوگ اور غلط عقائد کی پیروی کرنے والے جن کے ایمان کی کوئی صحیح بنیاد نہیں ہوتی معاشرتی ظلم حکومت کی بدنظمی اور بددینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اسی سبب سے روما میں دینی سرگرمیاں ٹھنڈی پڑ گئی تھیں، اور دلوں کی دنیا میں بھی ان کا کوئی مقام نہیں رہ گیا تھا، فلاسفہ نے اس خلا کو بھرنا چاہا اور وجدانی ارتقاء اور عقلی تربیت کے ذریعہ جذبات میں پاکیزگی اور رفعت پیدا کرنی چاہی تاکہ فکر کی لذت میں لوگ جسم کے مطالبات بھول جائیں اور فلسفے غور وفکر صوفیانہ مراقبہ واستغراق کی جگہ لے لے، اس طرح دین وفلسفہ کا ایک مرکب تیار ہو گیا، اور دینی شعور فلسفیانہ مذاق سے قریب آیا یا یہ کہئے احساسات جو بحیثیت انسان کے انسان کی فطرت میں داخل ہیں، وہ فلسفہ سے مسحور ہو گئے۔

اس امتزاج کے نتیجہ میں رومی بت پرستی اور عیسائیت وغیرہ میں ایک ہم آہنگی اور یکساں رسم ورواج پیدا ہو گئے، اور مسیحیت، فلسفہ مشرکانہ: اطوار وغیرہ کا مجوعہ بن گئی اور رومی رعایا میں یہود، مسیحی اور بت پرستی بھی تھے، اس لئے ان کی ایک مشترکہ تہذیب بھی

بن گئی، اور اس طرح مذہب نما فلسفہ یا فلسفہ نما مذہب نے وہاں کی حیاتیاتی اونفسیاتی فضا کو اپنے لئے ہموار اور ہم آہنگ پایا اور وہ مسیحیت جو فلسفہ اور شرک سے مل چکی تھی یا مسیحیت وثنیت نے فلسفے کا جو رنگ اپنا لیا تھا، اسے آپ جو نام بھی چاہیں دیں لیں اس لئے کہ یہ ایک ایسا دین تھا جو مجموعہ اضداد کہا جاسکتا تھا، اور جس میں فلسفہ کو ''شریک غالب'' کی حیثیت حاصل تھی، اسی سبب سے بعد میں دینی افکار مسیحی کلیسا کے ماتحت اسی رنگ میں رنگتے چلے گئے اور مفسرین وقانون سازوں نے انجیل کی شرح وتفسیر میں یہی فکری رنگف اختیار کیا۔

امتزاج، مشرق میں:

اسکندریہ کا مکتبہ فکر وفلسفہ اپنے عہد میں بحر ابیض متوسط کے جنوبی کنارے پر گویا انسانی علم وحکمت کا منارہ تھا جہاں سے دنیا مر علم وفلسفہ کی شعاعیں پہنچ رہی تھیں، یہ قدیم تہذیبی تاریخ کی ایک مسلم حقیقت ہے میں سے کسی کو انکار نہیں اسکندریہ کی علمی سرگرمیوں میں یونانی اساتذہ کی وہاں آمد سے اور جان پڑ گئی۔

دبستان اسکندریہ کا مشہور معلم اس وقت اینوس (م ۲۴۲) تھا جس نے عیسائیت قبول کرنے کے بعد پھر رومی بت پرستی اختیار کر لی۔

اس کے بعد افلوطینس ۔۔۔۔۔۔(م ۲۷۰) اس کا جانشین ہوا جس نے اسکندر میں تعلیم پانے کے بعد ایران اور ہندوستان کا بھی سفر کیا اور ہندوستانی یوگا کا علم حاصل کیا تھا، اسی کے ساتھ بدھ ازم اور برہمن واد سے بھی واقف ہو گیا تھا، اور وہ اسکندریہ لوٹا ہے، تو اس کی جھولی میں رنگ برنگ کے ثقافتی نمونے تھے چنانچہ وہ ان مختلف افکار کو پڑھاتا بھی تھا،

اس کی تعلیمات تین بنیادوں پر قائم تھیں:۔

(۱) کائنات کی تخلیق خالق اول وازلی سے ہوئی ہے جس کا احاطہ فکر انسانی نہیں کرسکتی۔

۲۔تمام ارواح ایک ہی روح کی شاخیں ہیں جو خالق ازلی سے عقل کے واسطے سے متصل بھی ہے اور اسی سے نکلی بھی ہے۔

(۳) دنیا اپنے وجود تکوین وتشکیل اور حرکت میں خالق اول وازلی اس سے نکلی ہوئی عقل اور روح اعظم (جو تمام ارواح کا سرچشمہ ہے) کی محتاج ہے۔

افلوطین اپنے نظریہ تثلیث کی شرح اس طرح کرتا ہے۔

۱۔خالق اول س عقل صادر ہوئی، اور اس کا صدور ولادت کی طرح نہیں بلکا ظہور کا انداز رکھتا ہے۔

۲۔عقل سے وہ روح نکلی جو وحدت اور تمام ارواح کی اساس ہے۔

۳۔اور یہ تینوں خالق اول، عقل اور روح۔۔۔۔عالم کی تکوین وتشکیل کی اساس ہیں۔

ان تحقیقات کی بنیاد وہ معلومات تھیں جو افلوطین کو ہندوایران سے حاصل ہوئی تھیں، اور جن کے لئے اسکندریہ کی نوافلاطونیت تیسری صدی عیسوی کے نصف آخر (۲۷۰ء) میں ممتاز تھی، اور مسیحی تثلیث کا عقیدہ نیقیہ کی کونسل (Nice E) یعنی چوتھی صدی عیسوی کے تیسرے دہے (۳۲۵ء) سے پہلے عام نہیں ہوا تھا، اس طرح مسیحت اور اس کے اقانیم ثلاثہ نوافلاطونیت (PLATONISM-NEO) ہی کا انعکاس ہیں۔

دوسری طرف یورپ کے متعدد فلسفی مسیح کے وجود ہی میں شک کرتے ہیں اور ان کی شخصیت کو نوافلاطونیت کی ایک علامتی شخصیت قرار دیتے ہیں جس سے اس فلسفہ پر دینی

رنگ چڑھا دیا گیا تا کہ وہ عوام الناس کے لئے قابل قبول ہو جائے۔

لیکن یہ ایک فلسفیانہ مفروضہ ہے جس کی اسلام کسی طرح تائید نہیں کرسکتا اس لئے کہ قرآن میں یہ صراحت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اللہ کے نبی ورسول اور اس کا کلمہ ہیں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''ان مثل عیسی عنداللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون'' (سورۃ آل عمران ۵۹)

عیسی کی مثال اللہ کی نزدیک آدم کی طرح ہے جسے اللہ نے مٹی سے بنایا اور کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔

''اذ قالت الملائکۃ یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسی بن مریم وجیھا فی الدنیا والآخرۃ ومن المقربین'' (آل عمران ۔۴۵)

جب ملائکہ نے کہا اے مریم اللہ تمہیں اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام مسیح بن عیسی مریم ہوگا وہ دنیا اور آخرت میں آبرومند اور اللہ کے مقربین میں سے ہوگا۔

اس طرح مسیحی تثلیث ان فلسفیانہ بحثوں کی پیداوار معلوم ہوتی ہے جو رومی معاشرہ میں عام تھیں اس کے ساتھ ہی مسیحیت میں وہ مشرقی افکار بھی داخل ہو گئے جنہیں انسانی ثقافتوں سے نوافلاطونیت نے درآمد کیا تھا، اور ان سب چیزوں نے مسیحیت کے مرکز کی شکل اختیار کر لی اور روما کی مخلوط ثقافتی فضا نے ایسا کرنے میں بڑی مدد کی جس کی وجہ سے مسیحیت کو بحیثیت ایک ممتاز فکر یا یک متحرک نظام عمل کے اپنے وجود کے اثبات کا کوئی موقع نہ مل سکا۔

مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قاری میرے بیانات کو ادعانہ سمجھ لے حالانک میری کوشش شروع سے مسائل کو جوں کا توں رکھنے کی رہی ہے، اب میں یہاں کہنا چاہتا ہوں کہ تثلیث کا عقیدہ ایک فلسفیانہ نظریہ ہے کہ کوئی دینی مسئلہ اگرچہ اصحاب تثلیث اسے دینی مسائل ہی میں شمار کرتے ہیں لیکن تاریخ اور زمانی ترتیب کے لحاظ سے تثلیث کو ایک دینی مسئلہ نہیں کہا جاسکتا اسی لئے میری تحریر میں کہیں حکم لگانے کا انداز جھلک سکتا ہے۔

تاہم میری مخلصانہ کوشش یہی ہے کہ مستقبل کے غیر جانبدار محققین کے لئے میری بحث ایک معروضی مطالعہ اور مواد کا کام دے سکے۔

یہاں ہم ایک اہم فلسفیانہ بیان کی طرف متوجہ ہورہے ہیں جسے مشہور مستشرق لیون جوتیہ نے اپنی کتاب ''المدخل لدراسة الفلسفه'' میں دیا ہے اور جو ۱۹۲۳ء میں فرنچ زبان میں فرانس میں چھپی ہے، اور جسے مرحوم ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ نے عربی کا جامہ پہنایا ہے۔

لیون جوتیہ کہتا ہے:

''یہودی عقائد اور یونانی فلسفہ کے امتزاج سے صرف ایک فلسفہ ہی ظہور پذیر نہیں ہوا، بلکہ ایک دین بھی رونما ہوا یعنی مسیحیت جس نے بہت سے یونانی افکار و آرا کو ہضم اور قبول کرلیا تھا۔

اس لئے کہ مسیحی الہیات کا بھی وہی سرچشمہ ہے جو نوافلاطونیت کا تھا، ان (PLATO) کا فلسفہ ہے، جو افلوطین کے فلسفہ کا بھی ماخذ ہے، اسی لئے ہم مسیحی الہیات اور نوافلاطونیت کے درمیان بڑی مشابہت پاتے ہیں اگرچہ بعض اوقات تفصیل میں ان میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے، وہ عقیدہ تثلیث پر متفق ہیں، اور دونوں میں اقانیم ثلاثہ کا تصور

موجود ہے۔

ان اقانیم میں پہلا اقنوم تمام کمالات کا مصدر و ماخذ ہے جو تنہا تمام کو حاوی اور محیط ہے جسے مسیحی باپ کہتے ہیں۔

دوسرا: بیٹا جو کلمہ ہے۔ تیسرا: روح القدس۔

یہاں یہ ملحوظ رہنا چاہئے کہ تینوں اقانیم افلاطونیت کے نزدیک جوہر اور رتبہ میں مساوی نہیں ہیں جبکہ مسیحیت کے نزدیک ان کی حیثیت مساوی ہے چنانچ بیٹا جو باپ سے پیدا ہوا ہے، اس کا کمال میں باپ سے کمتر ہونا ممکن نہیں ورنہ کامل سے غیر کامل کا صدور لازم آئے گا اور یہ اس کی شان کے منافی ہے، اسی طرح روح القدس باپ اور بیٹے کے مساوی ہے''۔

اس طرح جب مسیحیت اقانیم ثلاثہ کو تسلیم کرتی ہے تو وہیں، وہ ایک فلسفیانہ نظریہ کی قائل ہو جاتی ہے جو مختلف فلسفیانہ تعلیمات اور خاص کر افلاطونیت اور نو افلاطونیت کا مجموعہ ہے جن میں سے پہلا یونانی فلسفہ ہے، جس پر مغربی فلسفہ کی بنیاد پڑی، اور دوسرا فلسفہ کا مشرقی مکتب خیال ہے، جسے رومی اور یونانی اساتذہ کی ذہنی فضا میسر آئی جیسا کہ اس کے نمائندہ فلسفی کو ہندو ایران کے فلسفوں کو نقل کرنے کا موقع ملا تھا جسے اس نے ایک خاص شکل دی جسے مسیحیت کھا گیا اور جسے لوگوں نے ایک دین قرار دے لیا، اس لئے مسیحیت کے محقق کیلئے یونان کے افلاطونی فلسفے نو افلاطونیت اور روم کی مشرکانہ تثلیث سے مسیحیت کے رشتہ و تعلق کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہئے ایسا اکثر ہوتا ہے کہ اگلے فلسفوں کا بعد کے فلسفوں پر اور ایک بڑے نظام کا چھوٹے نظاموں پر اثر پڑتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسکندریہ کا نو افلاطونی فلسفہ ۲۷۰ء میں سامنے آچکا تھا اور نیقیہ کی کونسل جس نے ثالوث اور اقانیم

ثلاثہ کا عقیدہ مقرر کیا وہ ۳۲۵ء میں منعقد ہوئی تھی اور عیسائیت اپنی ابتدا ہی سے مظلوم اور مغلوب تھی اور رومی بت پرست اس پر غالب حکمران رہی، اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کا کس پر اثر پڑا یا پڑ سکتا تھا؟ یہ علم و تاریخ اور مذہب کے جو یا اشخاص کے غور کرنے کا موقع اور یکساں دلچسپی کا موضوع ہے۔

(مسیحیت علمی و تاریخی حقائق کی روشنی میں از متولی یوسف چلبی)

سائنس اور مذہب کی حقیقت

سائنس کے آثار:

ایک عرصہ میں دنیا میں خلائی فتوحات کا غلغلہ ہے، اور حالیہ تجربات نے یہ چیز ثابت کر دی ہے کہ حضرت انسان واقعی بڑی چیز ہے، لیکن مذہب و سائنس کے دائرہ کار اور حدود سے لاعلمی، طبیعاتی علوم میں ناپختگی اور مذہب سے دوری یا کم علمی کی وجہ سے بہت سے مسلمان احساس کمتری، مرعوبیت اور شکوک و شبہات کا شکار ہو چکے ہیں، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ اصولی طور پر یہ عرض کر دیا جائے کہ سائنس اور مذہب کی حقیقت کیا ہے اور ان کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ سائنس اور اسلام آپس میں نہ تو ایک دوسرے کی ضد ہیں، جیسا کہ بدقسمتی سے بعض حلقوں میں یہ تصور موجود ہے، اور نہ ہی سائنس الحاد کے مترادف ہے، جیسا کہ ایک دوسرا طبقہ اس کا قائل ہے، بلکہ بقول ایک محقق مشرقی عالم: ''سائنس اور اسلام میں وسیلہ اور مقصود کی نسبت ہے جیسے بدن روح کے لئے وسیلہ عمل ہے، ایسے ہی سائنس اصولی طور پر اسلامی کارناموں کے لئے ''ایک وسیلہ، ذریعہ اور ڈھانچہ ہے'' اور اگر ہم ذرا

گہری نظر سے سائنس کے موضوع کو سمجھ لیں تو دعوی خود بخود ثابت ہو جائے گا، اس لئے اولا سائنس کے موضوع پر گفتگو کی جاتی ہے۔ آج کے دور ترقی میں جب تمدنی ایجادات و مادیات کے لئے نئے نئے انکشافات کا چرچا ہوتا ہے تو بطور تکملہ سائنس کا ذکر بھی ساتھ ہی ہوتا ہے، مثلاً وسائل خبر رسانی کے سلسلے میں ٹیلیفون، ٹیلیگراف، ریڈیو لاسکی، ٹیلیویژن اور ایسے ہی دوسرے برقی آلات کا ذکر ہوتا ہے، تو ساتھ ہی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ سائنس کے سنہری اصول ہیں۔

وسائل نقل وحرکت کے سلسلے میں ریل، موٹر اور ہوئی جہاز وغیرہ باد پا سواریوں کا تذکرہ ہوتا ہے تو ساتھ ہی یہ کہا جاتا ہے کہ یہ سب سائنس کا طفیل ہے۔ یا مثلا صنائع وحراف کے سلسلے میں لوہے، لکڑی کے خوشنما اور عجیب وغریب سامان تعمیر کے نئے نئے ڈیزائن اور نمونے، سیمنٹ اور اس کے ڈھلاؤ کی نئی نئی ترکیبیں، اور انجینئری کے نئے سے نئے اختراعات جب سامنے آتے ہیں تو سائنس کا نظر فریب چہرہ بھی سامنے کر دیا جاتا ہے کہ یہ سب اس کے خم وابرو کی کارگزاریاں ہیں۔ اسی طرح نباتاتی لائن میں زراعتی ترقیات، پھل پھول کی افزائش کے جدید طریقے اور نباتات کے جدید آثار وخواص کے متعلق انکشافات کا جب نام لیا جاتا ہے تو وہیں سائنس کا نام بھی پورے احترام کے ساتھ زبانوں پر آجاتا ہے۔ اسی طرح حیوانی سائنس میں مختلف تاثیرات پہنچانے کے ترقی یافتہ وسائل، آپریشنوں کی عجیب وغریب پھرتیلی صورتیں، کیمیاوی طریق فن پر دواسازی کی حیرت انگیز ترقی تحلیل وترکیب کی محیر العقول ترکیبیں، بجلی کے ذریعہ معالجات کی صورتیں جب زبانوں پر آتی ہیں تو ساتھ ہی انتہائی وقعت کے ساتھ سائنس کا نام بھی زبان پر ہوتا ہے کہ یہ سب اس کے درخشاں آثار ہیں۔

طاقتوں کا منبع:

اس تفصیل سے انسان کی ناقص عقل اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ سائنس کا موضوع عمل موالید ثلاثہ: جمادات، نباتات اور حیوانات کے دائرے سے باہر نہیں ہے، پھر چونکہ ان موالید کی ترکیب عناصر اربعہ: آگ، پانی مٹی اور ہوا سے ہوتی ہے، جو ایک مسلمہ چیز ہے اور جس پر کسی استدلال کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے گویا سائنس کا موجوع بلحاظ حقیقت عناصر اربعہ ٹھہر جاتے ہیں، جس کی خاصیت اور آثار کا عملاً سمجھنا اور پھر کیمیاوی طریق پر ان کی تحلیل و ترکیب کے تجربات سے عملاً نئی نئی اشیاء کو پردۂ ظہور پر لاتے رہنا سائنس کا مخصوص دائرہ علم و عمل ہو جاتا ہے، پس سائنس کی یہ تمام رنگ برنگ تعمیر درحقیقت انہیں چار ستونوں (عناصر اربعہ) پر کھڑی ہوئی ہیں۔

اور اگر اس ساری تفصیل کا مختصر لفظوں میں خلاصہ کیا جائے تو سائنس کا موضوع ''مادہ اور اس کے عوارض ذاتی سے بحث کرنا ثابت ہوگا، اس لحاظ سے مادیات میں جس کا زیادہ انہماک ہوگا وہی سب سے بڑا سائنس دان اور ماہر سائنس کہلائے گا۔ (واللہ اعلم)

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ سائنس کا موضوع عناصر اربعہ میں تو دیکھنا یہ ہے کہ ان چاروں کے خواص و آثار اور ذاتی عوارض یکساں ہیں یا نہیں؟ ظاہر بات ہے کہ ان کے عوارض یکساں نہیں بلکہ بہت حد تک متفاوت ہیں، بلکہ ان کی جوہری طاقت بھی ایک درجے کی نہیں ہے، بلکہ کوئی عنصر ان میں ضعیف، کوئی قوی، کوئی قوی تر اور یہ ضعف و قوت کا تفاوت اتفاقی نہیں بلکہ معیاری ہے، اور وہ معیار یہ ہے کہ ان عناصر میں سے جس میں بھی لطافت بڑھتی گئی ہے اسی قدر اس کی طاقت بڑھتی گئی ہے، اور طاقت کے لحاظ سے غلبہ و تسلط

اورشان واقتدار ہوتی چلی گئی۔

اس کا راز ماسوائے اس کے اور کیا ہے کہ لطافت ایک وصف کمال ہے جو کثافت کی ضد ہے، اور ہر وجودی کمال کا مخزن حضرت واجب الوجود کی ذات ہے، اس لئے لطافتوں کا منبع بھی وہی ہے، اندازہ فرمائیں اس کی طاقتوں کا تو یہ عالم ہے کہ آنکھوں سے اوجھل حواس و خیال کی حدود سے بالاتر اور ادراک وانکشاف کی حد بندیوں سے وراء الوراء ہے، اور اس کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ تمام جہانوں پر صرف اور صرف اپنی شہنشاہی کا نظام محکم قائم کئے ہوئے ہے، اس سے جس چیز میں بھی لطافت کا کوئی کرشمہ ہے وہ درحقیقت اس کی ذات و صفات کا پرتو ہے جس کا بقدر استعداد اس نے قبول کرلیا ہے۔

لطافت کی طاقت:

اس بناء پر جس چیز میں جتنی لطافت ہوگی اتنی ہی اس میں غلبہ واقتدار کی شان ہوگی۔ اس تفصیل کے بعد عناصر اربعہ کی ذاتی عوارض کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہوگا کہ ان میں مٹی سب سے زیادہ کثیف ہے، نہ صرف کثیف بلکہ کثافت آور بھی ہے، دنیا کی ہر چیز میں کثافت اور غلاظت آتی ہے تو اس مٹی سے، اس کثافت کو ملاحظہ فرمانا ہو تو تجربے کے طور پر ایک ڈھیلا اوپر پھینکیں، آپ کی قوت جب تک کام کرے گی وہ اوپر جائے گا، پھر ''کل شئ یرجع الی أصله'' کا نظارہ ہوگا، یہی سبب ہے کہ خدا نے زمین کو ذلیل ہی نہیں بلکہ ذلول (ذلت کا مبالغہ) فرمایا، "هو الذي جعل لكم الأرض ذلولا فامشوا في مناكبها''۔

البتہ زمین کا ایک جزو پہاڑ بھی ہیں جن میں نسبتاً کچھ لطافت اور ستھرائی ہے، اور پھر

پتھر کی مختلف قسمیں لطافت وستھرائی کی بناء پر عزیز الوجود ہیں، یعنی مٹی پتھر پر گرے تو کچھ نہ بگڑے گا، اور ایک پتھر منوں مٹی پر گر پڑے تو جو حشر ہوگا وہ ظاہر ہے، پتھر کے مقابلے میں لوہے کو لیں، ایک بالشت بھر لوہے کی کدال کے سامنے بڑی بڑی چٹانوں کی کیا حیثیت ہے؟ وہی جو بے دست و پا قیدی کی ہوتی ہے، اس کا سبب بھی وہی لطافت وستھرائی ہے جو لوہے نے بمقابلہ پتھر کے زیادہ قبول کر لی ہے۔

اس کے بعد دوسرے عنصر یعنی آگ کا نمبر آتا ہے، یہاں طاقت ور لوہے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے آگ کے سامنے کیا حیثیت رکھتے ہیں؟ ذرا سی دیر لوہے کو بھٹی میں رکھو نتیجہ سامنے آجائے گا، اس کا راز بھی وہی طبعی اور عقلی اصول ہے، آگ میں لوہے سے بھی زیادہ طاقت ہے اور کثرت لطافت کثرت طاقت کے مترادف ہے۔ اس کے بعد عنصر آب ہے، جس کے سامنے لوہے کو پگھلا دینے والی آگ کی کوئی حیثیت نہیں، ایک طرف آگ کے ترفع واعلی اور رعب و دبدبے کو دیکھیں، پھر جب قطرات آب اس پر ڈال کر اس کا تماشا کریں تو نتیجہ سامنے آجائے گا، چند لمحہ پہلے جو کروفر تھا وہ راکھ کا ڈھیر بن چکا ہے، ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ پانی آگ کے مقابلے میں زیادہ لطیف ہے، اور لطافت جہاں جس قدر ہوگی طاقت بھی اسی اعتبار سے موجود ہوگی۔

اس کے بعد عنصر ہوا ہے جس کی طاقت وقوت کا یہ عالم ہے کہ جب ہوا کے جھکڑ چلتے ہیں تو بڑے بڑے سمندر تہہ و بالا ہو جاتے ہیں اور اثر کا یہ عالم ہے کہ خوق وتخت کا کوئی گوشہ اور کوئی منقد ایسا نہیں جہاں یہ جوہر لطیف نہ ہو، آخر ایسا کیوں ہے؟ اس کا راز بھی اس کی لطافت اور اس کے بقدر طاقت ہے۔

انسان کی کارکردگی:

اب اگر ان عناصر اربعہ اور ان کے تینوں موالید جمادات، نباتات، حیوانات کی بے انتہاء شاخوں کو ایک طرف رکھ کر حضرت انسان کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ عناصر اربعہ اس کے دست بستہ غلام ہیں، انسان ان پر غالب و متصرف ہے، یہ سب عناصر اپنی کارگزاری میں اس کے محتاج ہیں، اگر انسان کی کارکردگی الگ کر دی جائے تو اربعہ عناصر اپنی پوری قوت و طاقت کے باوجود کوئی کام سرانجام نہیں دے سکتے، لوہا خود بخود پتھروں کو کچل نہیں سکتا، آگ خود لوہے کو گرماتی اور پچھلاتی نہیں، پانی خود آگ بجھاتا نہیں، بلکہ انسان ہی ہے جو کدالیں بناتا اور پھر توڑتا ہے، وہی بھٹیاں بنا کر لوہے کو تپاتا ہے، وہی مشکینزے اور ظروف میں پانی لاتا ہے اور چولہے ٹھنڈے کرتا ہے، وہی ہوا کو قید کرتا اور سیالات کو اڑاتا ہے، اور انسان نہ ہو تو کچھ بھی نہیں ہوسکتا، اور انسان ہی کی طاقتوں کا یہ عالم ہے کہ اس نے زمین کے قلب و جگر کو چیرا، کنویں بنائے، تہہ خانے تیار کئے، ارضی معدنیات سرمہ، ہڑتال، سونا، چاندی اور پیتل وغیرہ کے خزانے چھین لئے۔

پہاڑوں کو تراش کر بلند و بالا مکانات بنائے، "تنحتون من الجبال بیوتا"، ان میں سڑکیں نکالیں اور دفائن زمین کا راز فاش کر کے زمین کے خزانے کو عالم آشکارا کرادیا۔ الغرض زمین اور اس کے ہر ذرے سے چاکروں کی سی خدمت لے رہا ہے۔

پانی کو حضرت انسان نے کس طرح رسوا کیا ہے، جگہ جگہ کنویں بنائے، واٹر ورکس کا انتظام کیا اور جہاں چاہا پانی لے گیا، ابوالمیاہ سمندر اعظم جس کی کوہ پیکر موجوں کے لگا تار سلسلے سے خشکی سے کناروں پر اس طرح حملہ آور محسوس ہوتا ہے کہ گویا ابھی کرہ زمین کو

نگل جائے گا، اس کا یہ حشر ہے کہ انسان کے پاؤں کے نیچے روندا جارہا ہے، اس کے جہاز اور آب دوزیں چل رہی ہیں، سمندر کے خزانے اگلوائے، اس کی چیزوں کو بازاروں میں رسوا کیا، حتی کہ سمندر کے پانی کو تحلیل کرڈالا، اس سے آگے بڑھ کر ذلیل خدمات لی جارہی ہیں، نجاستوں کا دھونا، میلے کپڑے پاک کرنا، ظروف کا صاف کرنا وغیر ذالک، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسان نے پانی جیسے عنصر لطیف کو کس طرح اپنا قیدی بنارکھا ہے۔

آگ جیسے خونخوار عنصر کو دیکھو، انسان نے اس کو کس طرح اپنا مطیع کیا ہے، لوہے پتھروں سے اسے نکالا، وہ آفتاب میں چھپی تو آتشی شیشوں کے ذریعہ اسے گرفتار کیا، خود اسے چھپانا چاہا تو ذرا سی دیر دیا سلائی کے سرے پر ذرا سے مصالحے میں بند کردیا، جب چاہا اسے رگڑا اور آگ نکال لی، جو آگ اپنے ترفع وتعلیٰ کی بناء پر سر نیچا ہی نہ کرتی تھی، وہ آج کس طرح انسان کی غلام ومحکوم ہے۔

ہوا کی لطافت کا یہ عالم تھا کہ انسان کی لطیف ترین نگاہیں اسے پھاند سکتی تھیں، لیکن آخر انسان نے اڑتے پرندہ کو کھلونا بنالیا، اس میں اپنے جہاز اڑائے، خبر رسانی کی خدمات پر مجبور کیا، گویا وہ ایک چھٹی رساں ہے جو مشرق سے مغرب تک انسان کی بلا اجرت چاکری کررہی ہے، انسان اسے کہیں برقی پنکھوں میں پہنچا رہا ہے، کہیں موٹر کے پہیوں اور سائیکل کے ٹائروں میں بند کررکھا ہے، انسان کے سامنے مجبور وبے بس ہے، پھر اسی پر بس نہیں کہ عناصر اربعہ سے کام علیحدہ علیحدہ خدمت لے کر انسان کی طبیعت قناعت کرے بلکہ انہیں آپس میں لڑا لڑا کر ایجادات کررہا ہے، آگ پانی کے درمیان لوہے کا پردہ حائل کر کے آگ کو دھونکا دیا، آگ جوش میں پانی کو اڑانا چاہتی ہے، پانی کھول کر آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے، لیکن انسان کے جوش وخروش سے اسٹیم کی طاقت پیدا کر کے انجن مشین چلا رہا

ہے، پھر پانی کو پانی سے ٹکرا کر برق پیدا کر لی، وہ بجلی جو آن واحد میں اقلیموں کی خبر سنائے ،اسے تانبے اور جست کے پتلے سے تار میں اس طرح باندھ رکھا ہے کہ بایں زور و طاقت باہر نہیں جاسکتی ، ذرا سا سوئچ ہے اسے دبا دو تو موجود، اٹھا دو تو غائب ، پھر اسی پر بس نہیں بلکہ آسمان کی جہاں سوز بجلی کو بے بس کر دیا، بڑی بڑی بلڈنگوں پر چپٹے تار چڑھا دیئے، ادھر یہ بجلی گری، ادھر ان میں غلطاں و پیچاں ہو کر رہ گئی۔

پیٹرول جیسی سیال چیز میں آگ لگا دی اور آگ اور تیل لڑ رہے ہیں جس سے گیس پیدا ہو رہی ہے، اور حضرت انسان کا جہاز اڑ رہا ہے، موٹر دوڑ رہی ہے۔ الغرض ایک مشت استخواں نے ساری کائنات کا ناک میں دم کر رکھا ہے، سوال یہ ہے کہ اس غلبہ و تسلط کا سبب کیا ہے؟ جسمانی طاقت سے تو ناممکن ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس کا راز کچھ اور ہی ہو۔

اندرونی طاقت:

ایک شیر نے اپنے خوردسالہ بچے کو نصیحت کی تھی کہ انسان سے بچنا یہ بڑی چیز ہے، بچہ شیر اس بڑی چیز کے دیدار میں مارے مارے پھرتا تھا کہ آخر دیکھوں تو سہی وہ انسان کیا بلا ہے جس سے سلطان الصحراء بھی لرزتے ہیں، کپکپاتے ہیں، چلتے چلتے گھوڑے پر نظر پڑی ،اس کی مخصوص صفات سے بچہ شیر کو انسان کا دھوکا ہوا، پوچھا تو معلوم ہوا، گھوڑے نے کہا: توبہ بھلا میں انسان کے ہاتھ میں ایک بے بس قیدی ہوں اس سے بچنا۔ اب بچہ شیر اور گھبرایا، آگے بڑھنے پر اونٹ پر نظر پڑی، اس کے عجیب الخلقت جسم کو دیکھ کر سوچا کہ بنی نوع انسان ہوگا، پوچھنے پر پتہ چلا کہ نہ صاحب ہم تو اس کے ادنی چاکر ہیں، وہ جو ہماری

درگت بناتا ہے تو یہ بھلی اس سے بچنا۔ ذرا آگے ہاتھی پر نگاہ پڑی اس نے بھی اپنی چاکری کا اعتراف کرتے ہوئے پناہ مانگی۔ بچہ شیر حیران تھا کہ یا اللہ! وہ انسان کیا بلا ہے جس سے گھوڑا، اونٹ اور ہاتھی تک لرزتے ہیں۔ اسی اثناء میں ایک بڑھئی کے بچے کو دیکھا جو ایک بڑے شہتیر کو چیر رہا تھا، اور جتنا چیر چکا تھا اس میں ایک کھوٹی گاڑ رکھی تھی، بچہ شیر کا تصور بھی نہ ہوسکتا تھا کہ یہ انسان ہوگا، لیکن معلومات کے لئے پوچھا تو پتہ چلا کہ حضرت انسان یہی ہے، بچہ شیر نے کہا کہ میرا باپ اور ہاتھی، گھوڑا، اونٹ بڑے احمق تھے، اس سے ڈرتے رہے، ایک چپت میں اس کا کام تمام کردوں گا، بڑھئی کے بچے نے سوچا برا وقت آیا، کیا کیا جائے؟

اس نے بچے کی خوب تعریف کی جس سے وہ مست سا ہوگیا، پھر اس نے کہا کہ میں کمزور ہوں، حسن اتفاق سے آپ جیسا قوی آ گیا، شہتیر کی کھونٹی سرکانا چاہتا ہوں، آپ اس کے شگاف میں ہاتھ اندر ڈال کر ذرا تمام لیں کہ میں سرکالوں، شیر نے ایک کے بجائے دونوں ہاتھ ڈال دیئے، بڑھئی کے بچے نے کھونٹی نکال لی، اس کا نکلنا تھا کہ دونوں پٹ مل گئے، پھر بچہ شیر کا جو حشر ہوا وہ ظاہر ہے، شیر نادم ہوا کہ بڑوں اور تجربہ کاروں کی نصیحت کی قدر کرنی چاہئے، لیکن ساتھ ہی یہ سوچا کہ انسان حقیر اور کمزور ہے، اس کا جثہ اس قابل نہیں، ہاں! البتہ کوئی اندرونی طاقت ہے جس سے اس نے ساری دنیا کو بے بس کر رکھا ہے۔

الغرض یہ حکایت عبرت اور انسانی طاقت سامنے لانے کے لئے پیش کی گئی ہے، اور مشاہدات کی رو سے ماننا پڑتا ہے کہ انسان میں ان عناصر سے کہیں زیادہ طاقت ہے، جب ہی تو اس نے جہان رنگ و بو کو تہ و بالا کر رکھا ہے، اور جیسا کہ ثابت ہوگیا کہ عناصر اربعہ سے اس میں طاقت کہیں زیادہ ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس میں لطافت بھی زیادہ ہے کیونکہ پہلے

ثابت ہو چکا ہے کہ لطافت ہی طاقت کا سرچشمہ ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ لطافت کیا ہے؟ تو سیدھا اور آسان جواب ہے کہ روح انسانی۔

روح انسانی:

اور روح انسانی کی لطافت کا یہ عالم ہے کہ باوجود انسان کے رگ و پے میں سمائے ہونے کے کبھی اس کا دھکا تک انسان کو نہیں لگا، بلکہ کبھی سس ولمس تک کا احساس نہیں ہوا، جبکہ ہوا جیسی لطیف چیز میں بھی دھکا اور لمس ومس سے بچنا محال ہے، روح منفعل ہے تو اتنی کہ اس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور نہیں، اور منفعل ایسی کہ کسی حاسہ کی اس تک رسائی نہ ہو ،خود اس پر کوئی سرد وگرم نہ پہنچ سکے اس لئے وہ صرف فقط اپنے بدن پر ہی نہیں بلکہ عناصر اربعہ پر غالب آجائے تو ظاہر ہے کہ انسان میں ایسی چیز فقط روح ہی ہے، کیونکہ انسان بدن وروح کے مجسمے کا نام ہے، بدن مادیات کا مرکب ہے، وہ تو یہ کام نہیں کرسکتا، لہذا روح ہی باقی رہی اور یہی ہمارا دعوی ہے کہ انسانی غلبہ وتسلط کا راز روح ہی میں ہے، روح کی لطافت وحسن نورانیت کا یہ عالم ہے کہ آج تک انسانی عقل اس کا ادراک نہیں کرسکی، اس کا فوٹو نہیں لیا جاسکا، اسے ہوا کی طرح کنٹرول کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں بن سکا، اور ایک روح ہے کہ سب کچھ اس کے کنٹرول میں ہے، جہاں بھر کا فوٹو وہ لے لے، سینری وہ بنالے اور سب پر غلبہ وتسلط حاصل کرلے۔

سوال یہ ہے کہ روح کیا ہے؟ پیغمبر علیہ السلام سے سوال ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے من جانب اللہ جواب دیا: " الروح من أمر ربی'' اور اس کو امر ربی کو رب کائنات سے عجیب مماثلت ہے، مثلا حق تعالی غیر مرئی طریق پر تمام عالم کا قیوم و مدبر ہے تو اسی

طرح روح کائنات بدن کی قیوم ومربی ہے، پھرجس طرح انوار باری تعالی کائنات کے ذرے ذرے میں آشکارا ہیں اور ہر ہر خطے وجزء میں اس کی مناسبت سے کام لے رہے ہیں، اوراس ظہور نام کے باوجود آج تک کسی نے انہیں دیکھا نہیں، اسی طرح انوار روح کائنات بدن کے ہرعضو میں اس طرح پھیلے ہوئے ہیں کہ ہرعضو سے مناسب کام لے رہے ہیں، اوراس ظہور نام کے باوجود آج تک کسی نے انہیں نہیں دیکھا، اسی طرح روح کے انوار کام ہرعضو میں کررہے ہیں، نظر نہیں آتے ۔

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ سے جلوہ آشکارہ
اس پہ گھونگھٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

گوجس طرح وہ ظاہر ہے اور باطن بھی، اسی طرح یہ بھی ظاہر بھی باطن بھی ۔ پھرجس طرح اس کائنات کی زندگی اور زندگی کی ہرنقل وحرکت سے ذات حق اول اور تعدم ہے کہ اللہ ہی معلیٰ وجود ہے اس طرح ذات حق کائنات کی ہرنقل وحرکت کا منتہا بھی ہے ٹھیک اسی طرح بدنی کائنات کی نقل وحرکت بلکہ اس کے نفس کی ہستی سے بھی روح اول بھی ہے اور آخر بھی، کیونکہ روح ہی بدنی حیات کا باعث ہے، جب یہ نہ تھی تو بدن نہ تھا اور بعد میں بھی یہی ہوگی، تو یہ کہنا بجا ہے کہ جس طرح کائنات عالم اول وآخر ذات حق ہے، اسی طرح کائنات بدنی کی اول وآخر روح ہے۔

قوت کا سرچشمہ:

پھرجس طرح ذات حق عالم سے متصل اتنی کہ: '' نحن أقرب إليه من حبل الوريد '' اور '' هو معكم أين ما كنتم '' اس کی شان ہے، اور پھر منفصل

اتنی کہ وراء الوراء ثم وراء الوراء مخلوق ظلمت محض اور وہ نور مطلق، ٹھیک اسی طرح روح بھی بدن سے متصل تو اتنی ہے کہ زندہ بدن کی کسی رگ کا کروڑواں حصہ بھی اس سے الگ نہیں، ورنہ زندہ نہ رہے، لیکن دور بھی اتنی ہے کہ اس کی پاکیزگیاں بدن سے کوئی لگاؤ ہی ت نہیں رکھتیں کیونکہ لطیف وکثیف میں کیا تناسب اور کیا رشتہ؟

اس ساری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ انسانی قوت وطاقت کا سرچشمہ روح ہے اور اسے ذات حق سے مناسبتیں ہی نہیں مماثلتیں بھی ہیں اور یوں بھی روح اُمر ربی ہے، کما مر، تو اس کو جتنا صحیح استعمال کیا جائے گا اتنے بہت فوائد رونما ہوں گے، جتنی غلط روی کا طریق اپنایا جائے گا اتنی ہی بربادیاں ہوں گی، تو پہلے ایک مشرقی محقق کا قول لکھا تھا کہ سائنس میں مقصود وسیلہ کی نسبت ہے، کتنا درست قول ہے، اللہ تعالی جو سراپا لطافت ہی نہیں بلکہ منبع لطافت ہے، کما قال: " إن الله لطيف " (لقمان : ۱۹) دوسری طرف روح بھی امر ربی ہونے کے سبب لطیف ہے، اور لطافت ہی قوت کا سرچشمہ ہے، اور بغیر قوت سائنسی ایجادات ناممکن ہیں، تو بے جا نہ ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ جس طرح لطافتوں کا منبع حق تعالی کی ذات ہے اسی طرح منبع طاقت بھی وہی ہے، اور جب منبع طاقت وہ ہے تو سائنسی ایجادات کا سرچشمہ اور محور مرکز بھی اسی کی ذات ہے، اپنی پاک دامنی، نیک نفسی اور قوت و تقوی ونیکی کی بنا پر جس کی روحانیت جتنی بلند ہوگی اس میں اکتشافات وایجادات کی طاقت ہوگی، جب یہ مقدمات ثابت ہوگئے تو یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ منبع لطافت وطاقت کی طرف سے بھیجا ہوا آخری اور مکمل دین ایجاد واکتشافات سے کس طرح روک سکتا ہے اور ترقی کی راہ میں کس طرح آڑے آسکتا ہے؟ وہ دنیا والوں کی ترقی کی راہیں بتاتا ہے، اس پر ابھارتا ہے کہ کما قال : " فاستبقوا الخيرات ، وفي ذلك فليتنافس

المتنافسون ‘ ۔لیکن مادیات محض میں انہماک اور غلو اور روحانی ترقی سے پہلوتہی انتہائی کورچشمی اور بدبختی ہوگی۔ جب یہ امر مسلمہ ہے کہ اسلام مقصود ہے اور سائنس وسیلہ تو مقصود کے لئے اس کے تناسب سے اور وسیلے کے لئے اس کے تناسب سے کوشش کرنا دانش مندی ہے۔ بدقسمتی سے آج مقصود کو کوئی پوچھتا نہیں اور وسیلے کے لئے جو کچھ ہو رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، (یہ ہم آئندہ عرض کریں گے وسیلے کے لئے جائز و ناجائز کوششوں سے دنیا کو کیا فائدہ پہنچا اور تعمیر و ترقی کے عالم میں ان کوششوں کا حصہ کیا ہے) پھر بدقسمتی سے مسلمانوں کے ہاں سوائے سائنس کا لٹریچر پڑھنے کے کوئی عملی کارفرمائی ہے ہی نہیں، گویا۔

نہ خدا ہی ملا ، نہ وصال صنم

خلاصہ بیان:

بہرحال اس اصولی بحث سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوئی کہ:

۱۔سائنس کا موضوع عناصر اربعہ یا بالفاظ دیگر ’’مادہ اور اس کے عوارض ذاتیہ ہیں۔

۲۔عناصر اربعہ میں سے جس میں جس قدر لطافت ہے اسی قدر اس میں طاقت ہے، اور وہی لطافت اس کی طاقت کا سرچشمہ ہے۔

۳۔حضرت انسان موالید ثلاثہ کی بے انتہاء شاخوں میں ایک ایسا ہے جس نے اپنی بے انتہا قوتوں سے عناصر اربعہ کو فرداً فرداً نہیں بلکہ باہمی ٹکرا کر ایجادات و اکتشافات کا لامتناہی سلسلہ جاری کر رکھا ہے، اور اس طرح اپنے غلبہ و تسلط کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔

۴۔حضرت انسان کا یہ کمال اس کی جسمانی قوت کا مرہون منت نہیں بلکہ روح کا

مرہون منت ہے۔

۵۔روح کو حضرت حق سے کئی ایک مماثلتیں ہیں کہ روح امر ربی ہے۔

۶۔قوت و طاقت کا سرچشمہ حضرت حق کی ذات ہے، کیونکہ وہ منبع لطافت ہے، اور طاقت دراصل لطافت کے سبب ہے۔

۷۔اس اعتبار سے منبع لطافت کے امر یعنی روح سے جس کا جس قدر حصہ ہوگا اس کی قوت وایجادات واکتشافات اس قدر بلند و بالا ہوگی۔

۸۔لیکن اسلام اور سائنس کو مقصود و وسیلہ کی نسبت ثابت ہوگی۔

اس لئے ایک سچے مسلمان کی ہمت وفکر کا اصل میدان اسلام ہوگا اور وسیلے کا میدان اسی تناسب سے ہوگا، جب اسلام وسائنس میں مقصود و وسیلہ کی نسبت ثابت ہوگئی تو:

الف۔ایک مفکر کا یہ قول غلط فہمی پر مبنی ہوگا کہ سائنس اور مذہب کی حقیقت تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔

ب۔سائنس کو الحاد کے مترادف قرار دینے والا گروہ سراسر غلطی کا شکار سمجھا جائے گا۔

ج۔اور نہ ہی سائنس و مذہب ایک دوسرے کی ضد ہوں گے، بلکہ ان میں معقول نسبت ہے اور اپنے اپنے مقام پر اس سلسلے میں قوت فکر کی پرواز درست اور صحیح ہوگی، اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ ''ارتقاء پسند انسانی عقل اور ربانی ہدایات کا سنگم اسلام ہے۔

آخر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کر دینا مناسب ہے، جس میں سائنس و مذہب کی اصلیت وحقیقت اور باہمی فرق مراتب کو نہایت احسن پیرایہ میں بیان فرمایا گیا، یہ ارشاد رسول بھی اس چیز کی غمازی کرتا ہے کہ سائنس و مذہب ایک دوسرے کی ضد نہیں، بلکہ جن چیزوں پر آج طبع آزمائی ہو رہی ہے ان کو اپنے اصلی مقام پر رکھ کر ایک

نبی امی نے آج سے چودہ سو سال پہلے واضح کر دیا تھا۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

فاعتبروا یا اولی الابصار! نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب اللہ میاں نے زمین کو پیدا کیا تو وہ کانپنے اور ڈرنے لگی، تب اللہ نے پہاڑوں کو پیدا کیا اور ان سے زمین پر جم جانے کے لئے فرمایا، ملائکہ نے پہاڑوں کی شدت صلابت پر تعجب کیا اور کہا کہ اے پروردگار! تیری مخلوق میں پہاڑوں سے بھی زیادہ سخت ہے؟ فرمایا: ہاں! لوہا ہے، اس پر پھر ملائکہ نے عرض کیا کہ اے پروردگار! تیری اس مخلوق میں لوہے سے بھی بڑھ کر کوئی سخت چیز ہے؟ فرمایا: ہاں! آگ ہے، پھر عرض کیا: اور آگ سے سخت؟ ارشاد فرمایا: پانی! عرض کیا: اور پانی سے سخت کوئی چیز ہے؟ فرمایا: ہاں! ہوا، پھر ملائکہ نے پوچھا: اور ہوا سے بڑھ کر بھی سخت چیز کوئی ہے؟ تو فرمایا: اولاد آدم جو دائیں ہاتھ سے اس طرح چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ (ترمذی)

اندازہ لگائیں کہ سائنس کے موضوع یعنی مادیات کو کس طرح ترتیب سے بیان فرما کر اور پھر انسان کی طاقت وقوت کو واضح فرمایا، لیکن اس طاقت کا سبب کوئی مادی چیز نہیں، بلکہ وہی روحانی عظمت وبرتری ہے جس کو پہلے ہم تفصیل سے عرض کر چکے ہیں۔

(مقالات حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ)

عورتوں کے لئے پردہ کیوں ضروری ہے؟

علی گڑھ یونیورسٹی میں میری تقریر تھی، جب میں اسٹیج پر پہنچا تو بہت سی عورتیں ہمارے سامنے بلا پردہ کے بیٹھی ہوئی تھیں، میں پیچھے ہٹنے لگا، انہوں نے کہا کہ آئے، میں نے کہا

کہ پہلے پردہ ڈالو پھر آؤں گا۔ خیر پردہ لٹکا دیا گیا تو میں گیا، جب میں تقریر کرنے کے لئے بیٹھا تو عورتوں نے کہا کہ اگر ہم درمیان تقریر سوال کریں تو کیا جواب دیا جائے گا؟ میں نے کہا کہ درمیان تقریر اجازت نہیں البتہ جو سوالات ذہن میں آئیں ان کو لکھ لو تقریر کے بعد جواب دیا جائے گا۔ چنانچہ تقریر کے بعد پچاس ساٹھ سوالات آئے ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ عورتوں کو بلا وجہ گھروں میں مقید کیا گیا ہے اور ان کے لئے حکم یہ ہے کہ ہر وقت منہ چھپائے رکھیں، اس سے ایک نقصان تو یہ ہے کہ ''الانسان حریص فیما منع''، یعنی انسان جس چیز سے روکا جاتا ہے وہ اس کا حریص ہو جاتا ہے، اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ اس پردے کی وجہ سے عورتیں گھروں میں گھٹتی ہیں باہر کی ہواؤں سے محروم ہو گئیں، گھر میں رہ کر مکمل تعلیم نہیں ہو سکتی، لہذا ان کو کھلے بندوں چھوڑ دینا چاہئے تاکہ ان کی حرص ختم ہو، تازہ ہواؤں سے فائدہ اٹھائیں اور آزادی سے تعلیم حاصل کریں۔

میں نے ان سے کہا کہ پہلے الزامی جواب سن لو، پھر تحقیقی جواب دوں گا۔

الزامی جواب یہ ہے کہ دنیا میں دو ہی چیزیں عام طور پر چھپانے کی رکھی گئی ہیں، ایک دولت، دوسری عورت۔ اگر دولت کے چھپانے سے چوروں کی حرص بڑھتی ہے تو میں کہتا ہوں کہ آپ لوگ دولت کو بینکوں سے نکال کر سڑکوں پر ڈال دیں تاکہ چوروں کی حرص ختم ہو جائے اور ان کے دلوں میں خوب سیری ہو جائے، اس طرح کرنے سے اگر آپ کی دولت محفوظ رہی تو میں فتوی دوں گا کہ عورتیں بھی کھلے بندوں آجائیں، اور اگر دولت رات ہی رات صاف ہو گئی تو میں عورتوں کو وہی حکم دوں گا جو دولت کے چھپانے کے بارے میں دیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ چوروں کا خطرہ تو الگ ہے، مگر دولت فی نفسہ ایسی چیز نہیں ہے جو منظر عام پر لائی جائے اور سڑکوں پر پھیلا دی جائے اور یہ جتلایا جائے کہ میں لکھ پتی کا کروڑ

پتی ہوں، بلکہ وہ چھپانے کی چیز ہے اس لئے اس کو چھپایا جاتا ہے۔ اسی طرح عورت ہے، اس کی حرمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ مردوں سے الگ ہوکر پردے میں رہے، جنت تو دارالمتقین ہے، وہاں پر معصیت کا۔ کوئی خطرہ نہیں ہے، مگر پھر بھی مرد وعورت کا اختلاط نہیں ہوگا۔

اسی لئے دعوت خصوصی میں صرف مرد حضرات ہی بلائے جائیں گے، تو یہ خصوصیت خطرہ معصیت کی وجہ سے نہیں ہوگی، بلکہ عورت کی حرمت کا تقاضا یہی ہے کہ اس کو مردوں سے الگ رکھا جائے، مگر شریعت نے ان کی دل شکنی نہیں کی اور کلیۃً ان کو الگ نہیں رکھا، بلکہ صرف غیر محرم سے الگ رکھا ہے، اسی طرح جنت میں بھی ان کی دل شکنی نہیں ہوگی کیونکہ اس دعوت خصوصی میں جو سب سے اہم دولت ملنے والی ہوگی وہ دیدار خداوندی ہوگی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ حق تعالی کی زیارت سے لوگوں کے چہرے منور ہو جائیں گے اور حسن و جمال میں ہزاروں گنا اضافہ ہوگا، جب مرد حضرات دیدار کر کے اپنی اپنی جنتوں میں واپس آئیں گے تو ان کی عورتیں کہیں گی کہ آج تمہارا حسن و جمال تو ہزاروں گنا بڑھا ہوا ہے، اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ کہیں گے کہ آج ہم حق تعالی کی زیارت کر کے آئے ہیں، مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمہارا حسن و جمال بھی پہلے سے ہزاروں گنا بڑھا ہوا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ تو وہ کہیں گی کہ حق تعالی یہاں پر خود آ کر زیارت کرا کے گئے ہیں۔ تو حق تعالی مردوں کو بلا کر زیارت کرائیں گے اور عورتوں کے پاس خود آ کر ان کو زیارت کرائیں گے، یعنی تجلیات الٰہی وہاں پر پہنچیں گی۔ تو عورتوں کے دلوں میں جو وسوسہ پیدا ہوتا کہ حق تعالی نے مردوں کو بلا کر زیارت کرادی مگر ہم زیارت سے محروم رہیں، تو حق تعالی اس وسوے کو دور کرنے کے لئے جنت میں خود آ کر عورتوں کو زیارت کرائیں گے۔ لہذا جب دونوں کا

مقصد حل ہوگا تو کوئی اشکال نہیں، مگر عدم اختلاط کی بناء معصیت کا خطرہ نہیں ہے، بلکہ اس کی فطرت کو باقی رکھنے کے لئے حق تعالی نے ان کو مردوں سے الگ رکھا ہے، چونکہ عورت کی فطرت میں حیاء ہے اس لئے وہ مردوں سے طبعی طور پر منہ چھپاتی ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ اگر عورت میں خود فحش نہ ہو تو مردوں کی مجال نہیں کہ ان پر ہاتھ ڈال دیں، جب کوئی مرد کسی عورت کے اندر لوچ دیکھتا ہے تب ہی اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ بہر حال جنت میں پردے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی کیونکہ جس طرح مردوں کے مجامع ہوں گے اسی طرح عورتوں کے مجامع بھی مردوں سے الگ ہوں گے، اختلاط کی شکل نہ ہوگی۔

عورتوں کے سوال کا تحقیقی جواب:

حضرت نے فرمایا کہ ان کے سوال کا تحقیقی جواب ہم نے یہ دیا کہ تم جو یہ کہتی ہو کہ عورتوں کو گھونٹ دیا گیا، وہ تعلیم سے محروم ہوگئیں اور تازہ ہواؤں سے بھی محروم ہوگئیں اور ان کی صحت خراب ہوگئی، اور تم نے جو یہ کہا کہ " الانسان حریص فیما منع '' یہ اس وقت ہے جبکہ کلیۃً عورتوں کو مردوں سے ملنے کو روک دیا جائے ۔، حالانکہ کلی طور پر نہیں روکا گیا ہے بلکہ اسلام نے یہ حکم دیا کہ نکاح کے ذریعہ سامنے آؤ اور ملو، بغیر نکاح کے نہ ملو، تو اسلام نے ایک راستہ یعنی بذریعہ نکاح ملنے کا راستے کھول دیا، اور ایک راستہ بغیر نکاح کے بند کر دیا گیا، پھر ادھر محرمات ابدی سے بھی پردے کا حکم نہیں دیا گیا، البتہ مخلّات سے پردہ کروایا، تو ایک نوع کے ملنے اور ایک کے سامنے سے آنے سے روک دیا، لہذا جب اس کا بدل سامنے رکھ دیا تو اب حرص کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اگر کلی طور پر مردوں سے ملنے اور سامنے آنے سے روکا جاتا تو حرص ترقی کر سکتی تھی، مگر اسلام نے حرص کا دروازہ ہی

بند کر دیا، جتنے مرد میں تقریباً اتنی ہی عورتیں بھی ہیں، اور مان لیجئے کہ عورتیں زائد بھی ہوں تو چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دے دی گئی، لہذا اس کی ضرورت ہی نہیں رہے گی کہ وہ مردوں سے کلی طور پر الگ تھلگ رہیں۔ رہا یہ سوال کہ پردے میں رہنے سے صحت خراب ہو جاتی ہے، تو گھر یہ پنجرہ ہے، رات کو تو اس میں ہم بھی رہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ آدھی زندگی اس پنجرے میں گزرتی ہے اور آدھی زندگی باہر گزرتی ہے۔ مرد آٹھ بجے کام پر جاتا ہے اور چار بجے واپس آجاتا ہے، تو آدھی زندگی میں کٹوتی ہوگئی، تو مردوں کی عمر کا زیادہ حصہ گھر ہی کے پنجرے میں گزرتا ہے اور تھوڑا حصہ باہر گزرتا ہے، تو گھر میں رہنے سے اگر صحت خراب ہو جایا کرتی تو پھر مردوں کی صحت بھی خراب ہونی چاہئے۔ لہذا یہ سوال ہی غلط ہے کہ پردے میں رہنے سے صحت خراب ہو جاتی ہے۔ پر میں نے ان سے خود سوال کیا کہ تمہارے نزدیک عورتوں کی صحت کب سے خراب ہوگئی ہے؟ انہوں نے کہا کہ پچاس ساٹھ سال سے عورتیں بہت کمزور ہوگئی ہیں۔ میں نے کہا: پچاس ساٹھ سال پہلے پردے کی شدت تھی اب تو خفت ہوگئی ہے، تو معلوم ہوا کہ پردہ ہی ذریعہ تھا ان کی صحت کا۔ اصول تو یہ ہونا چاہئے کہ اس زمانے میں عورتوں کی صحت خرابی ہونی چاہئے تھی، اس زمانے میں پردے کی شدت تھی، اور اس زمانے کی عورتوں کی صحت اچھی ہونی چاہئے کیونکہ اب پردے کی خفت ہوگئی ہے، مگر اب تو الٹا ہی نتیجہ نکل رہا ہے اور معلوم ہو رہا ہے کہ پردہ ہی ذریعہ ہے صحت کا، اور بے پردگی ذریعہ ہے صحت کی خرابی کا۔ میں نے کہا کہ بیمار رہنے کی وجہ پردہ نہیں بلکہ تمدن کی خرابی ہے، غذائیں بھی خراب، دوائیں بھی خراب اور ماحول بھی خراب، ہر وقت چیزوں کو کھانا یہی صحت کی خرابی بنا ہے، ورنہ منہ چھپانے سے اگر صحت خراب ہوا کرتی تو سردی کے زمانے میں ہر مرد بیمار ہوا کرتا، کیونکہ لحاف کے اندر

سب ہی منہ چھپائے رہتے ہیں، مگر منہ چھپانے سے بیمار نہیں ہوتے، تو معلوم ہوا کہ منہ چھپانا صحت کی خرابی کی وجہ نہیں ہے۔ رہا تیسرا سوال کہ تعلیم میں کمی ہوگی اور تعلیم کی کمی کا سبب پردہ ہے، تو میں نے کہا کہ پرانے زمانے کی عورتیں جو پردہ نشین تھیں اگر ان کے حالات زندگی کا مطالعہ کرو تو ان میں تعلیم بھی زیادہ معلوم ہوگی، کیونکہ صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین کی عورتوں میں محدثات بھی تھیں اور فقیہات بھی تھیں، متکلمہ اور صوفیہ بھی تھیں، ان کے متعلق بڑی بڑی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، آج کل کی عورتوں میں وہ چیز میں نہیں ہیں جو ان میں تھیں، تو کیا وہ عورتیں بے پردگی میں تعلیم و تربیت پاتی تھیں؟ ہرگز نہیں، بلکہ وہ پردے ہی میں رہ کر یہ تعلیم و تربیت پاتی تھیں۔ رہی خاص تعلیم جو بغیر اسکول جائے ہوئے حاصل نہیں ہوتی، میں کہتا ہوں کہ اس خاص تعلیم کی ضرورت ہی کیا ہے؟ عورتوں کا یہ کام ہی نہیں ہے کہ دفتروں میں جا کر کلرک بنیں یا ریلوے میں جا کر ٹکٹ ماسٹر یا گارڈ بنیں، یا فوجوں میں جا کر چیف کمانڈر بنیں، یہ عورتوں کے فرائض نہیں ہیں، لہذا اس کی تعلیم دینا بھی غیر ضروری ہے اور غیر ضروری چیز کی وجہ سے ضروری چیز کو ختم کر دینا یہ کون سی عقل مندی ہے؟

عورتوں کے لئے گھریلو تعلیم کا حکم:

اور جو ضروری تعلیم ہے یعنی گھریلو تعلیم، مثلاً مسائل کی تعلیم اور قرآن شریف کی تعلیم، اس کے لئے بے پردگی ضروری نہیں ہے، بلکہ یہ تو گھروں میں رہ کر بھی حاصل ہو جاتی ہے، اس واسطے ازواج مطہرات کے بارے میں قرآن شریف میں فرمایا گیا: " واذکرن ما یتلی في بیوتکن " یاد کرو تم ان حکمتوں کو جو گھروں میں تم کو نبوت کی تعلیم دی جاتی ہے،

اس سے معلوم ہوا کہ جو تعلیم مقصود ہے وہ گھروں میں رہ کر بھی حاصل ہوسکتی ہے، اور جو تعلیم گھروں سے نکل کر باہر حاصل ہو وہ ضروری نہیں ہے، تو غیر ضروری کی وجہ سے ضروری کیسے ترک کریں گے؟ مطلب یہ کہ پردے کا ہونا اور مردوں سے اختلاط نہ ہونا اس کی بناء معصیت نہیں ہے، بلکہ عورت کی حرمت کا تقاضا یہی ہے کہ وہ مردوں سے الگ رہے، بعض چیز میں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ آپ مردوں کو بھی وہاں جانے سے روکتے ہیں، مثلاً وہاں کا ماحول اچھا نہیں، سوسائٹی خراب ہے، اس لئے وہاں پر مت جاؤ، اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس اختلاط کو معصیت ہی کی وجہ سے روکا جاتا ہے، بلکہ ہر دائرے کا ایک طبعی تقاضا ہوتا ہے اس کی وجہ سے روکتے ہیں کہ تمہارے موضوع کا وہ کام نہیں ہے بلکہ جو کام تمہارے موضوع کا ہے اس میں لگو، اسی طرح عورت کا بھی ایک تقاضا ہے کہ وہ مردوں سے الگ رہے۔ حق تعالیٰ سبحانہ نے زندگی کے دو حصے کر دیئے ہیں، ایک گھریلو زندگی، اور ایک باہر کی زندگی۔ تو باہر کی زندگی کا ذمہ دار مردوں کو بنایا ہے، اور گھریلو زندگی کا عورتوں کو ذمہ دار قرار دیا ہے، تو مرد کا یہ کام نہیں ہے کہ گھر میں بیٹھ کر کھانا پکائے اور بچوں کو دودھ پلائے اور ان کی پرورش کرے، یہ عورتوں کا کام ہے، اور مرد کا کام یہ ہے کہ باہر جائے اور کمائے اور ذریعہ معاش پیدا کرے اور عورتوں اور بچوں کے نان نفقہ کا انتظام کرے، اگر عورتوں کو باہر کی زندگی میں لگاؤ تو گھریلو زندگی کا کیا حال ہوگا؟ اسی طرح اگر مردوں کو گھریلو زندگی میں پھانس دو تو باہر کی زندگی کا کیا حال ہوگا؟ ایسا کر دیا گیا تو جو فطری نظام بنا ہوا ہے وہ درہم برہم ہو جائے گا، اس لئے مرد و عورت ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں رہ کر کام کریں تبھی نظام درست ہوسکتا ہے۔

(مقالات حکیم الاسلام)

انسان کے دل میں "خواطر" کی پیدائش

انسان جن ارادوں کو اپنے دل میں پاتا ہے انہی کے مطابق اسے کام کرنے کی ہمت اور آمادگی ہوتی ہے۔ضروران ارادوں کے کچھ نہ کچھ اسباب ہوں گے۔انسان جب تک کسی کام کو اپنے لئے مفید نہ سمجھ لے اس کی قوتیں اس کے کرنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتیں۔یہ "مفید سمجھنا کبھی کبھی تو فوراً ہو جاتا ہے۔جیسے کسی نے کہا کہ یہ اچھی بات ہے اور اسے سن کر فوراً مان لیا۔لیکن یہ حالت انسان کے لئے قابل تعریف نہیں ہے۔اس طرح کے لوگ انسانی سوسائٹی میں ادنی درجے کے گنے جاتے ہیں۔کبھی ایسے انسان بھی دیکھنے میں آتے ہیں کہ انہیں کسی بات کی خوبی لاکھ سمجھاؤ وہ اسے سمجھ ہی نہیں سکتے۔یہ طبقہ بھی کسی کام کا نہیں ہے۔انسانی سوسائٹی کا وہ طبقہ جس کے کاموں سے کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسانیت کیا ہوتی ہے وہ ان کا درمیانی طبقہ ہے۔یہ طبقہ جب تک کسی چیز کی خوبی کو خود نہ سمجھ لے اسے اچھا نہیں سمجھتا۔جو چیز کسی کام کی خوبی منوا سکتی ہے وہ یک لخت سمجھ میں نہیں آجاتی۔بلکہ اس کام کے متعلق پہلے چھوٹے چھوٹے خیالات پیدا ہوتے ہیں۔جیسے کسی آدمی کو کامیاب ہوتے دیکھا۔اس کی طرف توجہ ہوئی تو اس چیز کے اچھا ہونے کے متعلق ایک خیال دل میں پیدا ہوا اور گزر گیا۔پھر کسی سے اس چیز کے متعلق کچھ تعریفی باتیں سنیں اور پہلے کی نسبت ذرا زوردار خیال پیدا ہو گیا۔ان چھوٹے چھوٹے خیالوں کو ''خاطر" کہتے ہیں (خاطر کی جمع خواطر آتی ہے جب خواطر بار بار دل میں آتے رہتے ہیں تو انسان اس کام کو اچھا سمجھنے لگ جاتا ہے۔پھر اس کی سب قوتیں اس کام کو سرانجام دینے میں لگ جاتی ہیں۔پس انسان کی ذہنیت کی تحلیل (Analysis) میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ جتنے کام انسان کرتا

ہے، ان کا قریبی سبب یہی خواطر ہوتے ہیں۔

خواطر کے پیدا ہونے کے اسباب:

۱)۔انسان کی جبلت

واضح رہے کہ انسان کے دل میں ایسے چھوٹے چھوٹے خیالات اٹھتے ہیں جو کسی کام پر اکساتے ہیں (ان چھوٹے چھوٹے خیالات کو جو ارادہ پکا ہونے سے پہلے انسان کے دماغ میں آتے جاتے رہتے ہیں خواطر کہتے ہیں) ضروری ہے کہ ان خواطر کے بھی اسباب ہوں۔ کیونکہ یہ اللہ تعالی کا عام قاعدہ ہے کہ ہر کام کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور ہوتا ہے۔ اب عقلی غور وفکر اور تجربہ دونوں متفق ہیں کہ جن اسباب سے یہ دلی خواطر پیدا ہوتے ہیں وہ بہت سے ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑا سبب انسان کی وہ جبلت یا فطرت ہے جس پر وہ پیدا کیا جاتا ہے۔ اس کا ذکر (جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں آیا ہے) ہم پہلے (پچھلے باب میں) کر آئے ہیں۔ (اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔ **اذا سمعتم بجبل زال من مكانه فصدقوه واذا سمعتم برجل تغير من خلقه فلا تصدقوا به فانه يصير لك ماجبل عليه**۔ (جب تم سنو کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو اسے چاہے مان لو، لیکن جب تم سنو کہ کوئی شخص اپنی فطرت سے بدل گیا ہے تو یہ بات بھی نہ مانو کیونکہ وہ پھر اپنی فطرت کی طرف لوٹ جائے گا۔)

۲)۔انسان کا مزاج

دوسرا سبب انسان کا طبعی مزاج ہے جو کھانے پینے وغیرہ کے طبعی حالات سے بدلتا رہتا ہے۔ اس مزاج کو بھی خواطر (چھوٹے چھوٹے ذہنی خیالات کے پیدا کرنے میں بڑا دخل

ہے۔ جیسے بھوکا انسان کھانا مانگتا ہے (یعنی اس کے دل میں کھانے کے خواطر پیدا ہوتے ہیں) اور پیاسا پانی مانگتا ہے (اس کے دل میں پانی پینے کے خواطر پیدا ہوتے ہیں) جس جوان آدمی کی طبیعت پر شہوت کا غلبہ ہو اسے عورت کی خواہش ہوتی ہے۔ بعض اوقات انسان ایسی غذائیں کھاتا ہے جن سے قوت جنسی زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ اس آدمی کا رجحان بھی عورتوں کی طرف زیادہ ہوتا ہے اور وہ جنس لطیف ہی کی باتیں کر کے خوش ہوتا ہے۔ چنانچہ اکثر اوقات وہ بعض کام انہی خیالات سے متاثر ہو کر کر گزرتا ہے۔ کبھی انسان ایسی غذا کھاتا ہے جس سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ اس سے اس میں قتل کرنے کی جرات پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے ایسی باتوں پر غصہ آنے لگتا ہے جن پر دوسرے لوگ خفا نہ ہوں۔ اگر دونوں قسم کے انسان ریاضت کریں۔ مثلاً روزہ رکھیں، رات کو تہجد پڑھا کریں یا وہ بوڑھے ہو جائیں یا وہ کسی سخت بیماری میں مبتلا ہو جائیں تو اکثر ان کا مزاج بدل جائے گا۔ اب ان کے دل نرم ہو جائیں گے (یعنی کسی کو قتل کرنے کی جرات نہ کریں گے نہ انہیں جلد غصہ آئے گا) اور ان کی طبیعتیں پاکیزہ ہو جائیں گی اور ان کے دل میں گندے خیالات نہیں آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کام کرنے کی قوت کے لحاظ سے بوڑھے اور جوان میں فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوڑھے کو روزے کی حالت میں اجازت دے رکھی ہے کہ وہ اپنی بیوی کا بوسہ لے لے۔ لیکن اس قسم کی اجازت جوان کو حاصل نہیں ہے۔ (اس مزاج کو متغیر مزاج کہا جائے گا)

۳)۔ دل بستگی

انسان کے دل میں خواطر (چھوٹے چھوٹے خیالات پیدا ہونے کا تیسرا سبب عادت اور دل بستگی ہے۔ اس لئے جس شخص کا دل کسی چیز سے زیادہ لگ جاتا ہے اور چیزوں کی جو

حالتیں اور شکلیں انسان کے دل پر چھا جاتی ہیں اس کے اکثر خواطر انہی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ (مثلاً ایک شخص کے دل میں وطن کی محبت ہے۔ وہ انسانی بہتری کے لئے جتنی کوشش کرے گا اس کا دل اپنے وطن کی خدمت کی طرف زیادہ مائل ہوگا)

۴)۔ روحانی میلان

چوتھا سبب انسان کا روحانی میلان ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی روح حیوانیت (بہیمیت) کے پنجے سے چھوٹ جاتی ہے۔ اس حالت میں وہ فوراً حظیرۃ القدس میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں سے اسے کوئی نورانی کیفیت حاصل ہو جاتی ہے جس سے کبھی تو اچھے کاموں کی طرف طبیعت خود بخود رغبت کرنے لگتی ہے۔ کبھی اس کا دل اطمینان سے بھر جاتا ہے۔ کبھی کسی اونچے درجے کے اچھے کام کرنے کا پختہ ارادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

۵)۔ شیطانی اثر

پانچواں سبب شیطانی طاقتوں کا اثر ہے۔ اس میں بعض کم درجے کے انسان شیطانی قوتوں سے اثر لے لیتے ہیں اور ان کے رنگ میں کسی نہ کسی حد تک رنگین ہو جاتے ہیں۔ ان حالتوں سے انسان کے دل میں برے برے خیالات آتے ہیں اور ان خیالات کے آنے سے وہ برے کام بھی کر گزرتا ہے۔

ہم خواب کیوں دیکھتے ہیں؟

اب یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ انسان جو خواب دیکھتا ہے ان کے اصول انسان کے دل کے خواطر (چھوٹے چھوٹے آنے جانے والے خیالات) کے اصول سے ملتے جلتے ہیں۔ یعنی جن اسباب سے انسان کے دل میں جاگتے میں خواطر پیدا ہوتے ہیں انہی

اسباب سے سوتے میں خواب آتے ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ خواب کے لئے انسان کے دماغ میں صفائی آجاتی ہے اس لئے خواطر (خیالات کی صورتیں اور شکلیں صاف نظر آنے لگتی ہیں (یعنی جاگتے میں انسان بہت سی چیزوں کی طرف توجہ دیتا ہے اس لئے دماغ میں خیالات سرسری طور پر آتے جاتے رہتے ہیں۔اس وقت انسان کے ذہن میں اتنی صفائی نہیں ہوتی کہ خواطر نظر آنے لگیں۔ بلکہ گول مول ذروں کی طرح ایک چیز دل میں آجاتی ہے اور اپنا تھوڑا سا اثر پیدا کر دیتی ہے۔لیکن خواب میں یہ خیالات اتنے صاف صاف ہوتے ہیں کہ وہ نظر آنے لگتے ہیں۔مثلاً بیداری میں ایک اونچی ہمت والا انسان کوئی پروگرام سوچ لیتا ہے اور اس کی کامیابی کا یقین کر لیتا ہے۔یہ جاگتے میں تو گول مول سا ہوتا ہے۔لیکن وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ اس کے ساتھ بہت سے آدمی جمع ہو گئے ہیں اور انہوں نے مل کر ایک قلعہ فتح کر لیا ہے۔یہ گویا اس خیال کی تصویر تھی جو اسے خواب میں نظر آ گئی۔

ابن سیرینؒ کہتے ہیں کہ خواب تین قسم کے ہوتے ہیں:

۱۔حدیث نفس یعنی انسان کے دل کے اندر کی بات۔

۲۔شیطانی تخویف یعنی اچھے کاموں سے روکنے کے لئے شیطان واقعات کی بہت خوفناک صورتیں پیش کرنے لگتا ہے۔

۳۔بشارت یعنی اچھے کام کرنے کی صورت میں انسان کی طبیعت میں خوشی پیدا کر دی جاتی ہے اور کسی مشکل کے وقت آسانی ظاہر کرنے والا خواب آجاتا ہے۔

نوٹ:۔جس طرح ابن سیرینؒ نے خواب کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے اس طرح شاہ صاحبؒ نے بھی خواطر کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

۱)۔جبلت، مزاج اور عادات کا تغیر: یہ تینوں سبب ابن سیرینؒ کے "حدیث نفس" کے قائم مقام ہیں۔

۲)۔ملاءاعلی سے اثر لینا:۔یہ ابن سیرینؒ کی بشارت" کی جگہ آتا ہے۔

۳)۔شیاطین سے اثر لینا:۔یہ ابن سیرینؒ کے شیطانی تخویف" کی جگہ ہے۔

(شرح حجۃ اللہ البالغہ/مولانا عبید اللہ سندھیؒ)

امام صاحب، فجر کی نماز اور غلطی

صبح سویرے مختلف ائمہ مساجد کی قرات سننا مصر کے فرماں رَوا ابن طولون کی عادت میں شامل تھا ایک دن (قرأت سن کر گھر لوٹے تو) اپنے مصاحب سے کہنے لگے:

یہ دینار لے جاؤ اور فلاں مسجد کے امام صاحب کو دے آؤ! مصاحب کہتا ہے: میں دینار لے کر امام صاحب کے ہاں پہنچا، تو ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا۔امام صاحب میرے ساتھ گُھل مِل گئے اور اپنے دُکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے:"میری بیوی کے ہاں ولادت ہونے والی ہے، لیکن میرے پاس اتنی رقم بھی نہیں کہ اُن کے لیے ضروری سامان لاسکوں، اسی پریشانی میں آج نماز پڑھاتے وقت بھی کئی غلطیاں ہوگئیں۔

مصاحب کہتا ہے میں نے واپس آکر ابن طولون کو ساری بات بتائی تو وہ کہنے لگے: امام صاحب نے سچ کہا، میں آج ان کی قرأت سنی تو وہ بہت غلطیاں کررہے تھے، میں نے سمجھ لیا ان کا دل کسی اور طرف مشغول ہے۔(اسی لیے انھیں رقم بھجوائی)

(الاذکیاء لابن جوزی)

بت خانہ بھی رہا، کبھی یہ کعبۂ دل

علامہ حلبی نے سیرت حلبیہ میں مشہور صحابی حضرت خوات بن جبیرؓ کے متعلق لکھا ہے کہ اسلام لانے سے قبل ایک دن وہ چند عورتوں کے پاس سے گزرے، ان عورتوں کے حسن نے دل موہ لیا، ان کے پاس بیٹھنے کے لیے یہ بہانہ تراشا کہ میرا اونٹ بھاگ گیا ہے، میرے ساتھ تم رسی بٹ دو، اس بہانہ سے حضرت خوات بن جبیر ان عورتوں کے پاس بیٹھ گئے، اتفاقاً، ادھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلّم حقیقت حال سمجھ گئے لیکن خاموشی کے ساتھ وہاں سے گزر گئے، بعد میں جب حضرت خوات بن جبیر اسلام لے آئے تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے ان سے پوچھا:

''مافعل بعیرك الشارد ؟''

آپ کے بھاگنے والے اونٹ کا کیا بنا؟'' حضرت خوات بن جبیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریض سمجھ گئے اور بڑا خوبصورت جواب دیا، کہا یارسول اللہ !قیدہ الاسلام یعنی یارسول اللہ! اس کو تو اسلام نے باندھ لیا، اندازہ لگائیے، اسلام کی آمد سے زندگی کی اخلاقی قدر میں کس طرح بدلیں۔

(سیرت حلبیہ/بحوالہ کتابوں کی درسگاں میں)

ایثار و ہمدردی کا ایک انوکھا واقعہ

ایثار و ہمدردی یعنی دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح دینا اور دوسرے کے غم اور دکھ درد میں شریک ہونا اسلام کی معاشرتی تعلیمات میں سے ہے، معاشرہ کے اجتماعی نظام کے استحکام

اور بقاء میں اس کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے، اسلامی معاشرہ کی تاریخ میں اسلام کی تعلیم ایثار و ہمدردی کے بڑے عجیب واقعات ملتے ہیں ان میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو خطیب بغدادی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب تاریخ بغداد میں امام واقدی کے حالات میں لکھا ہے:

واقدی کا بیان ہے کہا ایک مرتبہ مجھے بڑی مالی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، فاقوں تک نوبت پہنچی، گھر سے اطلاع آئی کہ عید کی آمد آمد ہے اور گھر میں کچھ نہیں، بڑے تو صبر کرلیں گے، لیکن بچے مفلسی کی عید کیسے گذاریں گے؟ یہ سن کر میں اپنے ایک تاجر دوست کے پاس قرض لینے گیا، وہ مجھے دیکھتے ہی سمجھ گیا اور بارہ سو درہم کی سربمہر ایک تھیلی میرے ہاتھ تھمادی، میں گھر آیا، ابھی بیٹھا ہی تھا کہ میرا ایک ہاشمی دوست آیا، اس کے گھر بھی افلاس و غربت نے ڈیرہ ڈالا تھا، وہ قرض رقم چاہتا تھا، میں نے گھر جا کر اہلیہ کو قصہ سنایا، کہنے لگی، کتنی رقم دینے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا، "تھیلی کی رقم نصف نصف تقسیم کرلیں گے، اس طرح دونوں کا کام چل جائے گا کہنے لگی، "بڑی عجیب بات ہے، آپ ایک عام آدمی کے پاس گئے، اس نے آپ کو بارہ سو درہم دیئے اور آپ اسے ایک عام آدمی کے عطیہ کا نصف دے رہے ہیں، آپ اسے پوری تھیلی دیدیں چنانچہ میں نے وہ تھیلی کھولے بغیر سربمہر اس کے حوالہ کردی، وہ تھیلی لے کر گھر پہنچا تو میرا تاجر دوست اس کے پاس گیا، کہا، "عید کی آمد آمد ہے، گھر میں کچھ نہیں، کچھ رقم قرض چاہیے" ہاشمی دوست نے وہی تھیلی سربمہر اس کے حوالہ کردی، اپنی ہی تھیلی اسی طرح سربمہر دیکھ کر اسے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ ماجرا کیا ہے؟ وہ تھیلی ہاشمی دوست کے ہاں چھوڑ کر میرے پاس آیا، میں نے اسے پورا قصہ سنایا، در حقیقت تاجر دوست کے پاس بھی اس تھیلی کے علاوہ کچھ نہیں تھا وہ سارا مجھے دے گیا تھا، اور خود قرض لینے ہاشمی کے پاس چلا، ہاشمی نے جب وہ حوالہ کرنا چاہا تو راز کھل گیا۔ ایثار و

ہمدردی کے اس انوکھے واقعہ کی اطلاع جب وزیر یحی بن خالد کے پاس پہنچی تو وہ دس ہزار دینار لے کر آئے، کہنے لگے، ان میں دو ہزار آپ کے، دو ہزار آپ کے ہاشمی دوست کے، دو ہزار تاجر دوست کے اور چار ہزار آپ کی اہلیہ کے ہیں کیونکہ وہ تو سب میں زیادہ قابل قدر اور لائق اعزاز ہے۔

(بحوالہ کتابوں کی درسگاں میں)

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا

مولانا عبدالعزیز میمنی برصغیر میں عربی ادب کے نامور ادیبوں میں سے ہیں، ڈاکٹر خورشید رضوی ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''انہوں نے مطالعہ میں کیسی جانکاہ محنت کی تھی، اس کا اندازہ اس بات سے ہوگا کہ ایک روز از روئے شفقت انہوں نے میرے حافظے کی تعریف فرمائی تو میں نے عرض کیا کہ حافظہ تو دراصل آپ کا ہے کہ اس پیرانہ سالی میں آپ کو اس قدر ادبی سرمایہ نوک زبان ہے، فرمایا، "نہیں، آپ ایک بار سن کر یاد رکھتے ہیں جب کہ میں نے یہ سب کچھ سو سو مرتبہ نظر سے گذارا ہے"

(تالیف از ڈاکٹر خورشید رضوی، ص: ۲۴ / بحوالہ کتابوں کی درسگاں میں)

مکافات عمل

احمد بن طولون کو اپنے حوض کے پاس ایک بچہ پڑا ہوا ملا، اس نے اس کو اٹھالیا اس کی پرورش اور دیکھ بھال بڑی توجہ اور جانفشانی سے کی، اس کا نام احمد رکھا اور وہ احمد یتیم'' کے

نام سے مشہور ہوا، اللہ نے اس کو ذہانت وفطانت اور ظاہری و باطنی خوبیوں سے خوب نوازا تھا، احمد بن طولون کا جب آخری وقت آ گیا تو اس نے احمد یتیم کو اپنے بیٹے ابوالجیش کے سپرد کر دیا، جب احمد بن طولون دنیا سے رخصت ہوا تو ابوالجیش نے احمد کو بلا کر کہا" میں تمھیں اپنے یہاں ایک منصب پر فائز کرنا چاہتا ہوں لیکن میری یہ عادت ہے کہ میں کسی شخص کو کوئی ذمہ داری سپرد کرنے سے پہلے اس سے یہ عہد و پیمان لیتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ کسی قسم کی خیانت کا ارتکاب نہیں کرے گا" احمد یتیم نے عہد کر لیا تو ابوالجیش نے اسے اپنے مال و اسباب کا نگران اور تمام حشم وخدم کا امیر مقرر کر دیا، ابوالجیش، احمد یتیم کا بڑا خیال رکھتا تھا احمد یتیم نے بھی اپنی ایمانداری، صاف گوئی، خدمت اور دیگر اعلی صلاحیتوں کے ذریعہ اس کے دل میں گھر کر لیا تھا، یہاں تک کہ وہ اپنے گھریلو امور کے سلسلے میں بھی اس پر اعتماد کرتا تھا۔

ایک دن اس نے احمد یتیم سے کہا،" میری فلاں باندی کے کمرے میں جاؤ، جس جگہ میں بیٹھتا ہوں، وہاں ایک موتی رکھا ہوگا اسے لے کر آؤ احمد یتیم جب اس کمرے میں داخل ہوا تو اس نے امیر ابوالجیش کی چہیتی اور خاص لونڈی کو ایک خادم کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں پایا، خادم نے جب احمد یتیم کو دیکھا تو نکل بھاگا، لونڈی احمد یتیم کے پاس آ کر اسے بھی پیش کش کرنے لگی، احمد یتیم نے کہا، اللہ کی پناہ میں اپنے محسن کے ساتھ خیانت نہیں کر سکتا، میں نے اس کے ساتھ عہد کر رکھا ہے یہ کہہ کر اس نے موتی اٹھایا اور امیر کی خدمت میں جا کر پیش کیا۔ احمد یتیم کے لونڈی کے یہاں سے اس طرح چلے آنے کے بعد وہ شدید ڈر اور خوف میں مبتلا ہوگئی کہ کہیں وہ امیر کو خبر نہ کر دے، مگر جب کچھ دن اطمینان سے گزر گئے اور امیر کے مزاج میں کوئی غیر معمولی تبدیلی نظر نہ آئی تو لونڈی کے

خوف میں کچھ کمی واقع ہوئی ،لیکن پھر ایسا اتفاق ہوا کہ امیر نے ایک نئی لونڈی خرید لی ،اور اس کو سب سے زیادہ چاہنے لگا طرح طرح کے انعام واکرام سے نوازنے لگا۔پہلی لونڈی نے جب یہ صورتحال دیکھی تو وہ دل ہی دل میں کڑھنے لگی ،اس نے یہ یقین کرلیا کہ ضرور احمد یتیم نے اس کی خیانت کا ذکر امیر سے کر دیا ہے،لہذا اس نے احمد یتیم سے بدلہ لینے کی ٹھانی ، چنانچہ ایک دن روتی ہوئی امیر ابوالجیش کے پاس آئی اور دھاڑیں مار مار کر کہنے لگی ، احمد یتیم نے میری عزت سے کھیلنے کی کوشش کی ہے امیر نے جب یہ سنا تو غیظ وغضب سے کانپنے لگا اور فوراس کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا،لیکن پھر کچھ سوچ کر اپنے ارادے کو مؤخر کیا ، اپنے ایک قابل اعتماد خادم کو بلا کر کہا ، میں ایک شخص کو سونے کا طشت دیکر تمہارے پاس بھیجوں گا ،وہ جب تم سے آکر کہے کہ اس طشت کو مشک سے بھر دو تو تم اس کو قتل کر کے اس کا سر طشت میں ڈھانپ کر میرے پاس لے آنا" چنانچہ امیر نے اپنے خواص اور مقربین کی ایک محفل جمائی ،مشروبات کا دور چلنے لگا ، احمد یتیم بھی اسکے سامنے بیٹھا ہوا تھا ، وہ بڑا پر سکون اور ہشاش بشاش تھا ،اس کے چہرے پر کسی قسم کی کوئی پریشانی دکھائی نہ دیتی تھی ، اتنے میں امیر نے ایک طشت احمد یتیم کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ،" احمد یتیم ! یہ طشت فلاں خادم کے پاس لے جاؤ اور اس سے کہو کہ امیر نے اس میں مشک بھرنے کا حکم دیا ہے"۔

احمد طشت لے کر چل پڑا ، راستے میں جب وہ باقی مصاحبین وخدام کے پاس سے گزرنے لگا تو انہوں نے اس کو روک لیا اور مجلس کے بارے میں پوچھنے لگے ،احمد یتیم نے جان چھڑانے کی کوشش کی اور کہا ،" مجھے امیر نے کسی کام سے بھیجا ہے لیکن انہوں نے ایک نہ سنی اور کہا ،کسی دوسرے کو بھیج دو ، جب وہ لے آئے تو پھر تم امیر کی خدمت میں لے جانا ،

چنانچہ اس نے ادھر ادھر دیکھا تو اس کی نظر اس خادم پر پڑی جس کو اس نے باندی کے ساتھ دیکھا تھا، احمد یتیم نے اسے طشت تھماتے ہوئے کہا، "فلاں خادم کے پاس جا کر اس سے کہو کہ امیر نے حکم دیا ہے اس کو مشک سے بھر دو" خادم نے جا کر اس طرح کہا، امیر کے حکم کے مطابق خادم خاص نے اس کا سر کاٹا اور طشت میں ڈھانپ کر چل پڑا، راستے میں احمد یتیم نے اس سے طشت لے لیا اور اس سے بے پروا ہو کر کہ اس میں کیا ہے، امیر کی خدمت میں جا پہنچا، امیر نے جب اسے طشت لئے زندہ سلامت اندر آتے دیکھا تو حیرت سے کبھی احمد یتیم کو دیکھتا تو کبھی طشت کو، احمد یتیم نے طشت امیر کے سامنے رکھا اور کپڑا ہٹایا تو اسکی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، اب وہ بھی گم صم تھا، کبھی طشت میں رکھے انسانی سر کو دیکھتا تو کبھی امیر کو۔ جب اسے کچھ سمجھ نہ آیا تو بے اختیار پکار اٹھا، یہ کیا ہے؟ امیر خود اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، بالآخر اس نے امیر کے پاس سے طشت لے کر جانے سے واپس آنے تک کی ساری کارگزاری سنائی اور اس کے علاوہ کسی بات سے لاعلمی کا اظہار کیا، امیر نے احمد یتیم کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا، "تم اس کے متعلق ایسی کوئی بات جانتے ہو جس کی وجہ سے میں اس انجام تک پہنچا ہے؟ احمد یتیم نے کہا، اے امیر! اس نے ایک خیانت کا ارتکاب کیا تھا جس کا آج اسے خمیازہ بھگتنا پڑا ہے، میں نے آپ کو اطلاع نہ دیکر اس کے جرم کی پردہ پوشی کی تھی پھر اس نے اول سے آخر تک ساری کہانی امیر کو سنا ڈالی، امیر نے لونڈی کو طلب کیا اور اس سے تفتیش کی تو اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اور احمد یتیم کی پاکدامنی کی تصدیق کی، امیر نے لونڈی کو احمد یتیم کے سپرد کرتے ہوئے اس کے قتل کا حکم دیا چنانچہ لونڈی کو قتل کر دیا گیا، اس واقعہ کے بعد امیر ابوالجیش کی نگاہ میں احمد یتیم کی قدر و منزلت مزید بڑھ گئی اور اس نے تمام امور کی زمام تصرف اس کے حوالے کر دی۔ غور

کر میں دیانت دار کو اس کی دیانت کا صلہ اور خیانت والے کو اس کی خیانت کا بدلہ کس طرح ملا۔

(المستطرف/بحوالہ کتابوں کی درسگاں میں)

بے بسی

ایک مرتبہ سعید بن مسیب کسی مجلس میں بیٹھے فرمارہے تھے" میں نے چالیس (۴۰) سال اس طرح بسر کئے کہ اذان سے قبل مسجد میں موجود ہوتا تھا یہ کہہ کر وہ نماز کے ارادے سے اٹھے تو دیکھا کہ لوگ نماز سے فارغ ہو کر مسجد سے نکل رہے ہیں۔

(المستطرف/بحوالہ کتابوں کی درسگاں میں)

کردار کا غازی

مولانا غازی احمد صاحب ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے، تیرہ سال کی عمر میں انہوں نے اسلام قبول کیا، ان کے والدین اور سارا خاندان متعصب ہندو تھے، جس کی وجہ سے انہیں بڑی تکالیف سہنا پڑیں، انہوں نے اسلام قبول کرنے اور اپنی زندگی کی ایمان افروز داستان '' من الظلمت الی النور '' کے نام سے لکھی ہے، جس کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جب ہندو ۱۹۴۷ء میں بھارت ہندوستان منتقل ہو رہے تھے، اس زمانے کا وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لوگ جب کیمپ میں منتقل ہو رہے تھے تو میری خالہ نے والدہ صاحبہ کی وساطت سے ایک بوری میں لپٹا ہوا کچھ مال میرے پاس بطور امانت رکھا کہ اگر ہم چکوال کیمپ

میں زندہ بچ گئے تو اپنا مال واپس لے لیں گے، اگر ہم مارے گئے تو یہ مال تمھارے کام آئیگا۔ میں نے کہا ''خالہ جان! اللہ تعالی آپ کو سلامت رکھیں، میں مال کا طالب نہیں ہوں "میں نے یہ مال صوفی جان محمد صاحب کو بتایا اور سامان ان کے گھر رکھ دیا، ایک روز میں نے صوفی صاحب سے کہا ''دیکھیں تو سہی بوری میں کیا ہے ..... جب کھول کر دیکھا تو کپڑے میں تقریبا دو سیر سونا ۸۰ پونڈ اور تقریباً بیس بائیس سیر چاندی تھی، مال کو اس طرح باندھ کر بوری میں لپیٹ دیا گیا۔ ایک دن شام کے وقت اطلاع ملی کہ صبح چکوال سے ایک اسپیشل ٹرین کیمپ والوں کو لے کر انڈیا جارہی ہے، مجھے فور امانت کا خیال آیا، صوفی صاحب بھی گھر پر نہ تھے، اللہ تعالی پر توکل کرتے ہوئے امانت کو سائیکل پر باندھا اور چکوال روانہ ہوگیا، سورج غروب ہو چکا تھا، اس دور میں راستہ بھی غیر محفوظ تھا۔ چکوال کے راستے میں ایک دو جگہ سکھوں کی لاشیں دیکھ چکا تھا مگر ضمیر کی آواز تھی کہ جلد چکوال پہنچ کر امانت خالہ کے حوالے کروں، عشاء کے وقت کیمپ میں پہنچ گیا، فوجی حضرات نے پوچھا، دیر سے آئے ہو، میں نے کہا ایک ضروری کام تھا، جب میں کیمپ میں داخل ہوا تو میری خالہ اور خالو بہت خوش ہوئے کہ بھگوان کی دیا سے ہمارا مال پہنچ گیا ہے۔ کیمپ کے ہندو حضرات جمع ہو گئے، میں نے سائیکل سے امانت کھول کر خالو صاحب کے حوالے کی کہ اپنا مال دیکھ لیں، تمام حضرات میری دیانت داری پر بہت خوش ہوئے، ایک صاحب فرمانے لگے ''ہندو خون ہے، دیانت داری کیوں نہ ہو'' میں نے کہا" جی حضرت آپ غلط کہہ رہے ہیں اگر میں مسلمان نہ ہوتا تو یہ مال کب کا ٹھکانے لگ چکا ہوتا، اسلام نے مجھے سکھایا ہے کہ امانت میں خیانت قبیح ترین جرم ہے، حق دار کو اس کا حق صحیح وسالم واپس کرو، خدا کا شکر ہے کہ میں مسلمان تھا اور آپ کا یہ حق واپس کر رہا ہوں" وہ صاحب کہنے لگے ''اگر

تمام مسلمان تمہاری طرح ہوتے تو شاید ہمیں اپنا حق اور علاقہ چھوڑ کر نہ جانا پڑتا'' والدہ صاحبہ بہت خوش تھیں کہ تو نے میری عزت میں اضافہ کر دیا، میں خود بھی امانت واپس کر کے بہت خوش تھا کہ الحمد للہ میں نے بد دیانتی کا ارتکاب کر کے اسلام کے مقدس دامن کو داغدار نہیں کیا، اللہ تعالی مجھے حرام رزق سے بچائے۔

(من الظلمات الی النور/ بحوالہ کتابوں کی درسگاں میں)

حجاج کے ساتھ ایک دیہاتی کی حکیمانہ گفتگو

سعید بن ابی عروبہ کہتے ہیں ایک مرتبہ حجاج بن یوسف حج کے سفر پر نکلا ہوا تھا کہ راستے میں پانی کے ایک چشمے پر قیام کیا اور دربان سے کہا جاؤ کسی شخص کو تلاش کر کے لاؤ جو ہمارے ساتھ کھانا کھائے اور ہم اس سے کچھ گفتگو بھی کر سکیں دربان نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو اسے ایک اعرابی سویا ہوا نظر آیا، آ کر پاؤں کی ٹھوکر سے اسے جگایا اور حجاج کے پاس لے آیا، حجاج نے اس سے کہا ہاتھ دھو کر آؤ اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ'' اعرابی نے کہا'' آج تم سے بہتر ہستی نے مجھے دعوت دے رکھی ہے اور میں اسے قبول بھی کر چکا ہوں'' حجاج نے حیران ہو کر کہا،" کس نے تمہیں دعوت دے رکھی ہے؟" اعرابی نے کہا،" اللہ تعالی نے مجھے روزہ رکھنے کی دعوت دی ہے اور میں روزہ رکھ چکا ہوں" حجاج نے کہا اس قدر گرمی میں؟" اعرابی نے کہا اس سے بھی زیادہ گرمی میں رکھتا رہا ہوں" حجاج نے کہا" کل رکھ لینا'' اعرابی نے کہا اگر آپ کل تک زندہ رہنے کی ضمانت دیتے ہیں تو ٹھیک ہے" حجاج نے کہا یہ تو میرے اختیار میں نہیں" اعرابی نے کہا تو پھر آپ مجھ سے نقد کے بدلے ایسے ادھار کا مطالبہ کیسے کرتے ہیں جو آپ کے اختیار میں ہی نہیں؟" حجاج نے کہا'' یہ کھانا بہت

عمدہ ہے دیہاتی نے کہا ''ارے عافیت ہے تو کھانا عمدہ محسوس ہو رہا ہے، اس کی عمدگی عافیت ہی کی بدولت ہے''۔

(عیون الاخبار/بحوالہ کتابوں کی درسگاں میں)

حکیمانہ دعا

ایک اعرابی ملتزم کے پاس کھڑا یوں دعا کر رہا تھا ''اے اللہ! آپ کے جو حقوق مجھ پر ہیں وہ مجھے بخش دیجئے اور لوگوں کی جو ادائیگیاں مجھ پر لازم ہیں، انہیں اپنے ذمہ لے لیجئے، آپ ہر مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور میں بھی مہمان ہوں لہذا آج کی رات جنت سے میری مہمان نوازی کیجئے''۔

(بحوالہ کتابوں کی درسگاں میں)

بصیرت افروز جواب کی تاثیر

تارتاری قوم جس نے عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی اور جس نے لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا، شیخ جمال الدین نامی ایک بزرگ کا حکیمانہ جملہ اس قوم کے اجتماعی طور سے اسلام قبول کرنے کا سبب بنا، چنانچہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ لکھتے ہیں:

'' سلطان کاشغر کے مسلمان ہونے کی نسبت جس کا نام تغلق تیمور خان (۱۳۴۷۔ ۱۳۶۳) تھا، لکھا ہے کہ بخارا سے ایک بزرگ شیخ جمال الدین کاشغر آئے اور انہوں نے تغلق تیمور کو مسلمان کیا، شیخ جمال الدین اور ان کے ساتھی ہم سفر تھے کہ نادانستہ تغلق کی شکاری زمین پر ان کا گذر ہوا، بادشاہ نے اس قصور میں ان سب لوگوں کی مشکیں

کسوا کر اپنے سامنے طلب کیا، اور نہایت غصہ کی حالت میں ان سے پوچھا کہ تم کیوں ہماری زمین پر بغیر اجازت داخل ہوئے؟ شیخ نے جواب دیا کہ ہم اس ملک میں اجنبی ہیں، اور ہم کو مطلق خبر نہ تھی کہ ہم ایسی زمین پر چل رہے ہیں جس پر چلنے کی ممانعت ہے، بادشاہ کو جب علم ہوا کہ یہ لوگ ایرانی ہیں، تو اس نے کہا ایرانی سے کتا بہتر ہوتا ہے، شیخ نے کہا کہ سچ ہے، اگر دین برحق ہمارے پاس نہ ہوتا تو فی الحقیقت ہم کتے سے بھی بدتر تھے، یہ جواب سن کر تغلق تیمور حیران رہ گیا، اور حکم دیا کہ جب ہم شکار سے واپس آئیں تو یہ ایرانی ہمارے سامنے حاضر کئے جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، بادشاہ نے شیخ جمال الدین کو علیحدہ لے جا کر کہا کہ جو کچھ تم اس وقت کہتے تھے، اس کو اب سمجھاؤ دین برحق سے تمہارا کیا مطلب ہے؟، یہ سن کر شیخ نے اسلام کے احکامات اور ارکان کو ایسے جوش سے بیان کیا کہ تغلق تیمور کا دل جو پہلے پتھر تھا، اب موم کی طرح نرم پڑ گیا، شیخ نے حالت کفر کا ایسا نقشہ کھینچا کہ بادشاہ کو اپنی غلطیوں سے اب تک بے بصیرت رہنے کا یقین ہو گیا، لیکن اس نے کہا کہ اگر اس وقت میں اپنا مسلمان ہونا ظاہر کروں گا تو پھر رعایا کو راہ راست پر نہ لاسکوں گا، اس لئے کچھ عرصہ کے لئے تم سکوت کرو، جب میں اپنے باپ کے ملک اور تخت کا مالک بنوں تو تم اس وقت میرے پاس آنا، چغتائیہ سلطنت چھوٹی چھوٹی عملداریوں میں تقسیم ہو گئی تھی، اور برسوں کے بعد تغلق تیمور اس قابل ہوا کہ ان سب عملداریوں کو شامل کر کے پھر قلمرو چغتائیہ کی مثل ایک سلطنت قائم کر دے، اس عرصہ میں شیخ جمال الدین اپنے وطن چلے گئے، اور یہاں سخت بیمار پڑے، جب موت کا وقت قریب آیا، تو اپنے بیٹے رشید الدین سے کہا "تغلق تیمور ایک دن بڑا بادشاہ ہوگا، تم اس وقت اس کے پاس جانا اور میرا اسلام پہنچا کر بے خوف وخطر بادشاہ کو یاد دلانا کہ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا چند سال

کے بعد تغلق تیمور نے باپ کا تخت حاصل کرلیا، تو ایک دن رشید الدین بادشاہ کے لشکر میں پہنچا کہ باپ کی وصیت پوری کرے، لیکن باوجود کوشش کے اس کو خان کے دربار میں حضوری نہ ہوئی، آخر کار مجبور ہوکر اس نے یہ تدبیر کی کہ ایک دن علی الصباح تغلق کے خیمہ کے قریب اذان شروع کی، تغلق کی جب نیند خراب ہوئی تو غصہ ہوا، اس نے رشید الدین کو اپنے سامنے بلوایا، رشید الدین آیا اور اپنے باپ کا پیغام اس کو سنایا، تغلق کو پہلے ہی اپنے وعدہ کا خیال تھا، وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا، اس کے بعد اپنی رعایا میں اسلام کی اشاعت کی ۔اس زمانہ میں ان تمام ملکوں کا مذہب اسلام ہوگیا، جو چغتائی بن چنگیز خان کی اولاد کے تسلط میں رہتے تھے۔

(تاریخ دعوت وعزیمت جلد:۱/بحوالہ کتابوں کی درسگاں میں)

ایک درویش کی نصیحت بادشاہ کے جان کو بچالیا

ایک بادشاہ تھا، ایک دن جب وہ شکار سے واپس آرہا تھا اس نے ایک درویش کو سرِ راہ بیٹھا ہوا دیکھا جو یہ صدا لگا رہا تھا ''میرے پاس ایک نصیحت ہے جو مجھے سو اشرفیاں دے گا یہ میں اسے دوں گا''

بادشان نے درویش کی اس صدا کو سنا تو وہ اپنے گھوڑے کو اس کے قریب لایا اور ٹھہر گیا ۔اس نے درویش سے دریافت کیا، تیرے پاس کیا نصیحت ہے؟ درویش نے جواب دیا: اشرفیاں نکال اور میرے ہاتھ میں دے تو میں تجھے اپنی نصیحت دوں، بادشاں نے حکم دیا کہ درویش کے دامن میں اشرفیاں گن دی جائیں۔تب درویش نے کہا، اے بادشاہ میری نصیحت تیرے لئے یہ ہے کہ جب کبھی تو کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرے تو اس کے انجام کو

پہلے سوچ لے اور پھر عمل کر۔

سب کے سب مصاحبین جو حاضر تھے کہنے لگے، ہر شخص اس بات کو جانتا ہے، لیکن بادشاہ نے اس فقیر کو انعام واکرام دیا۔ وہ درویش کے ان الفاظ سے بہت خوش ہوا اور اس نے حکم دیا کہ محل کے دروازہ اور دوسرے مقامات پر ان الفاظ کو تحریر کر دیا جائے۔

کچھ عرصہ بعد ایک دوسرا بہت بڑا بادشاہ اس بادشاہ کا دشمن ہو گیا اور موقع کی تلاش میں رہنے لگا، لیکن جب اس کے ہاتھ کوئی موقع نہ آیا تو اس نے سوچا کہ مجھے خود چلنا چاہیے اور بادشاہ کے جراح کو دنیاوی بہتری کا لالچ دے کر ایک زہر آلود نشتر دینا چاہیے۔ جب بادشاہ بیمار ہوگا تو وہ اس نشتر سے اس فصد کو کھول دے گا، یہ سوچ کر اس نے بھیس بدلا اور چل پڑا، اس نے جراح کو زہر میں بجھا ہوا نشتر دے دیا اور دس ہزار اشرفیاں اس کے حوالے کر دیں۔

جراح ہوس کا بندہ تھا اس نے مناسب موقع پر اس نشتر سے بادشاہ کی فصد کھولنے کا وعدہ کر لیا، یہ طے ہو جانے پر ایک دن جراح نے وہی زہر آلود نشتر ساتھ لیا اور بادشاہ کے پاس پہنچا، خادموں نے طشت تیار کیا جراح نے اس کے کنارہ پر یہ تحریر دیکھی ''جب کبھی تو کسی کام کا ارادہ کرے اس کے انجام پر بھی غور کرے'' جب جراح نے یہ پڑھا تو اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں اس نشتر سے بادشاہ کی فصد کھولنے والا ہوں یقیناً وہ مر جائے گا اس وقت یہ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے بلکہ کسی رو رو ایت کے قتل کر دیں گے اس کے بعد یہ اشرفیاں مجھے کسی کام کے آئیں گی۔ یہ سوچ کر اس نے وہ نشتر ہٹا لیا اور اسے اس کی جگہ رکھ دیا اور ایک دوسرا نشتر نکالا تاکہ وہ اس سے بادشاہ کی فصد کھولے، جب اس نے بادشاہ کا بازو دوسری مرتبہ پکڑا تو بادشاہ نے پوچھا، تو نے پہلے نشتر سے میری فصد کیوں نہیں کھولی؟

جراح نے عرض کیا، اے بادشاہ! اس کی نوک پر کچھ گرد جم گئی تھی، بادشاہ نے کہا میں نے اسے دیکھا ہے وہ شاہی خزانے کا نشتر معلوم نہیں ہوتا، اسمیں کچھ راز ہے، جلد بتا ورنہ میں تجھے قتل کردوں گا، جراح نے جب موقع کا احساس کیا تو اس نے شروع سے آخر تک تمام واقعہ بیان کردیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ اس نے کس طرح طشت کے کنارے پر وہ تحریر پڑھی اور کس طرح اس نے اپنا ارادہ بدل دیا، بادشاہ نے جراح کو خلعت فاخرہ عطا کی اور وہ اشرفیاں بھی اس کو بخش دیں جو اس کے دشمن نے اس کو دی تھیں تب بادشاہ نے کہا:

''درویش کی نصیحت کی قیمت ایک ہزار اشرفیاں نہیں بلکہ دس ہزار اشرفیاں ہیں''

(داستان چہل وزیر/ بحوالہ سلاطین ترکیہ)

ظلمت سے اجالے تک

قبول اسلام کی ایمان افروز سرگزشت:

محترمہ امینہ جنان کا تعلق امریکہ سے ہے۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں اسلام قبول کیا تھا۔ اس سے قبل وہ امریکہ کے سنڈے اسکولوں میں عیسائیت کی تعلیم دیا کرتی تھیں۔ وہ فروری ۱۹۹۰ء میں پاکستان آئیں اور اسلام پر اپنے محکم یقین بے شمار خواتین اور مردوں کو متاثر کر گئیں۔ محترمہ موصوفہ نے مختلف مواقع پر اپنے قبول اسلام کی وجوہ بیان کی ہیں۔ انہیں سے استفادہ کر کے ذیل کی خودنوشت مرتب کی گئی ہے۔

میں جنوری 1945ء میں امریکہ کی ریاست لاس اینجلس کے علاقے ویسٹ میں پیدا ہوئی۔ میرے والدین پروٹسنٹ عیسائی تھے اور ننھیال و ددھیال دونوں طرف مذہب کا بڑا چرچا تھا۔ میں اسکول کے آٹھویں گریڈ میں تھی کہ میرے والدین کو فلوریڈا انتقل ہونا پڑا اور

باقی تعلیم وہیں مکمل ہوئی۔ میری تعلیمی حالت بہت اچھی تھی، خصوصاً بائبل سے مجھے خاص دلچسپی تھی اور اس کے بہت سے حصے مجھے زبانی یاد تھے۔ اس سلسلے میں میں نے متعدد انعامات بھی حاصل کیے۔ میں غیر نصابی سرگرمیوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی اور ویمن لبریشن موومنٹ (تحریک آزادی نسواں) کی پرجوش کارکن تھی۔ ہائی اسکول کی تعلیم ختم ہوئی تو میری شادی ہوگئی اور اس کے ساتھ ہی میں ماڈلنگ کے پیشے سے منسلک ہو گئی۔ خدا نے مجھے اچھی شخصیت عطا کی تھی اور میں خوب محنت کرتی تھی، اس لیے میرا کاروبار خوب چمکا۔ پیسے کی ریل پیل ہوگئی۔ شوفر، بہترین گاڑیاں غرض آسائش کا ہر سامان میسر تھا۔ حالت یہ تھی کہ بعض اوقات ایک جوتا خریدنے کے لیے میں ہوائی سفر کر کے دوسرے شہر جاتی تھی۔ اس دوران میں میں ایک بیٹے کی ماں بھی بن گئی، مگر سچی بات ہے کہ ہر طرح کے آرام و راحت کے باوجود دل مطمئن نہ تھا۔ بے سکونی اور اداسی جان کا گویا مستقل آزار بن گئی تھی اور زندگی میں کوئی زبردست خلا محسوس ہوتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے ماڈلنگ کا پیشہ ترک کر دیا۔ دوبارہ مذہبی زندگی اختیار کر لی اور مختلف تعلیمی اداروں میں مذہبی تبلیغ کی رضا کارانہ خدمات انجام دینے لگی۔ اس کے ساتھ ہی میں نے مزید تعلیم کے لیے یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا۔ خیال تھا کہ اس بہانے شاید روح کو کچھ سکون ملے گا۔ اس وقت میری عمر تیس سال تھی۔

اسے خوش قسمتی ہی کہیے کہ مجھے ایک ایسی کلاس میں داخلہ ملا، جس میں سیاہ فام اور ایشیائی طالب علموں کی خاصی بڑی تعداد تھی۔ بڑی پریشانی ہوئی، مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ مزید گھٹن یہ دیکھ کر محسوس ہوئی کہ ان میں خاصے مسلمان تھے اور مجھے مسلمانوں سے سخت نفرت تھی۔ عام یورپین آبادی کی طرح، میرے خیال میں بھی، اسلام وحشت و جہالت کا

مذہب تھا اور مسلمان غیر مہذب، عیاش، عورتوں پر ظلم کرنے والے اور اپنے مخالفوں کو زندہ جلا دینے والے لوگ تھے۔ امریکہ اور یورپ کے عام مصنفین اور مؤرخین یہی کچھ لکھتے آ رہے ہیں۔ بہرحال شدید ذہنی کوفت کے ساتھ تعلیم شروع کی، پھر اپنے آپ کو سمجھایا کہ میں ایک مشنری ہوں۔ کیا عجب کہ خدا نے مجھے ان کافروں کی اصلاح کے لیے یہاں بھیجا ہو، اس لیے مجھے پریشان نہیں ہونا چاہیے چنانچہ میں نے صورت حال کا جائزہ لینا شروع کیا تو حیرت میں مبتلا رہ گئی کہ مسلمان طالب علموں کا رویہ، دیگر سیاہ فام نوجوانوں سے بالکل مختلف تھا۔ وہ شائستہ، مہذب اور باوقار تھے۔ وہ عام امریکی نوجوانوں کے برعکس نہ لڑکیوں سے بے تکلف ہونا پسند کرتے، نہ آوارگی اور عیش پسندی کے رسیا تھے۔ میں تبلیغی جذبے کے تحت ان سے بات کرتی، ان کے سامنے عیسائیت کی خوبیاں بیان کرتی تو وہ بڑے وقار اور احترام سے ملتے اور بحث میں الجھنے کے بجائے مسکرا کر خاموش ہو جاتے۔ میں نے اپنی کوششوں کو یوں بے کار جاتے دیکھا تو سوچا کہ اسلام کا مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ اس کے نقائص اور تضادات سے آگاہ ہو کر مسلمان طالب علموں کو زچ کر سکوں، مگر دل کے گوشے میں یہ احساس بھی تھا کہ عیسائی پادری، مضمون نگار اور مؤرخ تو مسلمانوں کو وحشی، گنوار، جاہل اور نہ جانے کن کن برائیوں کا مرقع بتاتے ہیں، لیکن امریکی معاشرت میں پلنے بڑھنے والے ان سیاہ فام مسلمان نوجوانوں میں تو ایسی کوئی برائی نظر نہیں آتی، بلکہ یہ باقی سب طلبہ سے مختلف و منفرد پاکیزہ رویے کے حامل ہیں، پھر کیوں نہ میں خود اسلام کا مطالعہ کروں اور حقیقتِ حال سے آگاہی حاصل کروں۔ چنانچہ اس مقصد کی خاطر میں نے سب سے پہلے قرآن کا انگریزی ترجمہ پڑھنا شروع کیا اور میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ یہ کتاب دل کے ساتھ ساتھ دماغ کو بھی اپیل کرتی ہے۔ عیسائیت پر غور و

فکر کے دوران اور بائبل کے مطالعے کے نتیجے میں ذہن میں کتنے ہی سوال پیدا ہوتے تھے، مگر کسی پادری یا دانشور کے پاس ان کا کوئی جواب نہ تھا اور یہی تشنگی روح کے لیے مستقل روگ بن گئی تھی، مگر قرآن پڑھا تو ان سارے سوالوں کے ایسے جواب مل گئے، جو عقل اور شعور کے عین مطابق تھے۔ مزید اطمینان کے لیے اپنے کلاس فیلو مسلمان نوجوانوں سے گفتگوئیں کیں۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو اندازہ ہوا کہ میں اب تک اندھیروں میں بھٹک رہی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں میرا نقطۂ نظر صریحاً بے انصافی اور جہالت پر مبنی تھا۔ مزید اطمینان کی خاطر میں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی تعلیمات کا مطالعہ کیا تو یہ دیکھ کر مجھے خوشگوار حیرت ہوئی کہ امریکی مصنفین کے پروپیگنڈے کے بالکل برعکس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوع انسان کے عظیم محسن اور سچے خیر خواہ ہیں، خصوصاً انھوں نے عورت کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا، اس کی پہلے یا بعد میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ ماحول کی مجبوریوں کی بات دوسری ہے، ورنہ میں طبعاً بہت شرمیلی ہوں اور خاوند کے سوا کسی مرد سے بے تکلفی پسند نہیں کرتی۔ چنانچہ جب میں نے پڑھا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بے حد حیادار تھے اور خصوصاً عورتوں کے لیے عفت و پاکیزگی اور حیا کی تاکید کرتے ہیں تو میں بہت متاثر ہوئی اور اسے عورت کی ضرورت اور نفسیات کے عین مطابق پایا۔ پھر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کا مقام جس درجہ بلند فرمایا، اس کا اندازہ اس قول سے ہوا کہ جنت ماں کے قدموں میں ہے اور آپ کے اس فرمان پر تو میں جھوم اٹھی کہ عورت نازک آبگینوں کی طرح ہے اور تم میں سے سب سے اچھا شخص وہ ہے جو اپنی بیوی سے اچھا سلوک کرتا ہے۔ قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے میں مطمئن ہوگئی اور تاریخ اسلام کے مطالعے اور اپنے مسلمان

کلاس فیلو نوجوانوں کے کردار نے مسلمانوں کے بارے میں میری ساری غلط فہمیوں کو دور کر دیا اور میرے ضمیر کو میرے سارے سوالوں کے جواب مل گئے۔ تو میں نے اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا ذکر میں نے متذکرہ طالب علموں سے کیا، تو وہ 21 مئی 1977ء کو میرے پاس چار ذمے دار مسلمانوں کو لے آئے۔ ان میں سے ایک ڈینور (Denever) کی مسجد کے امام تھے۔ چنانچہ میں نے ان سے چند مزید سوالات کیے اور کلمہ شہادت پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔

میرے قبول اسلام پر پورے خاندان پر گویا بجلی گر پڑی۔ ہمارے میاں بیوی کے تعلقات واقعی مثالی تھے اور میرا شوہر مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا، مگر میرے قبول اسلام کا سن کر اسے غیر معمولی صدمہ ہوا۔ میں اسے پہلے بھی قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی اور اب پھر سمجھانے کی بہت سعی کی، مگر اس کا غصہ کسی طرح ٹھنڈا نہ ہوا اور اس نے مجھ سے علیحدگی اختیار کر لی اور میرے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ عارضی طور پر دونوں بچوں کی پرورش میری ذمہ داری قرار پائی۔ میرے والد بھی مجھ سے گہری قلبی وابستگی رکھتے تھے، مگر اس خبر سے وہ بھی بے حد برافروختہ ہوئے اور غصے میں ڈبل بیرل شاٹ گن لے کر میرے گھر آئے تاکہ مجھے قتل کر ڈالیں۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ میں بچ گئی اور وہ ہمیشہ کے لیے قطع تعلق کر کے چلے گئے۔ میری بڑی بہن ماہر نفسیات تھی، اس نے اعلان کر دیا کہ یہ کسی دماغی عارضے میں مبتلا ہو گئی ہے اور اس نے سنجیدگی سے مجھے نفسیاتی انسٹی ٹیوٹ میں داخل کرانے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ میری تعلیم مکمل ہو چکی تھی، میں نے معاشی ضرورتوں کے پیش نظر ایک دفتر میں ملازمت حاصل کر لی، لیکن ایک روز میری گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا اور تھوڑی سی تاخیر ہو گئی تو مجھے ملازمت سے نکال دیا گیا۔ فرم والوں کے

نزدیک میرا اصل جرم یہی تھا کہ میں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔اس کے ساتھ ہی حالت یہ تھی کہ میرا ایک بچہ پیدائشی طور پر معذور تھا۔وہ دماغی طور پر بھی نارمل نہ تھا اور اس کی عام صحت بھی ٹھیک نہ تھی، جبکہ بچوں کی تحویل اور طلاق کے مقدمے کے باعث امریکی قانون کے تحت مقدمے کے فیصلے تک میری ساری جمع پونجی منجمد کر دی گئی تھی۔ ملازمت بھی ختم ہوئی تو میں بہت گھبرائی اور بے اختیار رب جلیل کے حضور سربسجود ہوگئی اور گڑگڑا کر خوب دعائیں کیں۔ اللہ کریم نے میری دعائیں قبول فرمائیں اور دوسرے ہی روز میری ایک جاننے والی خاتون کی کوشش سے مجھے ایسٹرسیل پروگرام میں ملازمت مل گئی اور میرے معذور بیٹے کا علاج بھی بلا معاوضہ ہونے لگا۔ ڈاکٹروں نے دماغ کے آپریشن کا فیصلہ کیا اور اللہ کے فضل سے یہ آپریشن کامیاب رہا۔ بچہ تندرست ہوگیا اور میری جان میں جان آئی۔لیکن آہ! ابھی آزمائشوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا۔عدالت میں بچوں کی تحویل کا مقدمہ دو سال سے چل رہا تھا، آخر کار دنیا کے اس سب سے بڑے جمہوری ملک کی آزاد عدالت نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر بچوں کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہو تو اسلام سے دستبردار ہونا پڑے گا کہ اس قدامت پرست مذہب کی وجہ سے بچوں کا اخلاق خراب ہوگا اور تہذیبی اعتبار سے انھیں نقصان پہنچے گا۔عدالت کا یہ فیصلہ میرے دل و دماغ پر بجلی بن کر گرا۔ایک مرتبہ تو میں چکرا کر رہ گئی۔ زمین آسمان گھومتے ہوئے نظر آئے، مگر اللہ کا شکر ہے کہ اس کی رحمت نے مجھے تھام لیا اور میں نے دوٹوک انداز میں عدالت کو کہہ دیا کہ میں بچوں سے جدائی گوارا کر لوں گی، مگر اسلام اور ایمان کی دولت سے دستبردار نہیں ہوسکتی، چنانچہ بچی اور بچہ دونوں باپ کی تحویل میں دے دیے گئے۔اس کے بعد ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے اپنا تعلق گہرا کرلیا اور تبلیغ دین میں منہمک ہوگئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ساری

محرومیوں کے باوجود ایک خاص قسم کے سکون و اطمینان سے سرشار رہی۔ میرے خیر خواہوں نے اصرار کے ساتھ مشورہ دیا کہ مجھے کسی باعمل مسلمان سے عقد ثانی کر لینا چاہیے کہ عورت کے لیے تنہا زندگی گزارنا مناسب و مستحسن نہیں ہے۔ چنانچہ ایک مراکشی مسلمان کی طرف سے نکاح کی پیشکش ہوئی تو میں نے قبول کر لی۔ یہ صاحب ایک مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ قرآن خوب خوش الحانی سے پڑھتے اور سننے والوں کو مسحور کر دیتے۔ میں دین سے ان کے گہرے تعلق سے بڑی متاثر ہوئی اور ان سے نکاح کر لیا۔ عدالت نے میری رقوم واگزار کر دی تھیں، چنانچہ میں نے اپنے خاوند کو اچھی خاصی رقم دی کہ وہ اس سے کوئی کاروبار کریں، مگر وائے ناکامی کہ شادی کو صرف تین ماہ گزرے کہ میرے خاوند نے مجھے طلاق دے دی۔ اس نے کہا مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں، میں تمھارے لیے سراپا احترام ہوں، مگر اکتا گیا ہوں، اس لیے معذرت کے ساتھ طلاق دے رہا ہوں۔ میں نے اسے جو بھاری رقم دی، چونکہ اس کی کوئی تحریر موجود نہ تھی، اس لیے وہ بھی اس نے ہضم کر لی اور اس کی مدد سے جلد ہی دوسری شادی رچالی۔ طلاق کے چند ماہ بعد اللہ نے مجھے بیٹا عطا فرمایا۔ اس کا نام میں نے محمد رکھا۔ اب یہ بیٹا ماشاء اللہ دس برس کا ہے۔ وجیہ و شکیل اور بڑا ذہین ہے۔ اسے ہی دیکھ دیکھ کر میں جیتی ہوں۔ اب میں نے اپنے آپ کو اللہ کے فضل سے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے لیے وقف کر دیا ہے اور جی چاہتا ہے کہ بقیہ زندگی اسی مبارک فریضے کی نذر ہو جائے۔ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ میں نے قرآن کو خوب پڑھا ہے۔ امریکہ میں اس وقت قرآن کے ستائیس ترجمے دستیاب ہیں، میں نے ان میں سے دس کا بالاستیعاب مطالعہ کر لیا ہے۔ عربی زبان بھی سیکھ لی ہے اور جہاں ترجمے میں کوئی بات کھٹکتی ہے، فون پر عربی کے کسی سکالر سے معلوم کر لیتی ہوں۔ الحمد

للہ میں مختلف کتب حدیث یعنی بخاری، مسلم، ابوداؤد اور مشکوٰۃ کا کئی کئی بار مطالعہ کر چکی ہوں اور اسلام کو جدید ترین اسلوب میں سمجھنے کے لیے مختلف مسلمان علما کی کتابوں کا بھی مطالعہ کرتی رہتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ جب تک ایک مبلغ قرآن، حدیث اور اسلام کے بارے میں بھرپور معلومات نہ رکھتا ہو تو وہ تبلیغ کے تقاضوں سے کما حقہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ ایک زمانہ تھا کہ میں اتوار کا دن آرام کرنے کے بجائے کسی سنڈے اسکول میں بچوں کو عیسائیت کے اسباق پڑھاتی تھی۔ آج اللہ کے کرم سے میں اتوار کا دن اسلامک سنٹروں میں گزارتی ہوں اور وہاں مسلمان بچوں کو دینی تعلیم دینے کے علاوہ دیگر مضامین بھی پڑھاتی ہوں۔ لاس اینجلس میں مختلف مقامات پر مختلف نوعیت کی نمائشوں، کانفرنسوں اور مجالس مذاکرات کا اہتمام کر کے غیر مسلموں تک دین اسلام کا پیغام پہنچانے کی کوشش کرتی ہوں۔ میں ان سے کہتی ہوں کہ میں نے آپ لوگوں کو تبدیلی مذہب کے لیے نہیں بلایا، بلکہ اس لیے زحمت دی ہے کہ ہم ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کریں اور میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ میں اسلام سے کیوں وابستہ ہوں، زندگی کی کیا حقیقت ہے؟ اور انسان اور اللہ کا باہمی تعلق کیا ہے؟ میں بحمد للہ ریڈیو اور ٹی وی پر بھی اسلامی تعلیمات پیش کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔ یہ بھی اللہ ہی کی توفیق ہے کہ میں نے مختلف مقامات پر مسلم وومن اسٹڈی سرکل قائم کیے ہیں، جن میں غیر مسلم خواتین بھی آتی ہیں۔ میں انھیں بتاتی ہوں کہ اسی امریکہ میں آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے عورتوں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی اور ایک عورت کو گھوڑے سے بھی کم قیمت پر یعنی ڈیڑھ سو روپے میں خریدا جا سکتا تھا۔ بعد کے ادوار میں بھی عورت کو باپ یا شوہر کی جائیداد میں سے کوئی حصہ نہ ملتا تھا، حتیٰ کہ اگر وہ شادی کے موقع پر ایک لاکھ ڈالر شوہر کے گھر میں لے جاتی اور چند ہی ماہ بعد

طلاق حاصل کرنا پڑتی تو وہ ساری رقم شوہر کی ملکیت قرار پاتی تھی۔ تعلیم کے مواقع بھی اسے میسر نہ تھے۔ اور اس ایٹمی و سائنسی دور میں بھی صورت حال یہ ہے کہ امریکہ میں عملاً عورت دوسرے درجے کی شہری ہے۔ وہ مردوں کے برابر کام کرتی ہے، مگر معاوضہ ان سے کم پاتی ہے، وہ ہمیشہ عدم تحفظ کا شکار رہتی ہے۔ پندرہ برس کی کم عمر کے بعد والدین بھی اس کی کفالت کا ذمہ نہیں لیتے اور اسے خود ملازمت کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ شادی کے بعد طلاق کا خوف اسے ہمہ وقت گھیرے رکھتا ہے اور طلاق کے بعد جو یورپین زندگی کا لازمہ بن گئی ہے، نہ والدین اور نہ بھائی اس کا غم بانٹتے ہیں۔ بچوں کی ذمہ داری بھی اس کے سر پڑتی ہے اور سابق شوہر بچوں کا بمشکل تیس فی صد خرچ برداشت کرتے ہیں، یعنی پچاس ڈالر ماہوار کے حساب سے ادا کرتے ہیں، جس سے ایک بچے کا جوتا خریدنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ میں خواتین کو بتاتی ہوں کہ اس کے برعکس اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے خواتین کو جو حقوق عطا کیے تھے، اس کی انسانی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ بحیثیت بیٹی، بہن، بیوی اور ماں اسے خاص احترام اور حقوق حاصل ہیں۔ باپ، خاوند، بھائیوں اور بیٹوں کی جائیداد سے اسے حصہ ملتا ہے اور طلاق کی صورت میں اولاد کی کفالت کا ذمہ دار شوہر ہوتا ہے۔ شادی کے موقع پر خاوند کی حیثیت کے مطابق اسے معقول رقم (یعنی مہر) کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ خاوند کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ اپنی شریک حیات کے ساتھ بہترین سلوک روا رکھے اور اس کی غلطیوں کو معاف کرے اور اس باپ کے لیے جنت میں اعلیٰ ترین انعامات کی خوش خبری دی گئی ہے، جو اپنی بچیوں کی محبت اور شفقت سے پرورش کرتا اور ان کی دینی تربیت کر کے انھیں احترام سے رخصت کرتا ہے اور اس اعزاز کی تو کہیں ادنیٰ سی بھی مثال نہیں ملتی کہ ماں کے قدموں میں جنت قرار دی گئی ہے اور

باپ کے مقابلے میں اسے تین گنا واجب الاحترام قرار دیا گیا ہے۔ میں جب یہ تقابلی موازنہ کرتی ہوں تو امریکی عورتوں کے منہ حیرت سے کھلے رہ جاتے ہیں۔ وہ تحقیق کرتی ہیں، مطالعہ کرتی ہیں اور جب انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ میں صحیح بات کرتی ہوں اور واقعتاً اسلام نے عورت کو غیر معمولی حقوق واحترام عطا کیا ہے، تو وہ اسلام قبول کر لیتی ہیں، چنانچہ اللہ کا شکر ہے کہ اب تک میرے ذریعے سے تقریباً چھ سو امریکی خواتین دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکی ہیں۔ خواتین میں تبلیغ کے ساتھ ساتھ میرا ہدف شعبہ تعلیم ہے، جس کے نصابات میں اسلام کے بارے میں طرح طرح کے اعتراضات والزامات ہیں۔ ٹی وی پروگراموں میں بھی جا بے جا اسلام کے خلاف زہر افشانی کی جاتی ہے، چنانچہ میں نے عزم کر لیا ہے کہ اس تکلیف دہ صورت حال کی اصلاح کرنی چاہیے، اس کے لیے میں اکیڈمی آف ریلی جیس سائنس کے کارپردازوں سے ملی، یہی لوگ نصابات اور ٹی وی پروگراموں میں اسلام کی غلط تصویر کشی کے ذمہ دار ہیں۔ میں نے اصرار کے ساتھ ان سے بحث مباحثہ کیا اور انھیں قائل کیا کہ اگر نشان دہی کر دی جائے تو وہ متعلقہ حصوں کی اصلاح کر دیں گے، چنانچہ میں نے مسلمان والدین کو توجہ دلائی۔ امریکہ میں مختلف قسم کی انجمنوں سے رابطہ قائم کیا اور انھیں آمادہ کیا کہ وہ بچوں کی نصابی کتب میں غلط اور قابل اعتراض باتوں کی نشان دہی کریں۔ ان کوششوں کے نتیجے میں اسلامک فاؤنڈیشن (IFOD) کا قیام عمل میں آیا، جس کے تحت نصابی کتابوں میں اسلام کے خلاف منفی اور قابل اعتراض مواد کی نشان دہی کی جاتی ہے، اسی طرح امریکہ کی یونیورسٹیوں میں اسلامیات کا مضمون یہودی، عیسائی اور ہندو پڑھاتے ہیں۔ ہم نے IFOD کی وساطت سے یہ مطالبہ کیا کہ اسلامیات کی تدریس پر صرف مسلمان اساتذہ کا تقرر کیا جائے، مجھے امید ہے کہ ان شاء

اللہ ہم یہ مطالبہ منظور کرالیں گے۔ آخر میں یہ خوش کن خبر بھی سناتی جاؤں کہ میرا وہ خاندان جس نے میرا مکمل سوشل بائیکاٹ کر دیا تھا، اللہ کے فضل سے اس کے بیش تر افراد اسلام قبول کر چکے ہیں۔ میرے والد جو مجھے قتل کرنے کے درپے تھے، مسلمان ہو چکے ہیں اور والدہ، سوتیلے والد، دادی، دادا اور خاندان کے کئی دیگر افراد بھی حلقہ بگوش اسلام ہو چکے ہیں، حتیٰ کہ میرا وہ بیٹا جو اپنے عیسائی باپ کے پاس رہتا تھا اور جس کی مذہبی تربیت عیسائیت کے عین مطابق بڑے اہتمام سے ہو رہی تھی، ایک روز میرے پاس آیا اور کہنے لگا: ممی! اگر میں اپنا نام تبدیل کر کے فاروق رکھ لوں تو آپ کے نزدیک کیسا رہے گا؟ میں پہلے حیرت اور پھر مسرت کے بے پناہ احساس سے سرشار ہو گئی، میں نے اسے گلے سے لگا لیا، پیار کیا اور اسلام کی دعوت پیش کی تو اس نے فوراً ہی کلمہ پڑھ لیا۔ فاروق اب بھی باپ کی تحویل میں ہے، مگر راسخ العقیدہ مسلمان ہے۔ میری وہ بہن جو مجھے پاگل سمجھتی تھی، ایک تقریب میں اس نے میری تقریر سنی، تو بے اختیار تعریف کرنے لگی۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ وہ بھی ایک روز دائرۂ اسلام میں آ جائے گی۔ یہ بھی اللہ کی عنایت ہے کہ امریکہ میں رہتے ہوئے باپردہ زندگی گزار رہی ہوں۔ اس ملک میں چہرے پر نقاب ڈال کر ادھر ادھر جانا تو ممکن ہی نہیں کہ اس سے بے شمار مشکلات آڑے آتی ہیں، تاہم چہرے اور ہاتھوں کے سوا میں سارے جسم کو ڈھیلے لباس میں مستور رکھتی ہوں، تاہم اس میں بھی قدم قدم پر تعصب اور تنگ نظری کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ اندازہ کیجیے کہ ایک مرتبہ میں اسی لباس میں ایک بینک میں گئی تو جب تک وہاں موجود رہی، بینک کا گن مین میرے سر پر رائفل تانے کھڑا رہا۔ ایک پی ایچ ڈی خاتون ملازمت کے لیے منتخب ہوئی مگر اسے پہلے روز ہی اس لیے فارغ کر دیا گیا کہ وہ حجاب میں تھی۔ اس نوعیت کی مثالیں بے شمار ہیں۔ ایک بار

میں نے ریڈیو پر بچوں کا پروگرام کیا، اسے ایوارڈ کا مستحق قرار دیا گیا، مگر تقریب سے ایک روز قبل جب کمیٹی کے ارکان سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے مجھے اسلامی لباس میں دیکھا تو کمال ڈھٹائی سے انھوں نے ایوارڈ منسوخ کر دیا۔ بہرحال یہ ہے امریکہ کا ماحول اور یہ ہیں وہ رکاوٹیں، جن میں رہ کر مجھے تبلیغ دین کا کام کرنا پڑ رہا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے استقامت عطا کرے اور میں آخر وقت تک نہ صرف خود ایمان و یقین سے سرشار رہوں، بلکہ یہ روشنی دوسروں تک بھی پہنچاتی رہوں۔ آمین

(ماہنامہ تدریس القرآن کراچی/ جنوری ۱۹۹۸ء)

بغداد میں تاتاریوں کا فتنہ

۶۵۶ھ کے درمیان بنوعباس کا آخری خلیفہ مستعصم باللہ بغداد کا خلیفہ بن گیا یہ شخص غیر مدبر بھی تھا اور امور مملکت چلانے میں نالائق شہزادہ تھا اس کا ایک وزیر تھا جس کا نام علقمی تھا جو کٹر غالی متعصب علوی شیعہ تھا اس نے بدعقیدگی اور خبث باطن کی وجہ سے چاہا کہ بغداد پر عباسیوں کے خلافت کے بجائے علویوں کی حکومت آجائے اس منصوبے کو کامیاب بنانے کے لئے علقمی نے سب سے پہلے تاتاریوں سے رابطہ کیا اور چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کی دعوت دے دی ہلاکو خان بغداد کے لوگوں کی شجاعت اور اسلامی خلافت سے ڈر رہا تھا مگر وزیر علقمی رافضی نے نہایت چالاکی کے ساتھ بغداد سے اسلامی افواج کو ادھر ادھر کاموں پر روانہ کر دیا اور بغداد عسکری قوت سے خالی ہو گیا۔ اس کے بعد پوری صورت حال بتا کر شیعہ وزیر علقمی نے تاتاریوں کو ایک بار پر بغداد پر حملہ کی دعوت دے دی اور بغداد سے سینکڑوں شیعوں نے ہلاکو خان کو خطوط لکھ دیئے

کہ آپ فوراحملہ کردیں کیونکہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک تاتاری سردار عراق پر قبضہ کرے گا ہمارا خیال ہے کہ وہ آپ ہے لہذا جلدی حملہ کردیں۔ ادھر ہلاکو خان کے حلقہ میں ایک مشہور ہیجڑا رافضی نصیر الدین طوسی تھا وہ بھی ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کرنے کے لئے ابھار رہا تھا۔ اس کا اور علقمی کا خیال تھا کہ جب بغداد سے اسلامی خلافت ختم ہوجائے گی تو یہاں ہماری علوی ریاست قائم ہوجائے گی بہر حال ہلاکو خان کو حوصلہ ملا اور اس نے بغداد پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر اس نے پہلے اپنا ہراول فوجی دستہ بھیجا اور بغداد پر حملہ کیا جو کامیاب رہا اس کے بعد ہلاکو خان نے اپنی بڑی فوج بغداد پر چڑھادی محاصرہ بھی سخت تھا اور ان کا مقابلہ بھی سچ تھا شیعہ بغداد کے اندر سے مسلسل ہلاکو خان کو اطلاعات فراہم کرتے رہے یعنی انہوں نے اندر سے جاسوسی کا محاظ مستحکم کر رکھا تھا۔ رافضی وزیر علقمی ملعون نے عباسی خلیفہ مستعصم باللہ سے کہا کہ آپ ہلاکو خان کے ساتھ مذاکرات کریں اور بغداد شہر سے باہر جاکر ہلاکو خان سے ملاقات بھی کریں یہ نہایت ضروری ہے وہ لوگ آپ کا انتظار کررہے ہیں اور آپ کا اکرام بھی کریں گے۔

چنانچہ مسلمانوں کا بادشاہ جب بغداد سے باہر جاکر ہلاکو خان سے ملا تو اس نے کہا کہ آپ تو اکیلے ہیں یہ وسیع مذاکرات ہیں اس میں سرکردہ علماء اور قوم کے سردار اور فوج کے کمانڈروں کی شرکت ضروری ہے آپ ان سب کو بلالیں اس غیر مدبر نادان بادشاہ نے جب ان لوگوں کو بلالیا تو ہلاکو خان نے ان سب کو بادشاہ کے سامنے قتل کردیا اور پھر خلیفہ سے کہا کہ بغداد شہر میں پیغام بھیج دو کہ لوگ سب کے سب ہتھیار ڈال دیں اور شہر کو خالی کرکے باہر آجائیں چنانچہ اس محبوس نالائق خلیفہ نے یہ بھی کیا اس کے پیغام پر لاکھوں انسان باہر آتے گئے اور تاتاری ان کو قتل کرتے گئے خون کی کثرت سے ندیاں بہہ گئیں اور

دریائے دجلہ کا پانی سرخ خون کی طرح بہنے لگا اس کے بعد تاتاری بغداد شہر میں کسی مزاحمت کے بغیر داخل ہو گئے۔عورتوں اور بوڑھوں نے سروں پر قرآن رکھ کر امان مانگی مگر تاتاریوں نے کسی کو نہ دیکھا اور نہ امان دی بلکہ سب کو قتل کر دیا چنانچہ تہہ خانوں اور کنوؤں میں چند آدمی بچ گئے باقی ساری مخلوق موت کے گھاٹ اتار دی گئی۔

دوسرے دن 9 صفر 656ھ میں ہلاکو خان سے عباسی خلیفہ کے ساتھ شہر بغداد میں عام دربار لگا دیا اور بادشاہ سے خزانوں کی ساری کنجیاں لے کر تمام خزانوں کو لوٹ لیا اور پھر خلیفہ کو ایک کال کوٹھری میں بھوکا پیاسا ڈال دیا اس کے بعد ہلاکو خان سے محقق طوسی ابلیس اور علقمی شیطان نے کہا کہ مسلمانوں کے اس خلیفہ کے گندے خون سے تلوار کو گندی نہ کرو بلکہ ایک بوری میں باندھ کر لاتوں سے اس کو کچل دو ہلاکو خان نے کہا کہ یہ کام آپ خود کریں یہ آپ کے سپرد ہے چنانچہ علقمی رافضی نے اپنے محسن بادشاہ مستعصم باللہ کو بوری میں ڈال کر ستون کے ساتھ باندھ دیا اور لاتوں سے مار مار کر کچل دیا اور پھر تاتاریوں کے گھوڑوں کے سموں کے نیچے ڈال دیا گھوڑوں نے اس کو ریزہ ریزہ علقمی شیطان یہ دیکھتا رہا اور خوش ہوتا رہا اس سے خلافت عباسیہ کے دور کا خاتمہ ہو گیا اور بنو عباس کا آخری خلیفہ کو گور وکفن بھی نصیب نہ ہوا۔اس کے بعد ہلاکو خان نے اسلامی کتب خانوں کا رخ کیا اور عظیم علمی سرمایہ کو آگ لگا دی اور کتابوں کو دجلہ میں بہا دیا اب دجلہ کا پانی سرخ خون کے بجائے سیاہ طوفان بن کر بہنے لگا اور کئی دن تک مقدس اوراق کا یہ علمی سرمایہ دجلہ کی موجوں کے ساتھ بہتا رہا۔اس تباہ کن حادثہ میں بغداد اور اس کے مضافات کے مقتولین کی تعداد ایک کروڑ چھ لاکھ بتائی گئی ہے۔

(توضیحات/مفتی فضل یوسف زئی صاحب)

نابینے، برص زدہ اور گنجے کا قصہ

بخاری اور مسلم میں ہے کہ بنی اسرائیل کے تین افراد ایک برس زدہ دوسرے نابینا اور تیسرے گنجے کو اللہ تعالی نے آزمانا چاہا۔ چنانچہ ایک فرشتہ کو ان کے پاس بھیجا۔ فرشتہ برس زدہ شخص کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ تمہیں سب سے پسندیدہ کونسی شئ معلوم ہوتی ہے؟ اس نے جواب دیا اچھا رنگ اور اچھی جلد، لوگ مجھے گندا سمجھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کا برص ختم ہو گیا اور پھر اس کو اچھا رنگ اور اچھی جلد بھی دیدی۔ فرشتہ نے پھر پوچھا کونسا مال تمہیں پسند ہے؟ اس نے جواب میں اونٹ یا گائے کہا، فرشتے نے اسے ایک قریب الولادت اونٹنی دی اور کہا کہ اللہ اس میں برکت دے گا۔

فرشتہ اب گنجے کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ کوئی چیز تمہیں پسند ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اچھے بال جو مجھ سے گنج پن ختم کر دیں۔ کیونکہ لوگ مجھے گندا سمجھتے ہیں۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنج پن ختم ہو گیا اور اس کے سر پر خوبصورت بال اگ آئے۔ اب اس سے پوچھا کہ تمہیں کون سا مال پسند ہے؟ اس نے کہا، گائے۔ فرشتے نے اسے ایک حاملہ گائے دی اور کہا کہ اللہ اس میں برکت دے گا۔

فرشتہ آخر میں نابینا کے پاس آیا اور پوچھا کہ تمہیں کوئی چیز پسند ہے تو اس نے کہا کہ اللہ میری بصارت لوٹا دے تا کہ میں لوگوں کو دیکھ سکوں۔ فرشتہ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ بینا ہو گیا۔ اب فرشتہ نے اس سے پوچھا کہ کونسا مال تمہیں پسند ہے؟ کہا بھیڑ۔ فرشتے نے اسے ایک بھیڑ اور اس کے ساتھ اس کا ایک بچہ بھی دیا۔ اس کے بعد اس کی بکریوں نے خوب

بچے دیے۔

اب حال یہ ہوگیا کہ اونٹ والے کے پاس اس کثیر تعداد میں اونٹ ہو گئے کہ اس کے اونٹوں سے پوری وادی بھر جاتی گائے والے کی گائے سے پوری وادی بھر جاتی اور بھیڑ بکری والے کی بکریوں سے پوری وادی بھر جاتی ۔ کافی عرصہ بعد فرشتہ دوسری شکل وصورت لے کر برص زدہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں ضرورت مند ہوں سفر میں مال واسباب ختم ہو گئے اب واپسی کا کوئی انتظام نہیں ہے، صرف اللہ سے امید ہے اس کے بعد تو ہی کچھ کر سکتا ہے میں تجھے اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تجھے اچھا رنگ اور خوبصورت جلد سے نواز ہے، اس پر مستزاد یہ کہ تیرے پاس کافی مال و دولت ہے، تو مجھے صرف ایک اونٹ دے، اس سے میں اپنا سفر جاری رکھ سکوں گا اور منزل تک پہنچ پاؤں گا برس زدہ نے جواب دیا کہ میرے اوپر اور بھی بہت ساری ذمہ داریاں ہیں۔فرشتے نے کہا کہ لگتا ہے کہ میں تمہیں پہچانتا ہوں، کیا تمہیں برس کی بیماری نہیں تھی جس کی وجہ سے لوگ تمہیں گندہ سمجھتے تھے؟ کیا تم فقیر نہیں تھے اس کے بعد اللہ نے تمہیں نوازا؟ اس نے جواب دیا کہ میں پشتوں سے امیر زادہ ہوں۔فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ پرانی حالت پر تمہیں دوبارہ لے جائے۔

فرشتہ اب گنجے کے پاس شکل وصورت بدل کر گیا اور اس طرح رونے پیٹنے لگا جس طرح برس زدہ کے پاس جا کے کیا تھا۔اس نے بھی برص زدہ کی طرح جواب دیا۔فرشتہ نے اسے بھی بد دعا دی اور کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ پرانی حالت پر تمہیں دوبارہ لے جائے۔

فرشتہ اب نابینا کے پاس شکل وصورت بدل کر گیا اور کہا کہ مسافر اور ضرورت مند ہوں

زادِراہ ختم ہو چکا ہے واپسی کی کوئی سبیل نہیں ہے، صرف اللہ سے امید ہے تو کچھ کر سکتا ہے تو کر دے۔ میں اس ذات کا واسطہ دیتا ہوں جس نے تجھے بینائی واپس کی کہ تو مجھے ایک بکری دیدے، میں اس کے ذریعے اپنا سفر جاری رکھ سکوں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نابینا تھا اللہ نے مجھے بینائی واپس کی، میں فقیر اور محتاج تھا اللہ نے مجھے مالدار بنا دیا۔ لہذا اب تم جتنا چاہو مال لے لو میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔ فرشتے نے کہا کہ تم اپنا مال اپنے پاس رکھ میں تو تم لوگوں سے امتحان لے رہا تھا اللہ تجھ سے راضی اور خوش ہے اور تیرے دونوں ساتھیوں سے ناراض ہو گیا ہے۔

(تاریخ ابن کثیر جلد اول)

انسان تقدیر کے آگے بے بس ہے

جب انسان قضا وقدر کے فیصلوں کو رد یا تبدیل نہیں کر سکتا تو پھر بہتر یہی ہے کہ ان پر تسلیم ورضا کا اظہار کرے۔ نیک بختی خدا کی اطاعت سے ملتی ہے۔ کوئی آدمی اپنی طاقت اور ہمت سے حاصل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر یہ معاملہ اپنی ہمت اور طاقت پر موقوف ہوتا تو چیونٹیوں کو کمزوری کی وجہ سے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہ ہوتا اور صرف شیروں کے علاوہ کسی کو روزی نہ ملتی۔ جب انسان کا اپنے مقدر کو بدلنا بس میں نہیں راضی تو مناسب یہی ہے کہ راضی برضا ہو جائے تقدیر میں اگر لمبی عمر لکھی ہوئی ہے تو سانپ بچھو اور تلوار یا شیر اسے ہلاک نہیں کر سکتے۔ اور اگر مقدار میں عمر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے تو انسان شربت بھی پیئے تو زہر کی طرح اثر کرے گا۔

مشہور پہلوان رستم کی جب موت آئی تو شفاد جیسے کمتر شخص نے اسے ہلاک کر دیا۔ اس

کا یہ مقصد ہے کہ انسان تقدیر کے سامنے بے بس ہوتا ہے اور جب موت آجاتی ہے تو پھر طاقت کے بل پر اسے روکا نہیں جا سکتا۔ بلکہ اسے اللہ تعالی کا حکم سمجھ کر خوشی کے ساتھ تسلیم کر لینا زیادہ دانائی اور مناسب ہے۔

(حکایات سعدی/ امیر علی خان)

بزرگوں کا دامن مت چھوڑو

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ:

ایک دفعہ بچپن میں عید کے دن میں اپنے والد کے ساتھ باہر گیا۔ راستے میں ایک جگہ کھیل کود میں مشغول ہو گیا اور والد کا ساتھ چھوٹ گیا جب کھیل کود سے فارغ ہوا اور والد کو نہ دیکھا تو خوف و دہشت سے بے اختیار رونے لگا اتنے میں میرے والد بھی ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں آپہنچے۔ انہوں نے میرے کان کھینچے اور جھڑک کر کہا کہ:

''بیوقوف بچے! میں نے تجھے کئی بار سمجھایا کہ میرا دامن کبھی نہ چھوڑنا'' جو بزرگوں کا دامن چھوڑ دیتے ہیں وہ اسی طرح روتے ہیں۔

(حکایات سعدی)

دشمن کی موت پر خوش مت ہو جاؤ

کوئی شخص نوشیرواں عادل کے پاس خوشخبری لے کر گیا کہ اللہ تعالی نے تمہارے فلاں دشمن کو دنیا سے اٹھا لیا ہے نوشیرواں نے کہا کہ:

"کیا تو نے یہ بھی سنا ہے کہ موت نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔'' ہمارے لیے دشمن کی موت

خوشی کا موقع نہیں ہے کہ ہماری زندگی بھی ہمیشہ کی نہیں ہے۔ ہر ایک کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ لہذا کسی کی موت پر خوش ہونا حماقت سے خالی نہیں ہے۔ ہر ایک کو موت کو یاد رکھنا چاہیے دوسرے کی موت سے عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہیے۔

(حکایات سعدی)

اپنا راز کسی پر ظاہر نہ کرو

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بادشاہ سلامت نے اپنے غلاموں سے ایک راز کی بات کہی اور انہیں منع کر دیا کہ اس بات کو کسی دوسرے پر ظاہر نہ کرنا۔

ایک سال تک تو کسی نے بات نہ کی مگر ایک سال کے بعد ان غلاموں میں سے کسی نے اپنے دوست سے بادشاہ کا بھید ظاہر کر دیا اور اسے تاکید بھی کر دی کہ ''یہ کسی دوسرے کو نہ بتانا'' اس کے دوست نے اسی طرح کسی دوسرے کو بات بتا دی۔ ہوتے ہوتے یہ بات ساری طرف پھیل گئی تو بادشاہ کو علم ہوا تو اس نے غضبناک ہو کر حکم دیا کہ:

''ان غلاموں کے سر قلم کر دو۔''

ان غلاموں میں سے کسی ایک نے امان چاہی۔ اور عرض کہ:

''اے بادشاہ! اپنے غلاموں کو قتل نہ کر۔ کہ اس خطا کی ابتدا آپ نے خود کی ہے تو نے شروع ہی میں چشمے کا منہ کیوں بند نہ کیا۔ جب وہ سیلاب بن گیا تو اس کے آگے بند باندھنے سے کیا فائدہ؟ تو نے جب تک بات منہ سے نہیں نکالی تیرا اس پر قابو ہے جب تو نے منہ سے نکال دی تو وہ تیرے اوپر قابو پا لے گی۔ اس لیے سب سے بہتر اور عمدہ طریقہ یہی ہے کہ کسی سے بھی اپنے راز کی بات نہ کرو۔ خواہ کوئی کتنا ہی دوست اور مخلص ہو کبھی بھی

راز کی بات نہ کرو۔

(حکایات سعدی)

ہمت نہیں ہارنی چاہیے

جب کوئی برتن ایک بار ٹوٹ جاتا ہے تو اسے کوئی کاریگر کتنی بھی خوبصورتی سے بھی اس کی مرمت کرے وہ اصل حالت میں نہیں آ سکتا۔ اور نہ وہ اپنی پہلی قیمت ہی دے سکتا ہے ۔اسی طرح بوڑھا آدمی جوانوں جیسا کام نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس کی عمر کا پیالہ بڑھاپے کے سبب ٹوٹ چکا ہوتا ہے۔ اس کی مرمت کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس کے باوجود جوانی جیسا لطف کہاں۔ اپنے آپ کو دریا میں نہیں گرانا چاہیے لیکن اگر گر جائے تو پھر ہاتھ پاؤں مارنا ضروری ہیں۔ اسی طرح تجھے اپنے عمل کو بڑھاپے پر موقوف نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن اگر کر ہی چکے ہو تو اب جو کچھ بھی ہوسکتا ہے اس سے دریغ مت کر کوئی شخص اگر لاپرواہی کے سبب صاف پانی ضائع کر چکا ہے تو پھر اسے تیمم کرنے سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی مخلص تیز رفتاری کا ساتھ نہ دے سکے تو اسے پھر بھی سفر کو گرتے پڑتے جاری رکھنا چاہیے اور جس طرح بھی ہو سکے سفر طے کرنا چاہیے۔ یہ سچ ہے کہ تیز رفتار لوگ تجھ سے پہلے منزل پر پہنچ جائیں گے لیکن اگر کوئی سست رفتار ہمت نہ ہارے تو اسے منزل بھی مل جاتی ہے۔ بے شک دیر سے ہی سہی۔ اس لیے آہستہ ہی سہی مگر اسے چلتے رہنا چاہیے۔

(حکایات سعدی)

کتے سے زیادہ مسکینیت کسی میں نہیں

ایک شخص کسی جنگل سے گزر رہا تھا اور اس جنگل میں ایک فقیر گودڑی پوش رہتا تھا اچانک اس شخص کو فقیر کی جھونپڑی سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ اس شخص کو بڑی حیرانی ہوئی کر فقیر کے ہاں کتے کا کیا کام؟ وہ جاننے کی خواہش میں اندر چلا گیا۔ وہاں کوئی کتا نہ تھا۔ فقیر موجود تھا۔ جب وہ شخص شرمندہ ہو کر واپس جانے لگا۔ اس وقت فقیر نے اس شخص کے پاؤں کی آہٹ سن لی اور بولا: دروازے پر کیوں کھڑے ہو اندر آ جاؤ'' پھر خود ہی کہنے لگا:۔ نور چشم! یہ جو کتے کی آواز تو نے سنی وہ میری ہی آواز تھی۔'' کتے سے زیادہ مسکینیت کسی میں نہیں اگر تجھے بھی بلند مقام کی آرزو ہے تو عاجزی اختیار کر بلندی پالے گا۔''

سخی اور بخیل میں فرق

سخی پھلدار درخت کی مانند ہوتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اس کا پھل کھاتے ہیں اس کے سایہ میں آرام کرتے ہیں لیکن بخیل کی مثال خودرو گھاس کی طرح کی ہوتی ہے یا سوکھی ہوئی جھاڑی جو سوائے جلانے کے اور کسی کام نہیں آتی۔ سوکھی جھاڑی لوگ کاٹ لیا کرتے ہیں مگر پھل دار درخت کی ہر شخص حفاظت کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سخی کے سب طرفدار ہوتے ہیں اور بخیل سے سب بیزار ہوتے ہیں کئی کو اس کی سخاوت کی وجہ سے عزت نصیب ہوتی ہے اور بخیلی کو اس کی بغالت کی وجہ سے عذاب ملتا ہے سخی سے لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے اور بخیل سے لوگوں کو مایوسی حاصل ہوتی ہے بخیل کا مال قبر میں سانپ کی شکل بن کر عذاب کا باعث بنتا ہے۔ جب کہ سخی قبر میں آرام وسکون سے ہوتا ہے۔

(حکایات سعدی)

فطرت تبدیل نہیں ہوتی

ایک وزیر نے اپنے کند ذہن اور نالائق بیٹے کو ایک دانشمند کے پاس تعلیم وتربیت کے لیے بھیجا۔ دانشمند نے اس کی تعلیم وتربیت میں بڑی محنت کی اور مدتوں اس کی تربیت کرتا رہا۔ مگر نالائق لڑکے پر بالکل اثر نہ ہوا۔ آخر دانشمند نے تنگ آ کر نالائق شاگرد کو اس کے باپ کے پاس واپس بھیج دیا اور کہا کہ:

''یہ تو عاقل نہیں بنتا البتہ اس نے مجھے پاگل کر دیا ہے''۔

اگر لوہا ناقص ہو تو اسے کوئی نہیں چکا سکتا۔ اگر انسان میں فطری صلاحیت وقابلیت ہو تو تربیت اسی پر اثر کرے گی۔ کتے کو بے شک سات سمندروں میں نہلاؤ جس قدر بھیگے گا زیادہ نجس ہو جائے گا اور بے شک حضرت یحی علیہ السلام کے گدھے کو خواہ مکہ لے جائیں جب واپس آئے گا تو وہ گدھا ہی ہوگا۔ اس میں کوئی بہتری یا تبدیلی نہیں آئے گی۔

(حکایات سعدی)

عبداللہ بن تامر کی آزمائش اور ان کی شہادت

امام نسائیؒ، امام احمدؒ، امام ترمذیؒ، اور امام مسلمؒ نے بھی اپنی صحیح میں بروایت صہیب رومی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے (ان نقول میں کسی قدر کمی زیادتی ہے مگر ہم خلاصہ نقل کرتے ہیں) کہ کوئی بڑا جلیل القدر بادشاہ تھا اس کے یہاں ایک کاہن یا ساحر (جادوگر) تھا جو اپنے فن میں کمال رکھتا تھا اس کی سلطنت گویا اس کے جادو کے بل بوتے پر

قائم تھی، بادشاہ کے دشمنوں کو وہ اپنے جادو کے زور سے ہلاک کر دیتا تھا، لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی، امرائے سلطنت اور ارکان دولت اگر بادشاہ سے ناراض ہوتے یا سرتابی کرتے تو یہ اپنے جادو سے انکا رخ بادشاہ کی طرف موڑ دیتا تھا، اس طرح وہ ہر کام جادو سے کرالیتا تھا جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا اور اس کو اپنی زندگی سے نا امیدی ہوئی تو اس نے بادشاہ سے عرض کیا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں میری عمر اخیر ہونے کو ہے، آپ کوئی ذہین اور سمجھدار لڑکا میرے سپرد کریں تا کہ میں اس کو اپنا علم سکھا دوں، تا کہ میرے بعد وہ آپ کے امور سلطنت کو درست رکھے۔

چنانچہ بادشاہ نے ایک عاقل اور ہوشیار لڑکا اس کے حوالے کر دیا، وہ لڑکا اس جادوگر کے پاس صبح شام حاضر ہونے لگا اور جادو کا فن سیکھنے لگا، راستے میں ایک راہب (درویش) اپنے صومعہ (عبادت خانہ) میں رہتا تھا۔ (معمر راوی کہتے ہیں کہ اس وقت راہب لوگ اپنے اصلی دین عیسوی پر قائم تھے) ایک دن اس لڑکے نے دیکھا کہ بہت سے لوگ صومعہ (عبادت خانہ) سے نکل رہے ہیں اس لڑکے نے معلوم کیا کہ یہاں کون رہتا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہاں ایک راہب (عابد) رہتا ہے یہ سن کر وہ لڑکا بھی اس راہب کے پاس پہنچا اور اس کی باتیں سنیں، راہب کی باتوں سے اس کا قلب متاثر ہوا۔ راہب نے اس لڑکے کو دین حق اور توحید کی تعلیم دینی شروع کی تو وہ لڑکا ایمان لے آیا، یہ لڑکا جادوگر کے پاس جاتے ہوئے راستے میں راہب کے پاس ٹھہر جاتا تھا، اور دیر ہو جانے کی وجہ سے جادوگر اس لڑکے پر غصہ ہوتا تھا اور زدوکوب کرتا لڑکا کہہ دیتا کہ مجھے گھر میں دیر ہو گئی، آخر جادوگر نے بادشاہ کے پاس شکایت کی، بادشاہ نے لڑکے کو تاکید کی کہ ساحر کے پاس سویرے پہنچا کرو، اس کے درباریوں نے کہا کہ یہ لڑکا سویرے گھر سے آتا ہے، راستے میں دیر کرتا

ہے، تو بادشاہ اور ساحروں نے یہ خیال کیا کہ کھیل میں لگ جاتا ہوگا، اس لئے دونوں نے لڑکے کو خوب تنبیہ کی لیکن لڑکا درویش کے پاس جاتا رہا۔

ایک دن یہ لڑکا راہب کے پاس سے بادشاہ کی طرف واپس ہو رہا تھا کیا دیکھتا ہے کہ کسی مہلک جانور (شیر یا اژدھے) نے راستہ روک رکھا ہے لوگ ادھر ادھر (دونوں طرف) رکے کھڑے ہیں، لڑکے نے دل میں خیال کیا کہ آج امتحان لیتا ہوں کہ راہب حق پر ہے یا ساحر حق پر ہے؟ یہ خیال کر کے اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اٹھایا کہ اے خدا اگر اس راہب کا مذہب حق ہے تو اس پتھر سے اس جانور کو ہلاک فرما، اور وہ پھر اس کو مار دیا اور وہ جانور اس سے فوراً ہلاک ہو گیا، لوگوں نے یہ واقعہ دیکھا تو کہنے لگے کہ اس کو جادوگری میں کمال حاصل ہو گیا ہے، لڑکے کی ہر جگہ تعریف ہونے لگی اور اس کی خوب شہرت ہو گئی۔

آہستہ آہستہ یہ خبر راہب تک بھی پہنچ گئی اس نے لڑکے کو تنہائی میں بلا کر کہا بیٹا تجھ کو اللہ تعالیٰ نے بزرگی و کمال سے نوازا ہے، میں جانتا ہوں کہ تیرا مرتبہ بہت بلند ہوگا، اور تو کسی آزمائش میں مبتلا ہوگا لیکن یاد رکھنا میں بہت کمزور اور بوڑھا ہوں کسی کو میرا پتہ نہ دینا، لڑکے سے قول و قرار لیکر راہب مطمئن ہو گیا، ادھر راہب کی صحبت اور انجیل مقدس کی تلاوت و اتباع کی برکت سے حق تعالیٰ نے اس لڑکے کو ولایت عظمیٰ سے نوازا، یہاں تک کہ کوڑھی، مادرزاد نابینا، اور لاعلاج مریض اس لڑکے کی دعا سے شفایاب ہونے لگے لڑکا خوب مشہور ہو گیا، اس شہرت کو سن کر اس بادشاہ کا نابینا مصاحب اس کے پاس آیا اور خوب تحفے نذرانے پیش کر کے عرض کیا کہ مجھ پر بھی توجہ فرمائیے، اور میری آنکھیں بھی اچھی کر دیجئے، لڑکے نے کہا کہ مجھے کوئی نذرانہ ہدیہ درکار نہیں اور شفا میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔

اللہ تعالی شفا دینے والا ہے، اگر آپ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لائیں اور شرک و بت پرستی سے توبہ کر لیں تو میں اللہ سے دعا کروں گا پروردگار عالم آپ کی بینائی واپس عطا فرمادیں گے، وہ اندھا اس وقت مجلس میں مشرف بایمان ہوا اور لڑکے نے دعا کی اور اس کی آنکھیں روشن ہوگئیں معمول کے مطابق جب یہ بادشاہ کی مجلس میں حاضر ہوا تو بادشاہ کو اس کی بینائی پر تعجب ہوا؟ اس سے معلوم کیا کہ میری مملکت کے تمام معالج تیری آنکھ کے علاج سے عاجز ہو گئے تھے آخر تجھ کو کس سے شفا حاصل ہوئی ؟ مصاحب نے کہا کہ میرے پروردگار نے اپنی قدرت سے مجھے بینائی عطا فرمائی ہے بادشاہ نے کہا کہ میرے سوا تیرا پروردگار کون ہے؟ مصاحب نے کہا کہ میرا آپ کا اور اس ساری کائنات کا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے ساری مخلوق کو پیدا کیا ، بادشاہ غضب ناک ہوا اور اس مصاحب کو سخت سزا دی اور پوچھا کہ یہ عقیدہ تجھ کو کس نے سکھایا؟ سختی سے گھبرا کر اس نے لڑکے کا نام بتادیا، بادشاہ نے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ تجھ کو میری پرورش اور میرے جادوگر کے فیض سے یہ کمال حاصل ہوا ہے، لڑکے نے کہا کہ میرے اور آپ کے اور جادوگر کے ہاتھ میں شفا نہیں ہے یہ اللہ کی قدرت پر موقوف ہے، بادشاہ سخت ناراض ہوا اور اس کو کڑی سزا دلوائی اور کہا یہ لڑکا بہت غائب رہتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی جگہ جاتا تھا وہاں اس کے خیالات بدل گئے، جادوگر نے بھی دربار میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ لڑکا مدت سے غائب ہے، میرے پاس نہیں آتا۔

بادشاہ نے کہا اس سے سختی سے پوچھا جائے کہ یہ مدت سے کہاں رہا اور کس کے پاس آتا جاتا ہے جب سختی حد سے بڑھ گئی تو لڑکے نے مجبور ہو کر گوشہ نشین راہب کا نام بتادیا، بادشاہ نے راہب کو گرفتار کر کے حاضر دربار کیا اور اس سے کہا کہ اگر تو اپنے دین سے نہ

پھرے گا تو تجھ کو آرے سے چیر دیا جائے گا، راہب نے کہا کہ میں ہرگز اپنے دین برحق سے نہ پھروں گا، اور جو مصیبت آئے گی اس پر صبر کروں گا۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے اس راہب کو آرے سے چیر دیا گیا، پھر مصاحب کو بلا کر یہی کہا، مصاحب نے بھی دین برحق کو چھوڑنے سے انکار کر دیا اور اس کو بھی آرے سے چیر کر شہید کر دیا گیا، پھر لڑکے کو بلا کر سمجھایا گیا کہ اگر تجھ کو زندگی محبوب ہے تو باز آجا ورنہ تو ان دونوں کا انجام دیکھ چکا ہے، تیرا حشر بھی یہی ہوگا، لڑکے نے بادشاہ کی بات ماننے سے انکار کر دیا، تو بادشاہ نے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو پہاڑ کی چوٹی پر لیجاؤ اور اس کو خوب سمجھاؤ اگر مان گیا تو اس کو بڑا مقام دوں گا اور اپنا مصاحب بنالوں گا، اور اگر یہ باز نہ آئے تو پہاڑ کی چوٹی پر سے اس کو دھکیل دینا تاکہ اس کے اعضاء پاش پاش ہوجائیں۔

جب اس کو پہاڑ پر لے گئے اور سمجھایا دھمکایا تو لڑکے نے اللہ سے اپنی حفاظت کی دعا کی، اس وقت پہاڑ پر زلزلہ پیدا ہوگیا اور شاہی لوگ پہاڑ پر سے گر کر ہلاک ہوگئے، لڑکا بعافیت گھر واپس آیا، بادشاہ نے پوچھا کہ وہ لوگ کہاں ہیں؟ جو تجھ کو لے گئے تھے لڑکے نے جواب دیا کہ میرے پروردگار نے ان کے شر سے میری حفاظت کی اور ان کو ہلاک کر دیا، بادشاہ نے دوسرے چند آدمیوں کو حکم دیا کہ اس لڑکے کو ایک کشتی میں سوار کر کے دریا میں لے جاؤ یہ اپنے دین سے باز آئے تو بہتر ہے ورنہ دریا میں پھینک دو، چنانچہ وہ اس کو دریا میں لے گئے، اور سمجھایا لڑکے نے پھر دعا کی تو کشتی الٹ گئی اور شاہی لوگ غرق ہو گئے، اور لڑکا صحیح سالم واپس آگیا، بادشاہ نے ماجرا پوچھا تو لڑکے نے پورا قصہ بیان کر دیا۔

اس لڑکے نے کہا اے بادشاہ تو مجھے مار نہیں سکتا ہاں تجھ کو میرا قتل ہی مقصود ہے تو اس کی تدبیر میں بتاتا ہوں، اگر وہ تدبیر اختیار کرے گا تو، تو مجھ کو مار سکے گا، بادشاہ نے تدبیر

پوچھی تو لڑکے نے کہا، اس شہر کے تمام لوگوں کو شہر سے باہر ایک میدان میں جمع کر لے اور مجھ کو سولی پر چڑھا کر ایک تیر اپنی ترکش سے نکال کر کلمہ '' بسم اللہ رب ھذ الغلام '' کہہ کر وہ تیر مجھے مار، تو میں مر جاؤں گا، بادشاہ نے یہی کیا تو تیر اس لڑکے کی کنپٹی پر لگا، اس لڑکے نے اپنا ہاتھ کنپٹی پر رکھ لیا، اور یہ کہتا ہوا شہید ہو گیا کہ میں اپنے پروردگار کے نام پر شہید ہو کر کامیاب ہو گیا۔

اور اس واقعہ کو دیکھنے پر تمام لوگوں نے بآواز بلند کہا کہ '' امنا برت ھذا الغلام أمنا برب ھذا الغلام '' یہ سن کر بادشاہ کے درباریوں نے کہا آپ نے ان تینوں کو ہلاک کر دیا ہے جو آپ کے مذہب کے خلاف تھے مگر اب تو سب ہی لوگ آپ کے خلاف ہو گئے، یہ بات سن کر بادشاہ نہایت غضبناک ہوا اور شرمندگی سے چلا اٹھا اور خندقیں کھدوا کر اس میں آگ دہکانے کا حکم دے دیا، چنانچہ خندق میں آگ دہکائی گئی، اس کے کنارے پر اعیان سلطنت کرسیاں بچھا کر بیٹھ گئے اور سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا اور کارندوں سے کہا کہ سب سے معلوم کرو، جو اپنے دین سے نہ پھرے اس کو آگ میں ڈالدو، چنانچہ شاہی فرمان کے مطابق ایمان والوں کو آگ میں ڈالنا شروع کیا گیا، یہاں تک کہ ایک ایسی عورت کو بھی لایا گیا جس کی گود میں بچہ تھا عورت کو جب آگ میں ڈالنے لگے تو وہ ہچکچائی، بادشاہ نے کہا کہ عورت کو رہنے دو پہلے اس کے بچے کو آگ میں ڈال دو شاید اس طرح وہ اپنے ایمان سے واپس ہو جائے۔ چنانچہ اس کے بچے کو آگ میں پھینک دیا گیا، بچے نے بلند آواز سے کہا اماں جی! آپ صبر کریں اور بلا گھبراہٹ بسم اللہ پڑھ کر آگ میں کود پڑو یہ آگ گل وگلزار بن جائے گی، عورت یہ سن کر بغیر کسی گھبراہٹ کے آگ میں کود گئی، اور وہ آگ ایسی بھڑکی کہ اس نے بادشاہ اور اس کے مصاحبین کو جو کہ کرسیوں پر

بیٹھے مظلوموں کو جلنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے، سب کے سب کو جلا کر خاک کر دیا۔

حضرت ربیع بن انسؓ فرماتے ہیں اللہ تعالی نے ان مسلمانوں کے آگ میں گرنے سے پہلے ہی ان کی روح قبض کر لی تھی، اس طرح ان کو اس آگ کی تکلیف سے اللہ نے محفوظ رکھا۔ محمد بن اسحاق نے اس واقعہ کو بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے اور اس لڑکے کا نام عبداللہ بن تامر بتایا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ واقعہ یمن کے شہر نجران میں پیش آیا تھا، اور اس حادثہ میں اس ظالم بادشاہ (ذونواس) نے تقریبا بیس ہزار آدمیوں کو آگ میں ڈال کر شہید کیا تھا اس بارے میں دوسرے بھی اقوال ہیں محمد اسحاق کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ لڑکا عبداللہ بن تامر جس مقام میں مدفون تھا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ خلافت میں اتفاق سے کسی ضرورت کی بنا پر وہ زمین کھودی گئی تو اس میں عبداللہ بن تامر کی لاش صحیح وسالم اس طرح برآمد ہوئی کہ وہ بیٹھے ہوئے تھے، اور اسکا ہاتھ اپنی کنپٹی پر رکھا ہوا تھا کسی دیکھنے والے نے ان کا ہاتھ جگہ سے ہٹایا تو خون جاری ہو گیا پھر وہ ہاتھ اسی جگہ رکھ دیا گیا تو خون بند ہو گیا۔ اس عبداللہ بن تامر کے ہاتھ میں ایک انگوٹھی تھی جس پر اللہ ربی کنندہ تھا۔

عامل یمن نے اس واقعہ کی اطلاع فورا حضرت عمر فاروقؓ کو دی حضرت فاروق اعظمؓ نے جواب میں لکھا کہ ان کو ان کی سابقہ حالت پر انگوٹھی سمیت دفن کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (بحوالہ بخاری ومسلم شریف)

(۱۰۱ سبق آموز واقعات)

حضرت بایزید بسطامیؒ کا یہودی سے مناظرہ

یہودیوں کا بڑا مجمع اور ان کا ایک عالم ان میں تقریر کر رہا ہے حضرت بایزید بسطامی جا کر اس مجمع میں بیٹھ گئے ان کے بیٹھتے ہی ان کے عالم کی زبان بند ہوگئی مجمع میں شور ہوا کہ حضرت بولتے کیوں نہیں؟ .... عالم نے کہا ''دخل فینا محمدی ''ہم میں کوئی محمدی آ گیا ہے، زبان بند۔ انہوں نے کہا اسے کھڑا کر و قتل کریں گے، کہا نہیں بھائی! جو محمدی ہو کھڑا ہو جائے، حضرت بایزید بسطامیؒ کھڑے ہو گئے یہودی نے کہا میں سوال کروں گا تو جواب دے گا؟ بایزیدؒ نے کہا دوں گا حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ میں ایک سوال کروں گا تو جواب دے گا؟ کہا دوں گا یہودی عالم نے سوالات شروع کر دیئے۔

(۱) ایک بتاؤ جس کا دوسرا نہیں؟

فرمایا: اللہ ایک ہے اس کے ساتھ دوسرا نہیں۔

(۲) کہا دو بتاؤ جس کا تیسرا نہ ہو؟

فرمایا: ''اللیل والنھار'' دن اور رات اس کا تیسرا نہیں۔

(۳) کہا تین بتاؤ جس کا چوتھا نہ ہو؟

فرمایا: لوح و قلم و کرسی تین ہیں اس کا چوتھا نہیں۔

(۴) کہا چار بتاؤ جس کا پانچواں نہ ہو؟

فرمایا: تورات، زبور، انجیل اور قرآن یہ چار ہیں اس کا پانچواں نہیں۔

(۵) کہا کہ پانچ بتاؤ جس کا چھٹا نہیں؟

فرمایا: اللہ نے اپنے بندوں پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں، چھ نہیں۔

(۶) کہا کہ چھ بتاؤ جس کا ساتواں نہیں؟

فرمایا: ''خلق السموات والارض بینھما في ستة ایام ثم استوی علی العرش'' (القرآن) چھ دن میں زمیں وآسمان بنائے ہیں سات نہیں۔

(۷) کہا کہ سات بتاؤ جس کا آٹھواں نہیں؟

فرمایا: ''الم تروا کیف خلق اللہ سبع سموات طباقاً وجعل القمر فیھم نوراً وجعل الشمس سراجاً'' (القرآن) میرا رب کہتا ہے کہ میں نے سات آسمان بنائے ہیں اس لئے آسمان سات ہیں اس کا آٹھواں نہیں۔

(۸) کہا آٹھ بتاؤ جس کا نواں نہ ہو؟

فرمایا: ''ویحمل عرش ربک فوقھم یومئذ ثمانیة'' (القرآن) میرے رب کے عرش کو آٹھ فرشتوں نے پکڑا ہوا ہے نو نے نہیں۔

(۹) کہا کہ نو بتاؤ جس کا دس نہیں؟

فرمایا: ''فی المدینہ تسعة رھط یفسدون'' (القرآن) حضرت صالح علیہ السلام کی قوم میں نو بڑے بدمعاش تھے۔ دسواں نہیں تھا اللہ نے نو کہا ہے۔

(۱۰) کہا وہ دس بتاؤ جس کا گیارہواں نہیں؟

فرمایا: حج میں کوئی غلطی ہوجائے تو اللہ نے ہم پر سات روزے وہاں رکھنے اور تین گھر پر رکھنے کو کہا ہاں ''تلک عشرة کاملة'' (القرآن) یہ دس ہیں گیارہ نہیں۔

(۱۱) کہا وہ گیارہ بتاؤ جس کا بارہ نہیں؟

فرمایا: حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائی تھے بارہ نہیں تھے۔

(۱۲) کہا وہ بارہ بتاؤ جس کا تیرہ نہیں؟

فرمایا: سال میں اللہ نے بارہ مہینے بنائے ہیں تیرہ نہیں۔

(۱۳) کہ وہ تیرہ بتاؤ جس کا چودہ نہیں؟

فرمایا: ''رئیتُ أحد عشر کوکبا والشمس والقمر رئیتھم لي سجدین'' (القرآن) حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ میں نے گیارہ ستارے دیکھے ایک سورج دیکھا ایک چاند دیکھا جو مجھے سجدہ کر رہے ہیں یہ تیرہ ہیں چودہ نہیں۔

(۱۴) کہا وہ بتاؤ کیا چیز ہے۔ جس کو خود اللہ نے پیدا کیا اس کے بارے میں خود ہی سوال کیا؟

فرمایا: حضرت موسیٰؑ کا ڈنڈا، اللہ کی پیداوار ہے لیکن خود سوال کیا'' و ما تلک بیمینک یموسی (القرآن) اے موسیٰ! تیرے ہاتھ میں کیا ہے۔

(۱۵) کہا کہ بتاؤ سب سے بہترین سواری کیا ہے؟

فرمایا: گھوڑا۔

(۱۶) کہا کہ بتاؤ سب سے بہترین دن؟

فرمایا: جمعہ کا دن۔

(۱۷) کہا کہ بتاؤ سب سے بہترین رات؟

فرمایا: لیلۃ القدر۔

(۱۸) کہا کہ بتاؤ سب سے بہترین مہینہ؟

فرمایا: ماہ رمضان المبارک۔

(۱۹) کہا کہ بتاؤ کونسی چیز ہے جس کو اللہ نے پیدا کر کے اس کی عظمت کا اقرار کیا؟

فرمایا: اللہ نے عورت کو مکار بنایا اور اس کے مکر کا اقرار کیا'' ان کیدکن عظیم '' (القرآن) عورت کا مکر بڑا زبردست ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے نہیں دیکھا کہ بڑے سے بڑے عقلمند کے قدم اکھاڑنے والی ہو۔ اور کوئی چیز نہیں ہے سوائے عورت کے بڑوں بڑوں کے عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔

(۲۰) کہ بتاؤ وہ کونسی چیز ہے جو بے جان مگر سانس لیتی ہے؟

فرمایا: ''والصبح اذا تنفس '' میرا رب کہتا ہے کہ مجھے صبح کی قسم جب وہ سانس لیتی ہے۔

(۲۱) کہا بتاؤ وہ کونسی چودہ چیزیں ہیں جنہیں اللہ پاک نے اطاعت کا حکم دے دیا ان سے بات کی؟

فرمایا: سات زمین سات آسمان ''ثم استوى إلى السماء وهي دخان فقال لها وللأرض ئتيا طوعاً أو كرها قالتا أتينا طآئعين '' (القرآن) اللہ نے سات زمینیں سات آسمان بنائے اور ان چودہ کو خطاب فرمایا کہ میرے سامنے جھک جاؤ تو ان چودہ کے چودہ نے کہا کہ یا اللہ! ہم آپ کے سامنے جھک رہے ہیں۔

(۲۲) کہا بتاؤ وہ کونسی چیز ہے جسے اللہ نے خود پیدا کیا پھر اللہ نے اسے خرید لیا؟

فرمایا: اللہ تعالی نے مسلمانوں کو پیدا کیا ہے اور ان کو خود خرید لیا جنت کے بدلے، ''ان الله اشترى من المؤمنين أنفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة '' (القرآن) ارے مسلمان اللہ کی قسم نہ تو بیوی کا ہے نہ تو بچوں کا ہے نہ تو تجارت کا نہ تو صدارت کا ہے نہ تو حکومت کا ہے نہ تو کسی جماعت کا ہے، تو اللہ اور اس کے

رسول کا ہے۔ اگر تو اللہ اور رسول کا بن کے چلے گا تو یہ سارا نقشہ تیرے تابع ہو کے چلے گا اور اگر اللہ اور رسول سے ٹکرائے گا تو اللہ تجھے ذلیل وخوار کر کے چھوڑے گا۔

(۲۳) کہا بتاؤ وہ کونسی بے جان چیز ہے جس نے بے جان ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا؟

فرمایا: حضرت نوحؑ کی کشتی پانی پر چلی اور چلتے چلتے جب بیت اللہ پر آئی تو بیت اللہ کے سات چکر لگائے۔

(۲۴) کہا بتاؤ وہ کونسی قبر جو اپنے مردے کو لے کر چلی؟

فرمایا: حضرت یونسؑ کی مچھلی جو اپنے اندر حضرت اویسؑ کو بٹھا کر چالیس دن تک بھرتی رہی اور وہ قبر کی طرح تھی قبر کی طرح چل رہی تھی لیکن اللہ کی قدرت قاہرہ غالبہ حضرت یونس کو مچھلی کے پیٹ میں بٹھا کر نہ مرنے دیا نہ بھوکا رکھا نہ پیاسا رکھا نہ بیمار کیا نہ پریشان کیا بلکہ مچھلی کو شیشے کی طرح کر دیا حضرت یونس مچھلی کے پیٹ میں بیٹھ کر سارے دریا کا تماشہ دیکھتے اندر سے باہر کا منظر دیکھتے مچھلی کا ایک ہی معدہ ہے اس میں غذا بھی آ رہی ہے لیکن حضرت یونس امانت میں آرام سے بیٹھے ہیں معدے کی حرکت حضرت یونس کو تکلیف نہیں دے رہی لیکن مچھلی کی غذا بھی کھائی جا رہی ہے حضرت یونس امانت بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

(۲۵) کہ بتاؤ وہ کونسی قوم ہے جس نے جھوٹ بولا پھر بھی جنت میں جائے گی؟

فرمایا: حضرت یوسفؑ کے بھائی، ''جآء و ا علی قمیصه بدم کذب ، قال بل سولت لکم أنفسکم أمراً'' (القرآن) حضرت یوسفؑ کے بھائی شام کو آئے اور بکری کا خون کرتہ کے اوپر مل کر آئے اور جھوٹ بولا حضرت یوسف کو بھیڑیا اٹھا کے لے گیا۔ لیکن حضرت یعقوب کے استغفار پر اور ان کی توبہ کرنے پر اللہ انہیں جنت

میں داخل فرمائیں گے۔

(۲۶) کہا بتاؤ وہ کونسی قوم ہے جو سچ بولے گی پھر بھی جہنم میں جائے گی؟

فرمایا: یہودی اور عیسائی ایک بول میں سچے ہیں یہودی کہتے ہیں عیسائی باطل پر ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی باطل پر ہیں اس میں دونوں سچے ہیں، **وقالت الیھود لیست النصری علی شئی وقالت النصرئ لیست الیھود علی شئ .** '' (القرآن) دونوں سچے ہیں اس میں لیکن دونوں جہنم میں جائیں گے، اس کے علاوہ تو اور بھی بہت سوالات ہیں لیکن وقت بہت ہو گیا ہے اس لئے باقی کو چھوڑ رہا ہوں۔

اب حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ اب میرا بھی ایک سوال ہے میں صرف ایک سوال کروں گا جواب دو گے کہا دوں گا۔ فرمایا، ''**مامفتاح الجنة ؟**'' مجھے بتادے جنت کی چابی (کیا ہے۔) یہودی عالم خاموش ہو گئے۔ تو نیچے مجمع سے لوگوں نے کہا کہ بولتے کیوں نہیں؟ تم نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی اور وہ ہر ایک کا جواب دیتا رہا اور آپ ایک کا بھی جواب نہیں دے رہے، کہنے لگا جواب مجھے آتا ہے مگر تم مانو گے نہیں، یہی آج ہم کہتے ہیں کہ جناب مجھے سارا پتہ ہے تو مانتے کیوں نہیں؟ کہتے ہیں کیا کریں مجبور ہیں اس مجبوری کو توڑنے کے لئے کہتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں نکلا جائے۔ یہودی عالم نے کہا جواب تو مجھے آتا ہے تم مانو گے نہیں کہنے لگے اگر تو کہے گا تو ہم مانیں گے کہ جنت کی چابی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت کی چابی میرے ہاتھ میں ہے اور جنت کا جھنڈا میرے ہاتھ میں ہے ساری دنیا کے انسان میرے جھنڈے کے نیچے جنت میں جائیں گے کوئی میرے جھنڈے سے نکل نہیں سکتا جنت کا دروازہ اور چابی آپ کے ہاتھ

میں کوئی جا نہیں سکتا جنت والے جنت کے دروازے پر پہنچ چکے ہیں '' وسیق الذین اتقوا ربھم إلی الجنة زمرا . حتی اذا جآء وھا وفتحت أبوابھا '' (القرآن) آئے ہیں دروازے پر کھڑے ہیں دروازہ بند ہے حضرت آدم کے پاس آتے ہیں اے ہمارے باپ! تو ہی ہمارا جداول تو ہی ہمارا سب سے بڑا تو ہی جنت کا دروازہ کھلوا۔ وہ ارشاد فرمائیں گے ارے میں نے ہی تو تمہیں جنت سے نکلوایا تھا میں تمہیں کہاں سے داخل کرواؤں یہ میرے بس کی بات نہیں ہے حضرت نوح کے پاس آئیں گے آپ جد ثانی میں آپ دروازہ کھلوائے وہ کہیں گے کہ میں نہیں کھلوا سکتا آج میرے بس کی بات نہیں ہے حضرت موسیٰؑ کے پاس آئیں گے پھر حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئیں گے حضرت عیسیٰؑ ارشاد فرمائیں گے کہ میرے بس کی بات نہیں ہے جاؤ نبی عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جاؤ جس کے ہاتھ میں جنت کی چابی ہے اور جس کی اتباع میں دنیا کی کامیابی ہے۔

(۱۰۱ سبق آموز واقعات/مولانا محمد ہارون صاحب)

جرمنی کے ایک باشندے کا عبرتناک واقعہ

جرمنی میں دو بچوں کی ماں پر تشدد کرنے والا جنسی جنونی اپنے اندر کی آگ میں پراسرار طور پر جل کر ہلاک ہوگیا۔ کینیڈا کے میگزین ویکلی ورلڈ نیوز کی رپورٹ کے مطابق ماہرین نے اس واقعے کو از خود احتراق یا خارجی ذریعے کی مدد کے بغیر جل جانے کا انتہائی پراسرار واقعہ قرار دیا ہے۔

تفصیلات کے مطابق جرمنی کے قصبے آخین کے ایک باشندے ہرمان بین ہولٹ نے

گزشتہ ہفتے ۲۸ سالہ پڑوسن حنا نامان کے گھر گھس کر اس پر جنسی حملہ کرنا چاہا۔ حنا اس وقت اپنے دو سالہ بیٹے اور ۳ سالہ ہیدی کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہرمان کو ڈارنے، دھمکانے اور چیخ پکار مچا کر پڑوسیوں کو بلانے کی دھمکی دی، لیکن وہ باز نہ آیا اس نے حنا پر حملہ کر کے اسے فرش پر گرا دیا۔

حنا نے خود کو بچانے کے لیے ابھی پہلی چیخ ہی ماری تھی کہ حملہ آور ہرمان خود ہی درد سے کراہ کر اس کے اوپر سے ہٹ گیا اور اپنا سینہ ملنے لگا۔ حنا نے بتایا کہ اس نے زندگی میں اس سے حیرت انگیز اور خوفناک واقعہ نہیں دیکھا اور نہ ہی آئندہ دیکھنے کی توقع رکھتی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ اچانک ہرمان کے سینے سے آگ کی لپٹیں نکلنے لگیں اور وہ چیخ چیخ کر خود کو آگ سے بچانے کے لیے قالین پر تیزی سے کروٹیں بدلنے لگا۔ لیکن اس رگڑ سے آگ اور بھڑک اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا پورا جسم ''اندر کی آگ'' کی لپیٹ میں آ گیا۔

حنا اپنے دونوں بچوں کو تھامے کونے میں کھڑی یہ خوفناک منظر دیکھتی رہی۔ جیسے ہی اس کے حواس بحال ہوئے، اس نے دوڑ کر فائر بریگیڈ کو فون کیا۔ جس کے ساتھ ساتھ پولیس بھی آ گئی۔ لیکن تب تک ہرمان مکمل طور پر جل چکا تھا اور اس کا جلا ہوا ڈھانچہ عبرتناک انداز میں کمرے میں پڑا ہوا تھا۔ پولیس اور فائر بریگیڈ کے سراغ رساں اب تک ہرمان کو لگنے والی اس آگ کی وجوہات معلوم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے ہیں۔ واقعے کے تھوڑی دیر بعد ایک مقامی اخبار کے رپوٹر جرگسن شلٹ بھی پہنچ گئے۔ جنہوں نے ہرمان کے سوختہ ڈھانچے کی کئی تصاویر بنائیں۔

جرگسن شلٹ کا کہنا ہے کہ اس حیرت انگیز واقعے کی کوئی توجیہ نہیں دی جا سکتی۔ ہو سکتا ہے کہ یہ خدا کی جانب سے ہرمان بین ہولٹ کو ایک برے کام کی سزا دی گئی ہو۔ ایک

پولیس سراغرساں نے بتایا کہ ہرمان اس واقعے سے قبل کے مرتبہ مختلف خواتین پر جنسی حملوں کے الزام کے تحت گرفتار ہو چکا تھا۔لیکن اس پر بھی الزام ثابت نہیں ہوسکا تھا،لہذا وہ سزا سے بچتا آ رہا تھا۔حنا کے واقعے نے اسے خودسزادی اور دو بچوں کی مطلقہ ماں کو بچالیا۔

حنا کا کہنا ہے کہ جب حملہ آور گھر میں گھسا تو اس کے ہاتھ میں چھوٹا سا پسٹل تھا جو کہ اس کے ساتھ جل کر بدنما ہو چکا ہے۔حنا نے واقعے کی یاد تازہ کرتے ہوئے بتایا کہ ہرمان نے ٹی وی لاؤنج میں گھستے ہی اسے حکم دیا تھا کہ وہ چیخنے کی کوشش نہ کرے لیکن خاتون نے اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے کوئی حرکت کی تو وہ شور مچا کر لوگوں کو جمع کر لے گی لیکن ڈھیٹ حملہ آور نے اس کے بچوں کی جانب پسٹل تان کر اسے قریب آنے پر مجبور کیا اور اس کے قریب آتے ہی اسے دبوچ کر نیچے گرالیا۔حنا کا کہنا ہے کہ اس کے معصوم بچوں نے ماں کو بچانے کے لیے اپنی عمر سے بڑھ کر جرات کا مظاہرہ کیا۔ہیدی کھڑکی سے چہرہ نکال کر چیخنے لگا۔جبکہ ۵ سالہ پیڑ ماں کو چھڑانے کے لیے حملہ آور کی پشت پر سوار ہو کر اس پر مکے برسانے لگا۔جب ہرمان خود جلنے لگا تو اس نے پیڑ کو دور پٹخ دیا،جس کے باعث بچے کی ٹانگ مضروب ہوگئی۔

حنا کا کہنا ہے کہ" ہرمان آخر تک یہ سمجھتا رہا کہ اسے میں نے آگ لگائی ہے،اس لیے جب وہ پوری طرح شعلوں میں گھر گیا تو اس نے میری منت سماجت کرنا شروع کر دی کہ میں نے جس طرح اسے نذر آتش کیا ہے،اسی طرح جادو سے آگ بجھادوں۔لیکن میں خود حیرت سے سن کھڑی تھی،مجھے اتنا ہوش بھی نہیں تھا کہ اس کی حالت پر غور کرتی،کجا یہ کہ اسے بچانے کے لیے کچھ کرتی۔

''پولیس سراغ رساں کروگر نے اس بات پر حیرانی ظاہر کی کہ جس قالین پر پورا ایک شخص زندہ جل گیا، وہ جھلنے سے محفوظ رہا۔ سراغ رسانوں نے اس واقعے کی تفتیش ابھی داخل دفتر نہیں کی لیکن انہیں اس سلسلے میں کسی بھی جانب سے کوئی تعاون حاصل نہیں ہو رہا ہے۔ حنا نے اس واقعے کی یادوں اور اثرات سے نجات حاصل کرنے کے لیے اپنا گھر تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

(۱۰۱ سبق آموز واقعات)

ایک نومسلم عورت کے قبول اسلام کا عبرت انگیز واقعہ

ایک نومسلم کے قبول اسلام کا سبق آموز واقعہ انہی کی زبانی پیش ہے ملاحظہ فرمائیے۔

میں ۱۹۴۹ء میں آسٹریلیا میں پیدا ہوئی۔ میرے والدین دہریے تھے اور اعلانیہ خدا کا انکار کرتے تھے، اس لئے میری پرورش اسی ماحول میں ہوئی۔ میری ایک چھوٹی بہن تھی اور والدین کی پوری کوشش تھی کہ ہم دونوں بہنیں کسی مذہب کی کھکھیڑ میں پڑے بغیر زندگی گزارتی رہیں لیکن اس کے برعکس ہوا یوں کہ میں ابھی سیکنڈری اسکول کی طالبہ تھی کہ مذہب میں میری دلچسپی بڑھنے لگی اور خدا کے تصور کے بغیر میں ایک قسم کی الجھن اور بے اطمینانی محسوس کرنے لگی اور میرے دل سے بی صدا بلند ہونے لگی کہ کوئی ایسی اعلیٰ و برتر ہستی ضرور ہونی چاہئے جو انسانی معیارات سے ماورا منفرد و یکتا ہو۔ جو ہماری حفاظت کرے اور ہمیں قوت فراہم کرے۔ لیکن حالات اور ماحول کے پس منظر میں میرے دل کی یہ آواز دب کر

رہ جاتی ۔ تاہم جب بھی میں گرد و پیش کا جائزہ لیتی مجھے اپنے والدین کے علاوہ اس معاشرے کا ہر فرد اداسی اور تنہائی کی دھند میں لپٹا ہوا نظر آتا۔ سچی مسرت شاید ہی کہیں نظر آتی تھی۔

چودہ سال کی عمر میں، میں نے ایک ادارے میں ٹائپسٹ کی حیثیت سے ملازمت اختیار کر لی اور فارغ اوقات میں ایک کمرشل وکیشنل اسکول میں داخلہ بھی لیا۔ عمر کے اس حصے میں، میں بھی سب لوگوں کی طرح آرام وراحت اور تفریح ہی کو مقصد حیات سمجھتی تھی اور انہیں مشاغل میں مبتلا ہوگئی جو ہمارے معاشرے کا طرہ امتیاز تھا۔ دراصل عیسائی مذہب اپنی قدروں کے اعتبار سے غیر معمولی اور انحطاط میں مبتلا تھا اور مادیت کے مظاہر ہر چہار طرف اس بری طرح چھا گئے تھے کہ کوئی فرد اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا تھا۔ لیکن میں اسے اپنی خوش قسمتی ہی کہوں گی کہ اس سب کچھ کے باوجود میں نے ذہن کے دریچے کھلے رکھے اور عیسائیت کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی لیکن افسوس کہ یہ مذہب میرے شعور و وجدان کو مطمئن کرنے میں قطعی ناکام رہا۔ چونکہ میں نے دہریت و انکار کے ماحول میں پرورش پائی تھی، اس لئے میں ٹھوس عقلی ثبوت چاہتی تھی۔ مجھے پادریوں اور دیگر مذہبی رہنماؤں کی غیر مستند اور من گھڑت روایات مطمئن نہیں کر رہی تھیں۔

۱۹۶۷ء میں میری عمر اٹھارہ سال تھی جب مشرق وسطی میں جنگ چھڑ گئی اور یہی وقت کا سب سے بڑا موضوع بن گیا۔ قدرتی طور پر میرا ذہن بھی اس سے متاثر ہوا اور بے اختیاری جی چاہا کہ عربوں کی تہذیب اور کلچر کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں اور دیکھا جائے کہ ان کے مسائل کیا ہیں؟ یہودیوں سے ان کے اختلافات کی بنیاد کیا ہے اور

ان کے طرز حیات کی کیا خوبیاں اور کیا خامیاں ہیں؟ چنانچہ میں نے مختلف کتب خانوں سے رابطہ قائم کیا۔ پہلے عربوں کے بارے میں مطالعہ کیا اور پھر اس حوالے سے اسلام سے متعارف ہوئی لیکن میرا فسوس ناک امر ہے کہ میں جتنی بھی تاریخی کتابوں ، ناولوں اور رپورٹوں کا مطالعہ کیا ان سب میں اسلام اور عربوں کے خلاف مصنفین کا تعصب اور عناد چھلک چھلک پڑتا تھا اور میں حیران تھی کہ غیر جانبداری ، اعتدال اور انصاف کے علمبرداروں کو کیا ہو گیا ہے۔

آخر کار اللہ تعالی نے میری مدد کی اور میں وی آنا میں ایک مسلم کلچرل سوسائٹی سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئی اور یہاں میں نے اسلام کے بارے میں خود مسلمانوں کی لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ کیا اور مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ اسلام تو محبت اور مساوات کا مذہب ہے اس پر مردم کشی یا دہشت گردی کا الزام اپنے اندر کوئی حقیقت نہیں رکھتا اس کا کسی خاص قوم یا نسل سے کوئی علاقہ نہیں ۔ بلکہ سراسر بین الاقوامیت کا حامل ہے۔

مجھے اسلام کے اس پہلو نے بالخصوص بہت متاثر کیا کہ اس مذہب میں رنگ نسل اور علاقے کی کوئی تفریق نہیں اور اللہ کی نظروں میں وہی شخص عزت کا حامل ہے جو اس کی الوہیت اور حاکمیت کا زیادہ شعور رکھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اخوت ، باہمی رواداری ،محبت ، اپنائیت اور ایثار و اخلاص کی جن اعلیٰ قدروں کا امین ہے، عیسائی معاشروں میں وہ ناپید ہے ۔ یہاں تو ایک ہی مذہب کے پیروکار گورے اور کالے ایک گرجے میں مل کر عبادت بھی نہیں کر سکتے ۔ بلکہ ایک ہی رنگ اور نسل کے امیر عیسائی اور غریب عیسائی ایک ہی گرجے کے الگ الگ درجوں میں عبادت کرتے ہیں ۔اور یہ اس طرح کی بہت سی

خوبیاں تھیں جن سے متاثر ہوکر میں نے بیس سال کی عمر میں یعنی ۱۹۶۹ء میں اس وقت اسلام قبول کرلیا جب وسیع اور ٹھوس مطالعے کے بعد مجھے اطمینان ہوگیا کہ اب میں ایک با مقصد اور مفید زندگی گزار سکتی ہوں اور یہ کہ اسلام بیک وقت انسان کو روحانی طور پر بھی آسودگی بخشتا ہے اور ایک حسین امتزاج کے ساتھ اس کے مادی مسائل میں بھی صحت مند رہنمائی عطا کرتا ہے۔ تہذیبی سطح پر اسلام انسانی ذہن کی تخلیقی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے اور اپنے پیروکاروں میں انصاف اور صداقت کی بنیاد پر اخلاص اور خدمت کا وہ جذبہ پیدا کرتا ہے جو خود ان کے لئے بھی عزت و سربلندی کا باعث بنتا ہے اور عام انسانوں کے لئے بھی امن اور رحمت کا سبب بن جاتا ہے۔ میں اس حقیقت کا برملا اعتراف کرنا چاہتی ہوں کہ اسلام نے میری زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ میں مایوسی، بے سکونی اور احساس تنہائی کی اس غیر معمولی کیفیت سے دوچار تھی جس سے یورپ کا شاید ہی کوئی فرد محفوظ نظر آتا ہو۔ اسلام نے مجھے اس صورت حال سے نجات دلا دی اور اسلام کے حصار میں آکر میں پہلی بار سچی مسرت اور لازوال سکون سے آشنا ہوئی۔ یوں لگا جیسے صدیوں کی پیاسی روح ٹھنڈے میٹھے چشمے پر پہنچ گئی ہو۔ اس احساس نے مجھے اسلام کا شیدائی بنا دیا اور میں مسلسل اسلام کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگی اور یہ بھی خالص اللہ کی عنایت ہے کہ میری شادی افغانستان کے ایک طالب علم سے ہوگئی جو وی آنا میں زیر تعلیم تھا۔ میرے خاوند نے تعلیم مکمل کرلی تو ہم افغانستان آ گئے۔

اس وقت میرا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھی اور بحمد للہ اس وقت سے لے کر آج تک میں مسلمان کی حیثیت سے شرح صدر اور کامل اطمینان کے ساتھ اسلامی اصولوں پر کاربند ہوں اور مطمئن ہوں۔ تاہم میں یہ ضرور عرض کرنا چاہوں گی کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں مسلم

اکثریت کے ملکوں میں مقیم ہوں، یا غیر مسلموں کے درمیان زندگی گزار رہے ہوں، ہمیں مسلمان کی حیثیت سے اپنے اعمال وکردار کا تنقیدی جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا محاسبہ کر کے انہیں دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس حوالے سے میرا تجزیہ یہ ہے کہ عام مسلم معاشروں میں، خواہ وہ یورپین فکر وتہذیب سے متاثر بھی ہوں، اسلام کا محض ایک رہی اور سرسری سا تصور کارفرما نظر آتا ہے صاف محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلام کو شعوری طور پر سمجھا ہے نہ اس پر عمل کرنے میں وہ سنجیدہ ہیں اور جو کچھ ہے وہ محض زبانی جمع خرچ ہے۔ اسلام ان کے قلب وذہن میں گہرائی تک نہیں اترا۔

(۱۰۱ سبق آموز واقعات)

ایک عالم ہے ثنا خواں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا

مغربی مفکرین کے قلم سے عظمت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعتراف

(ماخوذ/ ایک عالم ہے ثنا خواں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا)

آربیل:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پوری زندگی کبھی یہ دعوی نہیں کیا کہ وہ معجزہ کر دکھانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ آپ نے اس حوالے سے اپنی کوئی علامت بھی قائم نہ کی۔ آپ ہمیشہ یہ فرماتے تھے کہ تمام علامتیں اور نشانیاں اللہ کی ہیں اور خدا کے کلام کا ان پر نزول سب سے بڑا معجزہ ہے۔

آرلی روژ:

انسانی تاریخ کو سامنے رکھیے اور اس کا بغور مطالعہ کیجئے تو ایک زبردست حقیقت کا انکشاف ہوگا۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے جو پہلے سماجی بین الاقوامی انقلاب کے بانی تھے جن کا حوالہ ہمیں تاریخ میں ملتا ہے۔ آپ سے پہلے کی تاریخ میں کوئی ایسا نہیں ملتا جو بین الاقوامی سماجی انقلاب کا بانی ہو۔ آپ نے ایک ایسی مثالی ریاست قائم کی کہ جب تک پوری دنیا کی ریاستیں اور حکومتیں اس کی تقلید نہیں کرتی ہیں، عالمی امن قائم نہیں ہوسکتا اور سماجی انصاف فراہم نہیں کیا جاسکتا۔ آپ نے انصاف اور جود وسخا کے جو قوانین مرتب اور نافذ کیے، جب تک دنیا انہیں نہیں اپناتی، یہ نہ خوشحال ہوسکتی ہے نہ پرسکون۔ آپ نے بین الاقوامی مساوات کا نظریہ دیا اور دنیا کے سب انسانوں کو برابر ٹھہرایا۔ آپ نے درس دیا کہ انسان کو انسان کی مدد کرنی چاہیے!

آرلینڈاوَ:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے سب سے بڑا اور مشکل فریضہ یہ تھا کہ وہ اس طاقتور قبائلی نظام کو توڑ پھوڑ کر ختم کر دیں جو نہ صرف نہ ختم ہونے والی لڑائیوں کا سرچشمہ تھا بلکہ یہ قبائلی نظام خدا کا شریک بن چکا تھا۔ اس کارنامے کے ساتھ انہیں اس قوم کو آفاقی قانون سے متعارف کرانا تھا جو لاقانونیت کی آخری حدوں کو چھو چکی تھی۔ انہوں نے اس قوم کی تنظیم کرنی تھی جو قبائل میں بھی ایک دوسرے کے خون کی پیاسی رہتی تھی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ظلم وشقاوت کی جگہ انسانیت کا علَم بلند کرنا تھا، انتشار اور انارکی کی جگہ نظم ونسق کو بحال کرنا تھا اور طاقت کی جگہ انصاف کا بول بالا کرنا تھا۔ اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا

انتقال ہوا تو اسلام کی تکمیل ہو چکی تھی۔ اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والا معاشرہ معرض وجود میں آ چکا تھا۔ روحانی اور مادی فتوحات کا ایک ایسا راستہ کھل چکا تھا جس کی مثال پوری انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آرنلڈ ٹوائن بی:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسلام کے ذریعے انسانوں میں رنگ اور نسل اور طبقاتی امتیاز کا یکسر خاتمہ کر دیا۔ کسی مذہب نے اس سے بڑی کامیابی حاصل نہیں کی جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب کو نصیب ہوئی۔ آج کی دنیا جس ضرورت کے لیے رو رہی ہے اسے صرف اور صرف مساوات محمدی کے نظریے کے ذریعے ہی پورا کیا جا سکتا ہے۔

اولیسری:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں کوئی فاتر العقل اور انتہائی متعصب ہی یہ الزام لگا سکتا ہے کہ آپ نے تلوار کے ذریعے اسلام پھیلایا اور اپنے پیروکاروں کو اس راہ پر چلنے کی تلقین کی۔

افسوس کہ مغرب کے کتنے ہی ایسے مورخین اور علما تھے جنہوں نے اس بے ہودہ فسانے کا بار بار پرچار کر کے اپنے متعصب اور فاتر العقل ہونے کا ثبوت دیا۔

ای بلائیڈن:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کا پورا سسٹم دو بنیادوں پر استوار ہے، اور یہی قرآن کی روح ہے۔ جزا اور سزا کے ستون ۔۔۔۔ اچھے کام کی جزا اور برے کام کی سزا۔۔۔

امید اور خوف! امید کہ اچھائی باثمر ہوگی اور خوف کہ برائی کا ارتکاب ہوا تو سزا ملے گی۔ ایسا مکمل نظام حیات دنیا کے کسی مذہب نے پیش نہیں کیا۔

ایچ پائرینی:

انسانی دنیا میں ایک خلا تھا، وسیع و بسیط خلا۔ انسان انسان سے بچھڑا ہوا اور فاصلے پر کھڑا تھا۔ عرب کے صحراؤں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انسانی یگانگت اور عالمی برادری کا جو پیغام دیا، اس نے اس خلا کو پُر کر دیا۔ انسان انسان کے قریب آ گیا۔ آج ہم عالمی برادری کی جو اصطلاح استعمال کرتے ہیں، اس کا تصور پیغمبر عربی (ﷺ) کی عطا ہے!

ایڈورڈ گبن:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غالباً دنیا کے واحد قانون ساز ہیں جنہوں نے خیرات کی صحیح مقدار کا تعین کیا۔

ساتویں صدی کے عیسائیوں کو دیکھیے تو وہ کفر کی رسوم اپنا چکے تھے۔ وحدت تثلیث میں تبدیل ہو چکی تھی۔ عیسائیوں نے کمال کر دکھایا کہ اپنی جگہ تین مقدس وجود تخلیق کر لیے ۔۔۔ یسوع جو انسان تھا اسے خدا کے بیٹے کا روپ بخش دیا۔ عیسائی مذہب کے مختلف فرقوں نے اس عقیدے کو اپنے اپنے انداز میں اپنایا اور ہر کوئی یہ دعوی کرنے لگا کہ سچا اور صحیح عقیدہ اس کے فرقے کا ہے۔ یوں عیسائیوں کے یہاں خدا کا تصور دھندلاتا گیا اور مبہم بنتا گیا۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خدا کا جو تصور اور عقیدہ دیا، اس میں کسی طرح کا ابہام نہیں

۔ یہ روشن اور منور ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والا قرآن پاک ۔۔۔ اللہ کی وحدانیت کا شاندار ثبوت بن گیا۔

ایس پی سکاٹ:

صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی واحد قانون عطا کرنے والے ہیں جنہوں نے دنیا میں پہلی بار طبقہ۔ اناث کے لیے قانون وضع کیے اور ان کے حقوق کو تحفظ فراہم کیا۔ عورت کو اس سے پہلے مردوں کے ''پدری سماج'' نے بے آسرا اور بے سہارا بنا دیا تھا۔ معاشی اعتبار سے اس معاشرے میں اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسے قوانین بنائے اور نافذ کیے کہ تعدد ازواج کو محدود کر دیا۔ عورت کو ورثے میں سے حصہ دلوایا۔

اس مادی دنیا میں اخلاقی اقدار کو بتدریج کس نے مستحکم اور توانا کیا؟ اور پھر انہیں کس نے بام عروج تک پہنچایا؟ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے دین اسلام نے! انسانی تاریخ اور انسان کا بے بضاعت ذہن حیران ہے کہ کتنے مختصر سے عرصے میں بکھرے ہوئے، باہم لڑنے والے انسانی گروہوں کو ایک نبی اور اس کے پیغام نے ایک متحد اور توانا امت میں تبدیل کر دیا۔

ای شاساؤ:

انسان اپنی محبت سے پہچانا جاتا ہے ۔۔۔ اور پیغمبر اپنے رفقا اور حواریوں اور صحابہ کے حوالے سے ۔۔۔ پیغمبر کی تعلیم کا صحیح اثر دیکھنا ہو تو اس کے ان ساتھیوں کو دیکھیے جنہوں نے اس کے ساتھ پیمان وفا باندھا ہو اور اس کے مذہب پر سب سے پہلے ایمان لائے ہوں۔

ایف شوان

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خدا عادل اور منصف بھی ہے اور رحمن اور رحیم بھی ہے۔ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے لیے رحمن اور رحیم کے الفاظ استعمال کرتے تھے تو رحمن کا مفہوم یہ بنتا تھا: ایک ایسا آسمان جو نور سے بھرا ہوا ہے اور رحیم کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ جیسے ایک حدت بخش روشنی کی کرن آسمان سے آرہی ہے اور انسان کو زندگی بخش رہی ہے۔

ایم ایم واٹ:

بیسویں صدی کے یورپی مورخوں، علماء اور انسانیات کے ماہرین کو بالآخر یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعض تعلیمات جن پر گزشتہ صدیوں میں شدید مخالفت کی گئی تھی، وہ صداقت پر مبنی تھیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کا معیار جدید معیاروں سے بھی بلند تر ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جس خاندانی نظام کی بنیاد رکھی، انسانی رشتوں کو جو پاکیزگی اور پائیداری بخشی، اس کا شدید احساس آج کے یورپ کو ہو رہا ہے جبکہ یورپی معاشرے میں خاندان کا ڈھانچہ بکھر گیا ہے اور انسان اکیلا رہ گیا ہے!

برٹرینڈ رسل:

مذاہب عالم میں عیسائیت کو اس ضمن میں طرہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ سزا دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتی ہے۔ بدھ مت ایک ایسا مذہب ہے جس میں سزا کا تصور ہی نہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین توازن پر کھڑا ہے۔ دور رسالت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے

ساتھ منصفانہ سلوک ہوتا رہا۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ منصفانہ سلوک کی یہی روایت جاری رہی، جب کہ عیسائیوں نے ہمیشہ یہودیوں اور مسلمانوں پر مظالم ڈھائے۔ روسی شہنشاہیت کے عیسائی ہوتے ہی یہودیوں کے خلاف مذہبی تحریک چلا دی گئی۔ مسلمانوں کے خلاف لڑی جانے والی عیسائیوں کی مقدس جنگیں ۔۔۔۔ مسلمانوں کے خلاف نفرت کا اظہار تھیں۔ عیسائیت اور اس کے علمبرداروں نے ہمیشہ اسلام اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف باطل پروپیگنڈہ جاری رکھا ہے، جب کہ تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عظیم انسان اور فقید المثال مذہبی رہنما تھے۔ وہ ایک ایسے دین کے بانی تھے جو بردباری، مساوات اور انصاف کی بنیادوں پر کھڑا ہے۔

بی سمت:

کسی مذہب کے داعی نے حیوانات کی زندگی کو اتنی اہمیت نہیں دی جتنی دین اسلام کے بانی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دی۔ جانوروں اور پرندوں کی دیکھ بھال پر جتنا زور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیا اس کے اثرات آج کی دنیا میں عیاں ہیں، ورنہ عیسائی دنیا میں جانوروں اور پرندوں کو بہت حقیر، بے مایہ اور کمتر سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی تعلیمات اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت جب یورپ تک پہنچی تو یورپ نے جن اچھی باتوں کو اپنایا ان میں جانوروں اور پرندوں کے ساتھ محبت اور ہمدردی بھی شامل تھی۔

پی ایچ ایشبی:

اس میں کیا کلام ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم، حساس ترین انسان اور خدا کے فرستادہ آخری نبی تھے۔ آپ انسانوں کے فطری رہنما تھے۔ اس کے باوجود جب کوئی شخص اسلام

قبول کرتا ہے اور قرآن پاک پر ایمان لاتا ہے تو اسے یہ بھی اقرار کرنا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے سچے بندے اور حقیقی پیغمبر ہیں۔ اس لیے آپ نے بھی ایسا کوئی دعویٰ نہیں کیا جس کے وہ مجاز نہ تھے۔ آپ کی شخصیت کا یہ وہ پہلو ہے جو آپ کو دنیا کے ہر پیغمبر کے مقابلے میں ممتاز اور منفرد بنا دیتا ہے۔

پی کینیڈی:

آپ خدا کے ایسے پیغمبر تھے جو قناعت کی انتہا تک پہنچ چکے تھے۔ آپ کی ازواج مطہرات ماہانہ مصارف کی مد میں اضافے کا مطالبہ کرتی ہیں تو وہ اس ناجائز مطالبے کو پورا نہیں کرتے بلکہ کچھ عرصے کے لیے ان سے دور چلے جاتے ہیں تاکہ انہیں احساس ہو سکے کہ ان کا مطالبہ ان حالات میں درست نہیں تھا۔ اور جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر حکمران بنے تو بھی آپ نے اپنے خاندان کو ویسی ہی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی اور اس پر عمل کیا جیسی حکمران بننے سے پہلے بسر کرتے تھے۔

تھامس کارلائل:

آپ ایک نگاہ دنیا پر بھی رکھتے تھے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سخت کوش اور جانفشاں ہونے کے باوجود ہمارے دلوں میں وہ جذبہ پیدا کرتے ہیں جو خود ان کے دل میں موجود تھا۔ فطرت کا سب سے بڑا عطیہ۔۔۔ اخلاص ہے جو دلوں میں گھر کرتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل میں جو اخلاص کا سمندر موجزن تھا، اس سے آپ نے ہمیں اور ساری دنیا کو بھی فیضیاب کیا۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) عیش و عشرت اور شہوانیت کے دلدادہ نہ تھے۔ یہ وہ الزام ہے

جوآپ پران ناعاقبت اندیشوں نے لگایا جن کے ضمیر تاریک ہو چکے تھے۔آپ کا گھریلو ساز وسامان معمولی اور خوراک بہت سادہ اور عام قسم کی تھی۔بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ مہینوں آپ کے گھر میں چولہا روشن نہ ہوسکا۔

جارج برنارڈ شا:

ازمنہ وسطی میں عیسائی راہبوں نے جہالت وتعصب کی وجہ سے اسلام کی نہایت بھیانک تصویر پیش کی۔انہوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دین اسلام کے خلاف منظم تحریک چلائی۔یہ سب راہب اور مصنف غلط کار تھے، کیونکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک عظیم ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ تھے۔محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مذہب کو میں نے ہمیشہ اس کی حیران کن قوت اور صداقت کی وجہ سے اعلیٰ ترین مقام دیا ہے۔میرے خیال میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب دنیا کا واحد مذہب ہے جو ہر دور کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے لیے کشش رکھتا ہے۔میں نے اس حیران کن انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) کا بغور مطالعہ کیا ہے اور اس سے قطع نظر کہ انہیں ''مسیح کا دشمن'' قرار دیا جاتا ہے، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔

میرا ایمان ہے کہ اگر آپ جیسا شخص دنیا کا حکمران ہوتا تو ہماری دنیا کے سارے مسائل حل ہو چکے ہوتے اور یہ دنیا خوشیوں اور امن کا گہوارہ بن جاتی۔

جی ایف مور:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک پسماندہ، غیر مہذب، وحشی اور جاہلیت کی انتہا پر پہنچے ہوئے معاشرے میں پیدا ہوئے۔اس سماج کو جس طرح آپ نے بدلا، اس کی جتنی

تعریف وتشریح کی جائے یقیناً کم ہے۔ اصل نکتہ یہ ہے کہ تیرہ صدیاں پہلے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے جو سماجی انقلاب برپا کیا، وہ بیسویں صدی کے انقلابی افکار کا بھی سرچشمہ ہے اور یوں بڑے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جدید سماجی انقلاب کے داعی اور روح رواں ہیں۔

جی ایل بیری:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بطور پیغمبر سامنے رکھتے ہوئے ہمیں تاریخ ساز محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت اور احادیث تھیں جنہوں نے اسلام کو دنیا کی عظیم تہذیبوں میں ایک تہذیب کی حیثیت دی۔ جس کے بعد دنیا کی کوئی تہذیب اسلامی تہذیب کے اثرات قبول کیے بغیر نہ رہ سکی۔ انسانی تہذیب کی تشکیل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصہ گراں بہا، ناقابل فراموش اور دائمی ہے۔

ڈی ایس مارگولیوتھ:

جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہوا تو ان کا مشن ادھورا نہیں تھا۔ اپنے عظیم روحانی اور سیاسی مشن کی تکمیل انہوں نے اپنی زندگی ہی میں کر لی تھی۔ وہ ایک ایسی سیاسی اور روحانی حکومت اپنے پیچھے چھوڑ گئے جس کا ایک دارالحکومت تھا۔ قبائل اور گروہوں میں بٹے ہوئے انسانوں کو انہوں نے ایک مضبوط امت میں تبدیل کر دیا تھا۔ اپنی ہمیشہ رہنے والی تعلیمات پر کاربند رہنے کی وصیت کر کے انہوں نے امت مسلمہ کا مستقبل ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا تھا۔

دور جاہلیت کے عرب تو ایک طرف رہے، عیسائیت اور ہندومت میں بھی یہ تصور تک

نہیں کیا جا سکتا تھا کہ عورت بھی صاحب حیثیت اور صاحب جائیداد ہو سکتی ہے۔ یہ مذاہب عورت کو اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتے تھے کہ وہ مرد کی طرح معاشی اعتبار سے خوشحال ہو سکے۔ عورت کی حقیقی حیثیت ان مذاہب، تقاضوں اور معاشروں میں ایک باندی کی سی تھی جو مرد کے رحم و کرم پر اپنی زندگی بسر کرتی تھی۔

فلپ کے حتّی:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انسانوں کو بتایا کہ کوئی حکمران نہیں سوائے خدا کی ذات کے اور انسان خدا کا دنیا میں نائب ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دور حکومت میں دین کے احکام اور قرآن کے ارشادات کے ساتھ جو تطابق ملتا ہے، اس کی توقع سے مسلمان حکمران سے کی جاتی ہے اور تعلیمات محمدی کا یہی جوہر ہے۔

نپولین بوناپارٹ:

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اہل عرب کو درس اتحاد دیا۔ ان کے باہمی منازعات اور جھگڑے ختم کیے۔ تھوڑی سی مدت میں آپ کی امت نے نصف سے زیادہ دنیا فتح کر لی۔ پندرہ برس کے عرصے میں عرب کے لوگوں نے بتوں اور جھوٹے دیوتاؤں کی پرستش سے توبہ کر لی۔ مٹی کے بت اور دیویاں مٹی ہی میں ملا دی گئیں۔ یہ حیرت انگیز کارنامہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ان پر عمل کرنے کے سبب انجام پایا۔

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟

(چند نو مسلموں کے قبول اسلام کے داستان)

ماخوذ: اسلام ہی ہمارا انتخاب کیوں

عبدالعلیم خان:

میں ایک ایسے راجپوت گھرانے میں پیدا ہوا جو ہندومت کے دیوی دیوتاؤں پر پختہ ایمان رکھتا تھا۔ بچپن ہی سے مجھے مجبوراً مندروں میں جا کر ان دیوی دیوتاؤں کی پرستش کرنا پڑی تاہم میرے ضمیر نے مجھے یہ احساس شدت سے دلانا شروع کیا کہ یہ دیوی یا دیوتا وہ اصل خدا نہیں جو کچھ دے یا لے سکے۔ مگر مجھ میں اپنے والدین کے خلاف بغاوت کی ہمت نہ تھی جو کہ ان دیوی دیوتاؤں پر کامل ایمان رکھتے تھے۔

میری امی جو بعض دیویوں کے زیر اثر تھیں اور اب بھی ہیں، اپنے گھر کے مندر کے سامنے دن رات بیٹھ کر عبادت کرتیں کیونکہ دیویوں سے انہیں جنون کی حد تک عقیدت تھی ۔بچپن ہی سے میں مبینہ طور پر دیویوں کے زیر اثر عورتوں کا ناچنا پسند نہیں کرتا تھا۔

ایک مسلمان کنبہ ہمارا قریبی ہمسایہ تھا۔ ہمارے درمیان تعلق پیدا ہو گیا اور میں ان کے گھر جانے لگا اور کبھی کبھی نماز کے وقت ان کے ہاں جا پہنچتا۔ ان کی نماز کے طریقے اور انداز سے میں متاثر ہوا۔ یہ انداز میں نے کسی اور مذہب میں نہیں دیکھا تھا۔

آہستہ آہستہ میری مسلمانوں سے دوستی ہونے لگی اور میں ان کے پاس رہنے لگا۔ مختصر یہ کہ گیارھویں کلاس میں پہنچا تو میرے اردگرد کے تمام دوست مسلمان تھے۔ مسلمان

ہونے کا جذبہ میرے دل میں روز بہ روز پروان چڑھتا گیا۔ کالج سے چھٹی کے بعد میں نے کوئی جزوقتی ملازمت تلاش کرنے کا فیصلہ کیا اور مجھے سٹینوگرافر (مختصر نویس) کی ملازمت مل گئی۔ رفتہ رفتہ میں نے اپنے افسر سے اپنے خیالات کا اظہار کرنا شروع کیا تو انہوں نے مجھے یہ یقین دلایا کہ ہندومت ہی دنیا کا سب سے قدیم اور سچا مذہب ہے اور کوئی دوسرا مذہب اس سے بہتر نہیں۔ اس طرح وہ 3 سال تک یعنی مارچ 1984ء تک مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ میرے والدین نے ایک حسین راجپوت لڑکی سے میری منگنی بھی کر دی۔ ادھر کالج میں ہر طرح کی برائیوں نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا۔

مشکلات: سینٹ وِنسنٹ (St. Vincent) کالج میں میری شہرت دن بہ دن خراب ہونے لگی اور مجھے یقین ہو گیا کہ تیسرے اور آخری سال میں مجھے داخلہ نہیں دیا جائے گا اور بالآخر یہ ایسے ہی ہوا۔ سال دوم کے بعد پرنسپل نے مجھے داخلہ دینے سے انکار کر دیا اور مجھ سے کہا کہ کسی اور کالج میں چلے جاؤ جو کہ میرے لیے ناممکن تھا کیونکہ کوئی بھی کالج آخری برسوں میں کسی طالب علم کو داخلہ نہیں دیتا تھا۔

میں نے ہندو دیوی دیوتاؤں سے دعائیں کرنا شروع کیں مگر وقت گزرتا گیا اور میرا کام نہ ہوا۔ تین ماہ اسی طرح گزر گئے اور پرنسپل صاحب مجھے داخلہ دینے سے برابر انکار کرتے رہے۔ میری تمام امید میں ختم ہو گئیں تو امید کی ایک نئی کرن نمودار ہوئی۔ یہ امید تھی اللہ سے جسے میں پہلے پہچانتا نہ تھا اور جو جسم یا پیکر محسوس ہونے سے ماورا ہے۔ میں نے اللہ سے دعا کی کہ اگر مجھے اس کالج میں داخلہ مل جائے تو میں شادی کے بعد مسلمان ہو جاؤں گا۔ حیرت انگیز بات تو یہ تھی کہ جو کام تین ماہ میں نہ ہو سکا وہ دو دن میں ہو گیا اور میرا اللہ پر ایمان اور پختہ ہو گیا۔

پھر مجھے اسلام کے لیے شادی تک انتظار نہ کرنا پڑا۔ میں نے اپنی ہندو منگیتر سے کہا کہ کیا وہ قبول اسلام کے بعد بھی مجھ سے شادی کرنے کو تیار ہوگی۔ اس نے طرح طرح کے جذباتی الفاظ میں مجھے یقین دلایا کہ شادی کے بعد وہ بھی اسلام قبول کر لے گی۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں نے والدین سے مشورہ نہیں کیا۔

بالآخر 2 نومبر 1985ء کو میں کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا اور مہاراشٹر ہیرالڈ (Maharashtra Herald) نامی جریدے میں اپنے قبول اسلام کا اعلان شائع کرا دیا۔ پھر تو میرے لیے مصائب شروع ہو گئے۔ پہلے میرے والدین نے گھر میں میری زندگی عذاب بنادی اور میری منگنی ٹوٹ گئی۔ میری منگیتر کے الفاظ نقش برآب ثابت ہوئے اور اس کی مجھ سے دلچسپی ختم ہوگئی۔

اس دوران میں میرے والد نے فاطمہ نگر میں ایک فلیٹ بک کرالیا تھا اور یکم جنوری 1985ء سے میرا خاندان وہاں منتقل ہوگیا اور مجھے اس نازک عمر میں دنیا کے حوادث و آلام کا سامنا کرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا۔ معاشرے اور غیر مسلموں نے میری بہت مخالفت کی۔ مگر جب کسی آدمی کے دل میں ایمان جگہ پالے تو وہ اس دنیاوی مکر و فریب کی بجائے صرف اللہ ہی سے ڈرتا ہے۔

اسلام کا مطالعہ: میں نے اسلام کا مطالعہ شروع کیا اور پہلی ہی نظر میں اس کے دلکش حسن اور قرآن کے علمی خزانے نے مجھے مسحور کر دیا۔ میں محسوس کرنے لگا کہ مجھے بہترین علم حاصل ہو رہا ہے اور وہ قرآن کا علم ہے۔

صورت حال بدل گئی تھی۔ اب میں ہر طرح کی برائیوں سے پاک ہو چکا تھا۔ کلیتاً حدیث پاک کو مدنظر رکھ کر میں نے صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی بسر کرنا سیکھ لیا۔ ختنے کی

ضرورت ہی نہ پڑی کیونکہ وہ قدرتی طور پر بچپن سے موجود تھا۔ شاید قدرت نے پہلے ہی میرے قبول اسلام کا فیصلہ کرلیا تھا۔ اسلام کی دولت کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں والدین ، بہن بھائیوں اور اپنے معاشرے کو چھوڑنا پڑتا ہے لیکن پیدائشی مسلمانوں کو اسلام کی دولت کسی محنت مشقت یا تکلیف کے بغیر ہی مل جاتی ہے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جو نہایت دلکش طریقے سے زندگی میں انقلاب لاتا ہے۔ میں نسلی مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ آپ لوگوں کو اسلام پیدائشی طور پر نصیب ہوا مگر میں نے اپنی پسند سے اسے اختیار کیا۔ میرے اور آپ کے درمیان یہی ایک فرق ہے جو بہت بڑا امتیاز ہے۔ اب میرا نام عبدالعلیم خان ہے اور میں اپنی ضعیف العمر دادی اماں کے ساتھ 10 - این پی ایس لائنز ایسٹ سٹریٹ اولڈ پول گیٹ پونا - 001 411 میں رہتا ہوں اور حق کو پا کر بہت اطمینان کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میرا سابق نام منوج چندر پال پردیشی تھا۔

میری اللہ تعالی سے دعا ہے کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے ایمان کو توانا کردے اور انہیں پاکیزہ اور نیک زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

[عبدالعلیم خان]

ڈاکٹر عبدالکریم ہربرٹ:

میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ اس سوال کا میرا واحد معقول جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے اپنی رحمت سے مجھے عظیم ترین سچائی کو قبول کرنے اور دنیا کی سب سے بڑی حقیقت کو تسلیم کرنے کی توفیق عطا کی ہے۔ بہرحال میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ انسانی فطرت اور مزاج کچھ حقائق کو اطمینان بخش ثبوت اور ٹھوس دلائل کے بغیر قبول کرنے سے انکار کر دیتے

ہیں۔انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ میرا یہ جواب ان لوگوں کو مطمئن نہیں کر سکے گا جو سچ کی تلاش پر آمادہ اور مائل نہیں اور نہ وہ لوگ اس سے مطمئن ہوں گے جن پر حق کا نور منکشف نہیں ہوا،لہذا میرے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ چند وجوہ اور اسباب یہاں بیان کردوں جن کی بنا پر میں نے اسلام قبول کیا اور اس پر قائم ہوں۔

یورپی معاشرے میں رہ کر میں اس امر پر مسرت کا اظہار کرتا ہوں کہ یہاں کے لوگ محض معاشی سیاسی یا سماجی ترغیبات کے باعث اپنا مذہب ترک نہیں کرتے اور نہ اس وقت تک کوئی دوسرا مذہب تبدیل کرتے ہیں جب تک کہ وہ ایک طاقتور محرک اور مؤثر عامل بن کر ان کے دل کو روحانی سکون فراہم نہ کرے۔ بصورت دیگر وہ اپنے کفر وارتداد ہی پر قناعت کرتے ہیں۔اگر انسان غور کرے تو اس نتیجے پر پہنچے گا کہ میرا یا یورپی معاشرے کے کسی اور فرد کا قبول اسلام مالی فوائد یا سماجی مفادات حاصل کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ معاملہ اس کے تقریباً برعکس ہے۔

پہلی بات یہ کہ ہم یورپی اقوام کے لوگ مذہبی معاملات کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تاہم اگر یورپی معاشرے میں کوئی فرد ایسا ہو جو مذہب کا خیال رکھتا ہو تو اس کا مقصد سوائے اللہ کی تلاش کے اور کچھ نہیں ہوتا۔اس لحاظ سے اسلام میں میری اپنی دلچسپی بھی سچ کی تلاش اور فکر کی اصلاح کی خاطر تھی۔تلاش حق کی خواہش میرے دل میں اس وقت پیدا ہوئی جب میں نے دیکھا کہ عیسائیت کے بنیادی عقائد کے حوالے سے کئی شکوک اور بدگمانیاں میرے دل و دماغ میں پیدا ہو رہی ہیں۔ جبکہ عیسائیت ان شکوک اور بدگمانیوں کے ازالے کے لیے ناکافی ثابت ہو رہی ہے اور عیسائیت کا زور اس بات پر ہے کہ اس کے

تمام نظریات کو کسی ثبوت اور دلیل کے بغیر مان لیا جائے۔

مثال کے طور پر میرا ذہن اس عیسائی عقیدے کو ماننے پر آمادہ نہیں کہ اللہ تعالی نے حضرت عیسیٰؑ کو دنیا بھر کی انسانیت کے گناہ کا کفارہ بنا کر بھیجا۔ یہ بات بھی مجھے اچھی نہ لگی کہ تمام نوع انسانی مختلف قسم کے گناہوں میں لتھڑی ہوئی ہے اور حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے سے اللہ کے بندوں کے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ میں یہ بھی محسوس کرتا تھا کہ اپنے بندوں کو بچانے کی تمام تر قدرت اللہ تعالی ہی کے پاس ہے اور وہی ان کو گناہوں اور جرائم سے روک سکتا ہے۔ مجھے یہ بھی محسوس ہوتا تھا کہ اللہ تعالی اپنی مرضی سے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے بندوں کے گناہوں کا کفارہ بنانے کا نظریہ اللہ تعالی پر (نعوذ باللہ) غلطی اور ناانصافی کے الزام دھرنے کے مترادف ہے۔ دوسری طرف انسان کو گویا کسی رکاوٹ اور جھجک کے بغیر گناہوں اور جرائم کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ جب کبھی میں نے ان شبہات کا کسی عیسائی عالم یا پادری کے سامنے اظہار کیا تو اس نے مجھے یہ ہدایت کی کہ ان شبہات کو ذہن سے نکال دو اور مجھے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ میں عیسائیت کے ان نظریات وعقائد کو بغیر کسی شرط یا شک وشبہ کے قبول کر لوں۔ انہوں نے مجھ پر بہت دباؤ ڈالا کہ ان کے ناکافی دلائل پر اعتراض نہ کروں تاکہ شکوک وشبہات میرے ذہن میں مزید پرورش نہ پا سکیں۔ سچ معلوم کرنے کی خواہش ہر لمحہ اس قدر بڑھ رہی تھی کہ میں تمام عقائد اور شریعت الٰہی سے منکر ہونے کے نازک موڑ پر آ پہنچا۔

ان دنوں مجھے ایک قابل اور باعمل مسلمان سے واسطہ پڑا جو یورپی تہذیب وتمدن کی زرق برق زندگی کے زیر سایہ ہونے کے باوجود خود کو مسلمان کہنے پر فخر کرتا تھا۔ اس شخص کا

یہ دعوی تھا کہ اسلام کی برکت سے اسے دل و دماغ کا سکون میسر ہے اور دوسری طرف میرے دل میں مذہب سے نفرت اور بیزاری جڑ پکڑ چکی تھی۔ اس شخص کے اس دعوے پر مجھے حیرت ہوئی اور میں سوچوں کے سمندر میں ڈوب گیا کہ کیا کوئی ایسا مذہب بھی ہے جو اپنے پیروکاروں کو دل کا اطمینان اور دماغ کا سکون فراہم کرسکتا ہے۔ اس خیال نے مجھے اسلام اور اس کے قواعد وضوابط کے بارے میں معلومات حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔ اپنے مطالعہ کی بنا پر میرا یہ دعوی ہے کہ اسلام اللہ تعالی کا ابدی دین ہے جو اپنے چاہنے والوں کے دلوں کو مسرت بخشتا ہے اور یہ تمام معاملات ومشکلات میں ان کی مدد کرتا ہے اور دوسرے مذاہب کی تعلیمات وعقائد (پروپیگنڈہ) سے پیدا ہونے والے تمام شکوک وشبہات کو زائل کرتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات میں سے سب سے اہم بات جس نے میرے دل کو متاثر کیا یہ ہے کہ اسلام بغیر غور وفکر کے انسان کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور نہیں کرتا بلکہ اس کو گہرے غور وفکر اور قبول اسلام سے پہلے ہر اسلامی عقیدے کو عقل وفہم کی کسوٹی پر پرکھنے کی دعوت دیتا ہے۔ اسلام کے مطابق اللہ تعالی عدل کا سرچشمہ ہے اس لیے ممکن نہیں کہ وہ کسی ایک انسان کو تمام انسانیت کے گناہوں کا کفارہ بنادے۔ اسلامی عقیدے کے مطابق اللہ تعالی تمام اعلی صفات کا مالک ہے اور ہر طرح کے نقائص اور کوتاہیوں سے پاک ہے اس لیے اسلام اس بات پر مصر ہے کہ یہ بات عقل اور تصور سے ماورا ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو آزادی دی ہو کہ وہ گناہ کرتا رہے اور ان کا کفارہ ادا ہوتا رہے گا۔

اسلام کی ان ابدی تعلیمات نے مذہب اور مذہبی قواعد وضوابط سے نفرت میرے ذہن سے مٹادی اور مجھے اس نتیجے پر پہنچایا کہ مذہب ایک مستقل اور خودمختار ضابطۂ قوانین ہے جو انسان کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کی خوشحالی دائمی عزت اور لامحدود فتح ونصرت کی ضمانت دیتا ہے

۔اس نازک مرحلے پر میں نے ایک طرف تو اسلام کا گہرا تجزیاتی مطالعہ کیا۔دوسری طرف میں نے اپنی توجہ اس سوال پر مرکوز رکھی کہ نئے مسائل کو جنم دینے والی آج کی دنیا میں اسلام کس طرح اپنے ماننے والوں کو ذہنی سکون اور قلبی اطمینان فراہم کرتا ہے۔پس جب دونوں جانب سے مجھے اطمینان ہو گیا تو میں نے اسلام قبول کر لیا۔

جگہ کی کمی کے باعث ان تمام تاثرات اور جذبات کا اظہار یہاں ممکن نہیں جو اس مطالعے سے میرے دل و دماغ پر مرتب ہوئے تاہم یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ اسلام سے مجھے کون کون سے سبق حاصل ہوئے۔

ایک بات یہ ہے کہ اسلام تمام انسانیت کی رہنمائی مقصد تخلیق کی جانب کرتا ہے اور ان بلند پایہ مقاصد کے حصول کی راہ دکھاتا ہے جن کے لیے انسان کو تخلیق کیا گیا۔اسلام انسانی معاشرے کو امن و امان کا پیغام دیتا ہے۔مساوات و اخوت کا رشتہ قائم کرتا ہے اور رنگ، نسل اور قومیت کے تمام اختلافات اور تنازعات کو ختم کرتا ہے۔یہ انسانوں کو سماجی اور معاشی استحصال اور تمام امتیازات سے نجات دلاتا ہے اور انہیں صاف سیدھے راستے پر چلنے کی صحیح رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اسلام صرف زندگی کے ٹھہراؤ اور زوال ہی کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ یہ تمام بنی نوع انسان کو ترقی اور پیش رفت کی طرف بھی بلاتا ہے۔یہ فرد کو روپیہ اور دولت کما کر صنعتی اور تجارتی ترقی کی اجازت دیتا ہے۔یہ اجرت اور انعامات وصول کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ یہ سب قانونی اور جائز طریقے سے حاصل کردہ ہوں۔پس اسلام ایک مکمل اور جامع انقلاب ہے۔یہ انقلاب اور کمال کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو پوری انسانیت کو صحیح سمت میں راستہ دکھاتا ہے جس پر انسان اپنے آپ کو بین

الاقوامی معاشرے کا فرد سمجھتا ہے۔اسے فرائض کی سمجھ نصیب ہوتی ہے اور زندگی کے تقاضوں پر پورا اترنے کی جستجو کرتا ہے۔

دس سال قبل جب میں نے اسلام قبول کیا تو میرے گمراہ پریشان اور باغی ذہن کو سکون اور آرام نصیب ہوا۔اللہ کی حمد و تسبیح اور شکر ہے کہ میں اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔

[ڈاکٹر عبدالکریم ہربرٹ]

عبداللہ کولوبانگ مینگوانگ سابق ایڈون سی مینگوانگ:

سچائی سے محبت کا تقاضا ہے کہ میں عوام الناس کو یہ بتادوں کہ میں نے میتھوڈسٹ عقیدے سے اپنی پرجوش وابستگی ترک کر کے اسلام کیوں قبول کیا؟

میں میتھوڈسٹ عقیدے کے پیروکار پرجوش خاندان میں پیدا ہوا۔کم سنی ہی میں، میں یونائیٹڈ میتھوڈسٹ چرچ (United Methodist Church) کا فعال رکن بن گیا اور یہ طے کرلیا کہ ان ''لادین'' درندہ صفت اور خون خوار لوگوں کو جنہیں عرف عام میں مسلمان کہا جاتا ہے (جیسا کہ سکولوں میں ہمیں پڑھایا گیا تھا) اپنی تبلیغ سے عیسائیت کی آغوش میں لاؤں گا۔

میں اپنے عقیدے سے متعلق ہر تحریک میں شمولیت کا شوقین تھا۔یہاں تک کہ میں انجیل کی آیات حفظ کرنے میں مدد لینے کے لیے اپنے رشتہ داروں کے روزمرہ کے کام میں بھی مخل ہوتا رہا۔بیک وقت سنڈے سکول (Sunday School) کی تربیت بائبل کی

تعلیم بذریہ مراسلت اور بائبل اور عیسائیت سے متعلق ہر امر میں گہری دلچسپی کے باعث مجھے بائبل کے مفاہیم پر غور کرنے کا موقع ملا تو میرا عیسائیت پر ایمان بالعموم اور یونائیٹڈ میتھوڈسٹ چرچ پر ایمان بالخصوص بائبل کے تضادات خامیوں غیر منطقی عقائد اور چرچ کے کافرانہ اعمال وعقائد کے باعث متزلزل ہونے لگا۔ مجھے یہ پتہ چلا کہ میں ایک ایسے کافرانہ مذہب پر عمل پیرا ہوں جسے سالہا سال سے عیسائیت سمجھا جارہا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بآواز بلند پکار کر کہا ''اے میرے اللہ! اے میرے اللہ! تو نے مجھے تنہا کیوں چھوڑ دیا؟'' (انجیل مرقس: ۱۵/۳۴)

اللہ کا بیٹا ہونے کا عقیدہ: یہ ایک اور عیسائی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے بیٹے یا اکلوتے پیدا کیے گئے بیٹے تھے۔

یہ نظریہ بھی حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات واقوال سے متصادم ہے۔ بائبل میں ابن اللہ کئی دیگر انبیاء کو بھی کہا گیا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کو بھی اللہ کا بیٹا کہا گیا ہے:

''وہ میرے نام کی خاطر ایک گھر بنائے گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا میں اس کا باپ ہوں گا اور میں اسرائیل پر اس کی سلطنت ہمیشہ کے لیے قائم کردوں گا''۔ (1 خطوط: ۱۰/۲۲)

اسرائیل کو بھی اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہا گیا ہے:

''اور تو فرعون سے کہے گا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ''اسرائیل میرا بیٹا ہے بلکہ میرا پہلا بیٹا''۔ (خروج: ۴/۲۲)

اور ثالثوں (صلح جو انسانوں) کو بھی اللہ کا بیٹا کہا گیا ہے:

" ثالثوں پر اللہ کی رحمت کیونکہ انہیں اللہ تعالی کے بچے کہا جائے گا۔'' (انجیل متی: ۹/۵)"

''میں یکم جاری کروں گا کہ اللہ تعالی مجھ سے کہتا ہے:''تو میرا بیٹا ہے جسے میں نے آج پیدا کیا''۔(زبور:۲/۷)

حضرت عیسیٰؑ کے درج ذیل اقوال سے یہ مزید ثابت ہوجائے گا کہ آپ صرف مجازی طور پر خود کو اللہ تعالی کا بیٹا کہا کرتے تھے:

''عیسیٰؑ نے انہیں جواب دیا: کیا تمہارے قانون میں یہ لکھا ہوا نہیں ہے کہ میں نے کہا :''تم لوگ خدا ہو؟''

اگر عیسیٰؑ ان لوگوں کو خدا کہتے ہیں تو خدا کا پیغام کس پر نازل ہوا؟ اور اللہ کے صحیفے میں ردوبدل ناممکن ہے:

''اس کے بارے میں کہو جس کو اللہ تعالی نے مقدس بنا کر اس دنیا میں بھیجا۔تم کفر بکتے ہو کیونکہ میں نے یہ کہا تھا کہ میں اللہ کا بیٹا ہوں''۔(انجیل یوحنا:10/34-36)

بعدازاں حضرت عیسیٰؑ نے انجیل کی کئی آیات میں خود کو انسان کا بیٹا کہا ہے۔مثلا:

''جب وہ گلیل میں رہتے تھے تو حضرت عیسیٰؑ نے ان سے کہا انسان کے بیٹے کو انسانوں کے ہاتھوں سے فریب دیا جائے گا۔''(انجیل متی:۱۷/۲۲)

" کیونکہ انسان کا بیٹا انسان کی طرح ایک لمبے سفر پر نکلا ہے۔اس نے اپنا گھر چھوڑ دیا ۔اپنے اختیارات اور تصرف نوکروں کو دے دیے اور ہر آدمی کو اس کا کام کرنے کی اجازت دے دی اور چوکیدار کو حکم دیا کہ تو گھر کی نگرانی کرنا۔''(انجیل مرقس:13/34)

''اللہ کی رحمت ہو تم لوگوں پر جب لوگ تم سے انسان کے بیٹے کی خاطر نفرت کریں

گے، تمہیں اپنے سے الگ کر دیں گے تمہیں ملامت کریں گے اور تمہیں برے نام سے پکاریں گے''۔(انجیل لوقا:۶/ ۲۲)

''اور کوئی آدمی آسمان پر نہیں پہنچا سوائے اس کے جو آسمان سے نیچے آیا حتی کہ انسان کا وہ بیٹا بھی جو آسمان پر ہے''۔(انجیل یوحنا: ۳/ ۱۳)

عقیدہ کفارہ: ''باپ کو بچوں کے جرم میں قتل کیا جائے گا نہ ہی بچوں کو باپ کے جرم میں بلکہ ہر آدمی کو اس کے اپنے گناہ کی سزا ملے گی''۔(2 خطوط: ۲۵/ ۴)

''خطا کار کو موت آئے گی۔ باپ کا جرم بیٹے پر عائد ہوگا نہ بیٹے کا جرم باپ پر عائد ہوگا ۔اچھوں کی اچھائی ان پر عائد ہوگی اور بروں کی برائی ان پر عائد ہوگی۔'' (حزقیل ۱۸: ۲۰/ ۲۰)

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ صاف واضح ہوتا ہے کہ نظریہ کفارہ بے بنیاد ہے۔ اگر اللہ تعالی عیسائیوں کے قول کے مطابق واقعی حضرت عیسیٰؑ کو انسانیت کی نجات کے لیے مصلوب کرواتا تو پھر گویا عیسائیوں کا خدا اپنے ہی قول کی تردید کرتا ہے اور نعوذ باللہ بے رحم اور بے انصاف ٹھہرتا ہے۔ گویا اللہ یہ امتیاز برتتا ہے کہ وہ کسی معصوم انسان کو دوسروں کے گناہوں کی سزا بھگتنے دیتا ہے۔(حالانکہ اللہ تعالی ایسا ہرگز نہیں کرتا!)

تثلیث: "اے اسرائیل! سن خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔'' (استثنا: ۶/ ۴)

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: ''میں بذات خود کچھ نہیں کرسکتا۔" (انجیل یوحنا: ۵/ ۳۰)

"بے شک میں تم سے کہتا ہوں کہ نوکر اپنے مالک سے بڑا نہیں ہوسکتا اور نہ ہی وہ جو بھیجا

گیا اپنے بھیجنے والے سے بڑا ہوسکتا ہے۔(انجیل یوحنا: ۱۳/ ۱۶)

''میرا باپ مجھ سے بڑا ہے۔''(انجیل یوحنا: ۱۴/ ۲۸)

''اللہ صرف ایک ہے۔''(1 کرنتھیوں کے نام: ۸/ ۶)

''اب ایک ثالث کسی ایک کے لیے نہیں ہوتا مگر اللہ ہر ایک کے لیے ہے۔''(گلتیوں کے نام: ۳/ ۲۰)

کیا بائبل کی مندرجہ بالا اور کئی دوسری آیات تثلیث کے عقیدہ کی نفی نہیں کرتیں اور توحید کی تصدیق نہیں کرتیں؟ بے شک کرتی ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کو کن کی طرف بھیجا گیا تھا؟ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: ''مجھے تو صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔''(انجیل متی: ۱۵/ ۲۴)

لہذا حضرت عیسیٰؑ کا مشن عالم گیر نہیں۔

آپ نے مزید فرمایا:

''یہ نہ سمجھو کہ میں شریعت یا سلسلہ انبیاء کو ختم کرنے آیا ہوں۔ میں تخریب کے لیے نہیں آیا بلکہ تکمیل کے لیے آیا ہوں کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ جب تک زمین و آسمان قائم ہیں قانون الٰہی کا کوئی عنوان یا کوئی حرف بھی تبدیل نہیں ہوگا بلکہ اس پر پورا پورا عمل ہوکر رہے گا۔ اس لیے جو شخص ان کم تر احکام کی خلاف ورزی کرے گا یا لوگوں کو خلاف ورزی کرنا سکھائے گا اسے آسمانی بادشاہت میں کم ترین کہا جائے گا اور جو اللہ کے احکام پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا اسے سلطنت سماوی میں برتر کہا جائے گا۔''(انجیل متی: ۵/ ۱۷-۱۹)

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ کوئی نیا دین لے کر نہیں آئے اور عیسائیت کو ان

سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح عیسائیت اور اس کی بنیادیں بائبل کی مذکورہ آیات سے منہدم ہو جاتی ہیں۔

جب میں ہائی سکول کی جونیئر کلاس میں پہنچا تو میں مکمل دہریہ بن چکا تھا۔ جب کالج میں پہنچا تو کمیونسٹ بن گیا لیکن میں کمیونزم کی بھی کئی باتوں سے مطمئن نہ تھا مثلاً: اس کے مادیت پرستانہ نظریات اور چند منتخب لوگوں کی حکومت کا نظریہ مجھے اچھے نہ لگے۔ میں نے ہندومت کا مطالعہ کیا مگر اس کا مشرکانہ تصور الٰہی اور قبیح ذات پات کی تمیز نے مجھے اس سے بدگمان کر دیا۔

بدھ مت میں انسان اپنی نجات اپنی محنت سے حاصل کرتا ہے اور اس کا راہبانہ نظام انسانیت کے لیے مہلک ہے۔ یہودیت کا نظریہ نسل پرستانہ ہے اور نصب العین صرف بنی اسرائیل کی نجات ہے۔ اب ہم جیسے غیر اسرائیلی کہاں جائیں؟ شنطو ازم میں تو ہم پرستی کو عقل پر ترجیح دی جاتی ہے۔

میں نے ان تمام مذاہب کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ انسانیت کی نجات کے بجائے عتاب کی طرف لے جاتے ہیں۔

اس بے کار کوشش کے بعد میں تلاش حق ترک کرنے لگا تھا۔ تاہم میرے دل کو اب بھی سکون حاصل نہ تھا۔ خاص طور پر جب میں نے اردگرد نظر ڈال کر دیکھا کہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت پر عمل پیرا ہے۔ سورج مقررہ وقت پر طلوع وغروب ہوتا ہے۔ بارش پودوں کو سیراب کرتی ہے اور رنگا رنگ کے پھول اور پھل لگتے ہیں۔ اگر ہر چیز محض اتفاق سے بن گئی تو کبھی اتفاق سے امرود کے درخت پر سیب کیوں نہیں لگتے اور دوسرے درختوں پر امرود کا پھل کیوں نہیں لگتا؟ میں کیوں پیدا ہوا؟ اور اسی طرح کے بے

شمار سوالات میرے سامنے موجود تھے۔ پھر میرا ایمان واپس آ گیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ کوئی ایک ایسا ہے جو قادر مطلق اور قوی ہے جو علیم بھی ہے خبیر بھی اور ہر چیز کا خالق بھی۔

خوش قسمتی سے میرے ایک دوست نے مجھے ایک کتاب دی جس کا عنوان تھا ''ہماری پسند دین اسلام۔'' اس کتاب میں بلند پایہ نومسلموں کے تاثرات درج تھے۔ کتاب کی جلد کی پشت پر وہ پتے دیے ہوئے تھے جن سے انسان اسلام کے بارے میں کتب اور معلومات حاصل کر سکتا ہے۔ اس وقت مجھے اسلام کے بارے میں کچھ پتہ نہ تھا اس لیے میں نے ان پتوں پر خط بھیج کر اسلامی لٹریچر منگوایا اور بڑے شوق سے مطالعہ شروع کیا۔ میرا خیال تھا کہ ان کتب اور جرائد میں بھی مشرکانہ عقائد توہم پرستی اور دیگر مذاہب کی طرح کافرانہ اعمال کی تلقین موجود ہو گی مگر میرا خیال غلط نکلا۔ اسلام کی بنیاد توحید کامل پر ایمان ہے اور یہ دنیا و آخرت دونوں میں مسرت کے حصول کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ الحمد للہ مجھے اسلام میں حق مل گیا اور اس پر میرا ایمان ہے۔

1972ء میں، میں نے کلمہ طیبہ پڑھا اور اپنے دل میں کلمہ پڑھنے کے بعد میں خود کو مسلمان سمجھنے لگا۔ 28 اکتوبر 1975ء کو وزیر پورہ، سیالکوٹ پاکستان کی مسلم اکیڈمی کے بھائی ابو مسلم نوشاہی نے میرا نام عبداللہ تجویز کیا جس کے معنی ہیں 'اللہ کا بندہ۔'

18 فروری 1978ء کو میں نے باقاعدہ اسلام قبول کر لیا اور قبول اسلام کے عہد نامے پر دستخط کر دیے۔ اس پر تصدیق کے دستخط الحاج محمد جعفر جزل سیکرٹری ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز (World Federation of Islamic Missions) کراچی نے 2 رجب 1396 ہجری کو ثبت کیے۔

میں بہت جوشیلا اور متحرک انسان تھا لہذا میں نے سب لوگوں کو فوراً اپنے قبول اسلام

کے بارے میں بتایا تا کہ ان کو بھی حق کا علم ہو اور نجات کی طلب پیدا ہو۔ اس پر ماحول اچانک میرا مخالف ہو گیا اور مجھ سے قطع تعلق کر لیا گیا۔ میرے رشتے داروں نے مجھے مجبور کیا کہ میں اسلام ترک کر کے میتھو ڈسٹ کیتھولک دہریہ یا کافر بن جاؤں مگر اسلام چھوڑ دوں۔ بہر حال میں لوہے کی طرح اپنے عقیدہ پر مضبوط رہا اور اس سے ذرہ بھر انحراف نہ کیا بلکہ قبول اسلام کے نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نے اپنے چار بھتیجوں عبدالرحمن چوا (Chua) ابراہیم تنگالن (Tangalin) سلیمان بالان (Balan) اور عبدالغفور بالان (Balan) کو بھی مشرف بہ اسلام کیا۔

اس طرح میرے رشتہ دار اور زیادہ مشتعل ہو گئے اور میرے خلاف شدید نفرت کا مظاہرہ کرنے گئے۔ انہوں نے ہمیں ذہنی اور جسمانی اذیتوں سے دوچار کیا اور ہم سے غلاموں کا سا سلوک کیا۔ ہماری اسلامی کتب جلا دی گئیں، ہمیں نماز اور دوسرے اسلامی اعمال سے روک دیا گیا حرام کھانے پر مجبور کیا گیا بھاری بوجھ اٹھوائے گئے، ننگے ہاتھوں سے گھاس کھدوائی گئی اور تپتی دھوپ میں دوپہر کے وقت ننگے سر ہم سے کام لیا گیا۔ ہمیں رات کو دیر سے نیند نصیب ہوتی اور صبح سویرے کام پر لگا دیا جاتا۔ کبھی کبھی تو آرام کا وقفہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ بعض اوقات ہماری اس طرح پٹائی کی جاتی کہ ہمارے چہرے سوج جاتے اور جسم کے مختلف حصوں سے خون رسنے لگتا۔ ہم سے جبرا کہلوایا جاتا کہ ہم میتھو ڈسٹ ہیں۔ بعد میں میرے دو بھتیجوں کو مجھ سے الگ کر دیا گیا۔

میرے دوسرے دو بھتیجوں کو فرار کا موقع مل گیا۔ 20 جولائی 1978ء کو میں بھی امینہ کی مدد سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ یہی امینہ بعد میں میری زوجہ بنیں۔

میری بیوی کے رشتہ داروں نے دوسرے لوگوں کی نسبت ہمیں جلد سمجھ لیا۔ ہمیں امید

ہے کہ انہیں بھی ہم ان شاءاللہ اسلام سے آشنا کر دیں گے۔

چونکہ ہم بانی Bani (پنگاسینان Pangasinan) کے قصبے میں واحد مسلم خاندان ہیں لہذا پورے معاشرے کا سلوک ہم سے تمسخرانہ اور حقارت آمیز ہے۔ یہ خراب ماحول ہمیں یہ احساس دلاتا ہے کہ یہ معاشرہ ہمارا اپنا نہیں بلکہ ہم اپنے اصل بھائیوں سے الگ رہ کر ان کی کمی محسوس کرتے ہیں۔تبلیغ اسلام کی وجہ سے قتل کی دھمکی کے باوجود ہم نے سلسلہ تبلیغ جاری رکھا اور نئے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔

میں کامرس میں گریجوایٹ ہوں۔اکاؤنٹنگ کا ماہر ہوں مگر صرف اس وجہ سے بے روز گار ہوں کہ میں ایک مسلمان ہوں۔

ایک کمپنی میں ملازمت کے لیے تمام امیدواروں میں، میں سرفہرست رہا مگر میری کچھ شنوائی نہ ہوئی۔اس طرح تین سال تک میں بے روزگار رہا۔8 رمضان 1400 ہجری کو ہمارے ہاں۔ایک بچی پیدا ہوئی جس کا نام ہم نے فاطمہ رکھا۔31 اگست 1980ء کو ہم اپنی ماں کو اسلام کی آغوش میں لانے میں کامیاب ہو گئے۔ (الحمد للہ) 30 ذوالقعدہ 1401 ہجری کو میری بیٹی خدیجہ پیدا ہوئی اور اس طرح میرے خاندان میں اب پانچ افراد ہیں جن کے لیے مجھے تگ ودو کرنی پڑتی ہے۔

اسلام قبول کرنے پر بہت مصائب کا سامنا کرنا پڑا مگر ہم ثابت قدم رہے اور ان شاء اللہ جب تک جسم میں جان ہے ہم کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے رہیں گے۔

اے اللہ! حالات کے ناقابل برداشت مسائل میں ہمیں اسلام کے بچے قوانین پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما۔آمین

[عبداللہ کولو بانگ مینگوانگ سابق ایڈون سی مینگوانگ]

فضل کریم سانڈرز:

"میرے آگے ایک دروازہ تھا جس کی چابی میرے پاس نہ تھی، ایک پردہ حائل تھا جس کے پار میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ پھر میرے اور تمہارے درمیان ایک لمحے کو یوں لگا کوئی بات ہوئی اور پھر میں" اور "تم" کے حجابات اٹھ گئے۔

کئی دوسرے انگریزوں کی طرح میں نے بھی چرچ آف انگلینڈ سے عیسائیت کی تعلیم حاصل کی اور اس چرچ کی باقاعدہ رکنیت اختیار کی۔ میں نے زیادہ تر بچپن ایک پرانے کتھیڈرل Cathedral) والے شہر میں گزارا۔ یہ شہر اس زمانے میں بڑی تعداد میں گرجا گھروں اور شراب خانوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے اساتذہ اور دوسرے لوگوں نے بائبل کے دس احکام ربانی عیسائیت کے بنیادی اصولوں اور بائبل کی تعلیمات وغیرہ سے آشنا کیا۔ مگر اس تمام تر تربیت سے مجھے جو کچھ حاصل ہوا وہ فقط ایک عجیب قسم کی جذباتیت اور مذہبی تعلیم کے مختلف امتحانوں میں کامیابی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مجھے وہ روحانی ضبط حاصل نہ ہوسکا جو مجھے زندگی کی مشکلات کے لیے تیار کرسکتا۔

۱۹۱۸-۱۹ء کے دوران میں، میں نے مصر میں رائل ایئر فورس (Royal Air Force) میں کچھ دیر کام کیا۔ وہاں ایک انگریز دوست کے ہمراہ مجھے ایک رات نصف شب کے قریب ولادت نبوی کے سلسلے کی ایک تقریب میں شمولیت کا موقع ملا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت ہم اس تقریب سے بہت متاثر ہوئے۔ عربی میں نعت خوانی ہوا میں لہراتے ہوئے اسلام کے پرچم عقیدت مندوں کے خلوص اور ان کی مشفقانہ مہمان نوازی نے ہمیں بہت متاثر کیا۔ مگر میں یہ اعتراف کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس وقت ہم محض

تماشائی تھے۔

انگلینڈ واپسی پر میری جستجو اور تجسس کا آغاز ہوا۔ دانش حقیقی کی تلاش پر مجھے پرینٹس ملفورڈ (Prentice Mulford) کی ایک چھوٹی سی کتاب "Thoughts are Things" نے آمادہ کیا۔ اس چھوٹی سی کتاب نے سادہ لفظوں میں مجھے قوت فکر سے آشنا کیا۔ اس سے مجھے معلوم ہوا کہ کس طرح برے خیالات ایک برا ماحول مرتب کرتے ہیں جبکہ اچھے خیالات اچھا ماحول قائم کرتے ہیں اور درست سائنسی سوچ خواہشات کی تسکین کا سامان فراہم کرتی ہے۔

یہ تلاش تقریباً چار پانچ سال تک جاری رہی۔ اس عرصے میں میں نے وسیع مطالعہ کیا۔ مختلف تقاریر سنیں اور مباحثوں میں حصہ لیا۔ مذہبی فلسفہ (Theosophy)، بدھ مت یوگا (Yoga) کا فلسفۂ روحانیت تصوف کیتھولک مذہب فکر جدید اور پیلمن ازم (Pelmanism) وغیرہ پر خوب پڑھا۔ غرض ہر مذہب اور ہر فلسفے کا مطالعہ کر ڈالا مگر ہر فلسفے میں چند ایک ابدی حقائق کے سوا اور کچھ نہ ملا لہذا یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ میں خالی ہاتھ ہی لوٹ آیا۔

1924ء تک میں اسلام کی سادہ مگر انتہائی معقول اور اطمینان بخش تعلیمات سے متعارف نہیں ہوا تھا۔ ایک دن مڈلینڈ (Midland) کی ایک پبلک لائبریری میں جانے کا اتفاق ہوا تو رسالہ ''اسلامک ریویو'' کا ایک تازہ شمارہ دیکھا۔ ''اسلام کیا ہے؟'' کے عنوان سے اس رسالے میں چند صفحے دیکھ کر مجھے فوراً پتہ چل گیا کہ یہی میرا مطلوب جستجو تھا۔

میں نے ان صفحات میں ایک ضابطہ قوانین پڑھا جن پر عمل کرنے سے دنیوی اور دائمی

کامیابی ذہنی سکون اور دانش حاصل ہوسکتی ہے اور جن کے مطالعہ سے یہ بھی پتہ چل سکتا ہے کہ ماضی کی غلطیوں کی تلافی کیسے کی جاسکتی ہے۔ میں نے ایک شاندار فلسفہ پڑھا جو بظاہر سادہ تھا۔ مگر اس میں اتنی گہرائی بھی تھی جو زندگی بھر کے مطالعہ کو کافی تھی۔ یہ ضابطہ قوانین روح کو اعمال صالحہ کی ترغیب دے کر اسے اس طاقتور نظام کائنات میں اپنا جائز مقام حاصل کرنے کا راستہ بھی دکھاتا ہے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد میں نے باقاعدہ طور پر اسلام قبول کرلیا اور امام خواجہ نذیر احمد نے مجھے مشرف بہ اسلام کر کے اسلامی برادری کا رکن بنایا۔ اس دن سے میں دنیا کے معاملات کو درست زاویہ نگاہ یعنی اسلامی زاویہ نگاہ سے دیکھنے لگا ہوں۔ اب میں دنیا کے مسلط کیے ہوئے جھوٹے عقائد اور مادیت پرستانہ آراء کی گرفت میں نہیں ہوں، جس میں وہ ہزاروں لوگ گرفتار ہیں جو سچ اور جھوٹ غلط اور درست میں تمیز نہیں کر سکتے۔

آخری بات یہ ہے کہ اسلام خودغرضی کو گناہ کبیرہ قرار دے کر اس سے منع فرماتا ہے اور میں تعلیم دیتا ہے کہ اگر ایک بھائی تکلیف میں مبتلا ہو تو دوسرا اس سے لاتعلق ہو کر خوش نہیں رہ سکتا۔ ایک معروف مشرقی مفکر نے ایک دفعہ کہا تھا: ''ہمارا جذبہ خدمت خلق زندگی میں ہمارے لیے روشنی کا چراغ ہے خواہ ہمارا پیشہ کوئی بھی ہو۔'' اپنی روزمرہ ضروریات پوری کرنے کے بعد اور اپنے مادی مستقبل کو محفوظ بنا لینے کے بعد ہم سب مسلمانوں کو چاہیے کہ خدمت خلق کا کوئی نہ کوئی شعبہ اپنا لیں۔ خدمت خلق کا کام کسی بھائی کا مادی بوجھ کم کر کے یا اس کی روحانی مدد کر کے کیا جاسکتا ہے لیکن پہلے ہمیں اس کا تعین کر لینا چاہیے کیونکہ یہی ہمیں لازوال مسرت سے ہم کنار کرسکتا ہے اور دنیا و آخرت میں ہمارے وجود کا یہی جواز ہوسکتا ہے۔

[فضل کریم سانڈرز]

ڈاکٹر حامد مارکس، سائنسدان، مصنف، صحافی (جرمنی)

بچپن ہی سے میرے دل میں اسلام کے بارے میں مکمل واقفیت حاصل کرنے کی تڑپ موجود تھی اور میں نے بڑی احتیاط سے قرآن حکیم کا ایک ترجمہ اپنے آبائی شہر کی لائبریری سے لے کر پڑھا۔ یہ 1750ء کا ترجمہ تھا اور یہ قرآن پاک کا وہ ایڈیشن تھا جس سے گوئٹے (Goethe) نے بھی اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ اس وقت میں اسلامی تعلیمات کی بدرجہ اتم معقولیت اور مؤثر انداز بیان سے بے حد متاثر ہوا۔ میں اس زبردست روحانی انقلاب سے بھی بہت متاثر ہوا جو ان تعلیمات سے اس دور کی اسلامی اقوام میں برپا ہوا تھا۔ بعد میں برلن (Berlin) میں مجھے مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے اور برلن کی مسجد اور برلن میں پہلے اسلامی مشن کے بانی سے قرآن پر فکر انگیز اور ولولہ خیز تبصرہ سننے کا اتفاق ہوا جس سے میں مزید متاثر ہوا۔ اس نمایاں شخصیت کے ساتھ کئی سال تک عملی تعاون کرنے اور ان کی روحانی محنت سے میں مسلمان ہو گیا۔ اسلام نے میرے ذاتی نظریات کو انسانیت کے متعلق انتہائی پر مغز تصورات سے آشنا کر کے مزید تقویت فراہم کی۔ اسلام میں اللہ پر ایمان ایک پاکیزہ بنیادی عقیدہ ہے۔ اسلام ایسے نظریات سے خالی ہے جو جدید سائنس سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اس لیے اسلام اور سائنس کے درمیان کوئی تصادم نہیں۔ یہ ایک بے مثال خوبی ہے اور اس آدمی کے لیے یہ دین بہت فائدہ مند ہے جو سائنسی تحقیق میں حسب صلاحیت کام کرنا چاہتا ہو۔ اسلام کی

برتری کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اسلام کی تعلیمات محض تصورات پر مبنی نہیں جو عملی زندگی سے لگا نہ کھاتی ہوں، بلکہ یہ ایک ایسا نظام تعلیم ہے جو انسان کی زندگی کو عملاً متاثر کرتا ہے۔ اسلام کے قوانین شخصی آزادی کو سلب کرنے والے سخت قوانین نہیں بلکہ ایسی ہدایات ہیں جو منتظم آزادی فراہم کرتی ہیں۔ سالہا سال تک میں یہ دیکھ کر مطمئن ہوں کہ اسلام ہی انفرادیت اور اجتماعیت کے درمیان ایک توازن اور ایک رابطہ قائم کرتا ہے۔ یہ دین تعصب سے خالی اور رواداری سے مالا مال ہے۔ یہ اچھائی کو پسند کرتا ہے خواہ وہ کہیں سے بھی ملے۔

[ڈاکٹر حامد مارکس، سائنسدان، مصنف، صحافی۔ جرمنی]

Dr Hamid Marcus, Scientist Author and Journalist)

(Germany

محمد عبداللہ وارن:

اسلامک ریویو کے قارئین کے لیے اپنے قبول اسلام کے اسباب لکھتے ہوئے مجھے کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ یہ اسباب بہت زیادہ اور متنوع ہیں۔ بہر حال میں اپنی بات واضح کرنے کی کوشش کروں گا اس توقع کے ساتھ کہ میری تحریر کی فنی خامیوں کو آپ نظر انداز فرما دیں گے۔

میں جوانی کے ابتدائی دور میں قرون اولی اور قرون وسطی کے عیسائیوں کے ہاتھوں ان کے اپنے ہم مذہب ''بھائیوں'' پر ڈھائے گئے خوفناک مظالم کی تاریخ پڑھ کر بہت رنجیدہ ہوا۔ خاص طور پر دفتر مقدس (Holy office) اور اس کی تفتیش (Inquisition) کی تفصیلات بہت المناک تھیں۔ اس کی ہدایات کے تحت اللہ تعالی کے زمینی خلیفہ (انسان)

کوٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا زندہ جلا دیا جاتا یا کوڑے مار مار کر اس کی شکل وصورت مسخ کر دی جاتی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ کے نام پر عیسائیوں کے ان سنگین جرائم کی داستان کا ہولناک تاثر کبھی ختم نہ ہوگا۔ یہ حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات اور ان کے پیروکاروں کے عمل میں خوفناک تضاد کا ایک زندہ جاوید ثبوت ہے جو دنیا کو ہمیشہ یہ یاد دلاتا رہے گا کہ جس رحم دل نبیؑ نے یہ کہا تھا: ''رحم دل لوگوں پر اللہ کی رحمت'' اس کے پیروکار اگر ایک بار پھر برسر اقتدار آ گئے تو وہ انسانیت کے ساتھ دوبارہ وہی سفاکانہ سلوک کریں گے۔

وقت گزرتا گیا اور میں عیسائیوں کی سرگرمیوں کو مختلف مواقع پر بہت قریب سے دیکھتا رہا۔ بے شک میں عیسائی کلیسا کے اہم نظریات کو قبول نہ کر سکا کیونکہ میرا واضح طور پر بت پرست کفار کے باقی ماندہ نظریات کے مانند تھے مگر حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت اور نظریہ کفارہ پر میرا ایمان برقرار رہا کیونکہ مجھ جیسے بے عمل انسان کے لیے نظریۂ کفارہ بہت حوصلہ افزا تھا۔ میں رائج نظریے کی پیروی میں زمانہ وسطی کے عیسائیوں کے ظلم وستم کو بھی محض ماحول کی خرابی اور ناسمجھی کا نتیجہ سمجھ کر زیادہ پریشان نہ ہوا حتی کہ مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ ماضی قریب تک عیسائی کلیسا ایک طرف تو اپنے ذرائع سے غلامی کے خاتمے کے خلاف پورا زور لگا رہا تھا اور دوسری طرف بچوں سے جبری مشقت لینے کا حامی تھا۔

عیسائیت کے 1900 سال مکمل ہونے پر انگلینڈ کی عظیم الشان ریاست کا تاریخ کے آئینے میں کیسا عبرت ناک منظر دکھائی دیتا ہے کہ محض کم سن بچوں کو صبح سویرے جبرا کارخانوں میں بھیجا جاتا تھا۔ ان کے کمزور چہروں پر خوفزدہ آنکھیں ابھی تک پوری کھلی بھی نہیں ہوتی تھیں۔ ان کے جسم کے نازک حصوں پر گزشتہ روز کی مار پیٹ کے نشانات ابھی موجود ہوتے تھے۔ پھٹے ہوئے لباس میں سے جسم کے مختلف حصوں پر نیل کے نشانات

خراشیں اور زخم صاف نظر آتے۔ تھے اور اپنے مسیحی آقاؤں کی صورت میں حضرت عیسیٰؑ کا خوف ان کی نیم مردہ روحوں میں کسی گھناؤنے درندے کی طرح چھپا ہوتا تھا۔

گزشتہ زمانے پر نظر ڈال کر ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ عیسائیت نے انسان کی ذہنی ترقی کی طرف پیش رفت پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ پہلے عیسائی رومن بادشاہ نے دستور غلامی کے بارے میں ان تمام اصلاحات کو ختم کر دیا جو سلطنت روم میں عظیم مفکر سینیکا (Seneca) کی تعلیمات کے باعث رائج ہوئی تھیں۔ پھر چوتھی صدی عیسوی سے 1860ء تک عیسائی سلطنتوں کے اندر جو ظالمانہ دستور غلامی رائج رہا اس کی داستان لرزہ خیز ہے۔

جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے پیروکار ان کی تعلیمات پر عمل کر رہے ہیں اسے دیکھ کر تو حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اللہ عزوجل کے (نعوذ باللہ) سب سے بڑے دشمن ہونے کا تصور ابھرتا ہے، حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ ذات باری تعالیٰ سراسر خیر اور انسانوں کے لیے رحیم وکریم ہے اور عیسائیت کے ہاتھوں انسانیت کو جو نقصان پہنچ چکا ہے وہ بھی ہم بخوبی جانتے ہیں اور آئندہ بھی اس سے کسی نفع کا امکان نظر نہیں آتا۔

میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تمام عیسائی برے ہیں بلکہ اس کے برعکس میرا خیال ہے کہ ان میں سے اکثر اچھے ہیں اور ان کے دل میں بنی نوع انسان سے بھلائی کا جذبہ موجود ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ عیسائیت کا فلسفہ اور اصول نہایت مبہم اور اتنے لچکدار اور کمزور ہیں کہ یہ کسی دیرپا خیر اور بھلائی کا باعث نہیں بن سکتے۔ عیسائیت کے درست اور غلط کے تصور میں بھی ابہام موجود ہے اور عیسائی دور میں بار بار غیر محتاط لوگوں نے اس ابہام سے فائدہ اٹھا کر اپنے مقاصد حاصل کیے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحی معاشرے کے غالب طبقہ یعنی پادریوں میں ایسے مشکوک لوگوں کی بھرمار ہے جن کی بدکرداری نے معاشرے کو اخلاقی وروحانی انحطاط سے دوچار کردیا ہے۔ اس صورت حال کا سب سے خطرناک پہلو یہ ہے کہ دنیائے عیسائیت ان پادریوں کے صدیوں کے غلبے کی وجہ سے ان کی غلامی میں گرفتار ہوچکی ہے جس پر تنقید واجب تعزیر ہے جبکہ مطلق العنان پاپائیت کو اس سے تقویت ملتی ہے۔

طویل اور محتاط غور وخوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ عیسائیت کے دن پورے ہوچکے ہیں۔ روز بروز ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو دین عیسائیت کو ایک بے ہودہ مذاق سمجھتے ہیں اور عیسائیوں کے اجتماعات کی حاضری روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ یہ درست ہے کہ کچھ لوگ اب بھی اپنے اس دین پر قائم ہیں مگر ان کی وفاداری معقولیت کی بجائے تعصّبات اور رواج پر مبنی ہے۔ یہ معقول سائنسی بنیاد سے قطعاً عاری ہے جبکہ جذباتی ایمان عقل سے ماوراہوتا ہے۔

ہم مخصوص مفادات کے متلاشی پادریوں سے یہ توقع ہرگز نہیں رکھ سکتے کہ وہ اپنی بھاری بھرکم تنخواہیں کسی مزاحمت کے بغیر چھوڑ دیں گے۔ کئی سالوں سے جاہلانہ جذباتیت (جس کے پادری داعی ہیں) اور عقل وشعور میں ایک جنگ جاری ہے۔ اس میں عقل وشعور اور انسانیت کی فتح نوشتہ دیوار ہے۔ اب تو عیسائی فرقوں کے سربراہ بھی عیسائیت کی جھوٹی بنیادوں کو تسلیم کررہے ہیں۔ روم کے گرجا سینٹ پال (St.Paul) کے ڈین (سربراہ) نے حال ہی میں کہا ہے:

''یہ بات روز بروز واضح ہوتی جارہی ہے کہ عیسائی چرچ اپنی موجودہ حالت میں اپنا مقصد پورا نہیں کرسکتا۔''

اور ''ماڈرن چرچ مین'' (Modern Churchman) نامی جریدے کے مدیر ڈاکٹر میجر (Dr.Major) کہتے ہیں:

''روایتی عیسائیوں کے لیے عقیدے کے مسائل بہت سادہ ہیں جو بائبل یا چرچ یا دونوں کو ہر نقص سے پاک سمجھتے ہیں۔ان کے لیے صرف یہی جاننا کافی ہے کہ بائبل یا اہل کلیسا کیا کہتے ہیں اور وہ اس پر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن روشن خیال اور کشادہ ذہن والے جب بائبل اور کلیسا کی تعلیمات کا مکمل اور ٹھوک بجا کر جائزہ لیتے ہیں تو ان کے عقیدے کی راہ میں ناقابل عبور مشکلات کھڑی ہو جاتی ہیں۔

ادبی تنقید اور تاریخی تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کئی معاملات میں انجیل کے بیانات آپس میں متصادم ہیں اور اسی طرح چرچ کے علماء پادریوں اور کونسلوں میں بھی اختلافات اور تضادات پائے جاتے ہیں۔علاوہ ازیں سائنسی علم میں ترقی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بہت سی صورتوں میں جہاں یہ پادری آپس میں اختلاف نہیں رکھتے۔وہاں بھی یہ غلطی پر ہیں۔مختصر یہ کہ آج کے انسان کی نظر میں بائبل یا کلیسا کا خطا سے مبرا ہونا ایک ناممکن امر بن چکا ہے۔''

اسلام میں معاملہ اس کے برعکس ہے۔یہاں کوئی اصول اور ضابطہ غیر یقینی یا مبہم نہیں کوئی بات سائنسی معیار سے غلط نہیں، اسی طرح حکم شریعت اور عمل میں بھی کوئی خوفناک تضاد نہیں۔نظریات وعقائد میں کوئی تصادم نہیں اور لوگوں کو ایک اللہ عزوجل کی عبادت کے راستے سے گمراہ کرنے والا کوئی پادری طبقہ نہیں۔اسلام صدیوں سے مستحکم بنیادوں پر قائم ہے۔یہ زندگی کے پرشور طوفانی سمندر میں خالص ایمان کی چٹان بن کر اذیت سے دوچار انسانی روحوں کے لیے ایک خداداد پرامن پناہ گاہ ہے۔یہ پریشان حال اور بے خانماں

لوگوں کا سہارا ہے نا امیدوں کی امید اور تاریکی میں رہنے والوں کے لیے ایک رہنما روشنی ہے۔

[محمد عبداللہ وارن]

(Muhammad Abdullah Warren)

محمد اسد، سابق لیوپولڈ ویئس۔ پولینڈ

محمد اسد سابق لیوپولڈ ویئس 1900ء میں آسٹریا (بعدازاں پولینڈ) کے شہر لیوو (Livow) میں پیدا ہوئے اور 22 برس کی عمر میں آپ مشرق وسطی کے دورے پر آئے۔ بعد میں آپ جرمنی کے مشہور و معروف جریدے فرینکفرٹر زائٹنگ (Frankfurtur Zeitung)'' کے نامہ نگار مقرر ہوئے۔

قبول اسلام کے بعد پروفیسر محمد اسد نے شمالی افریقہ سے لے کر مشرق میں افغانستان تک دنیائے اسلام کا دورہ کیا۔ کئی سال تک اسلام کے بغور مطالعہ کے بعد آپ اس دور کے سرکردہ مسلمان اہل علم میں شمار ہونے لگے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام کے بعد آپ کو مغربی پنجاب میں اسلامی تعمیر نو (Islamic Reconstruction) کا ڈائریکٹر مقرر کیا گیا۔ پاکستان کے لیے اسلامی آئین تیار کرنے والی کمیٹی کے بھی آپ رکن تھے۔ بعد میں آپ اقوام متحدہ میں پاکستان کے متبادل مندوب مقرر ہوئے۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں سے اہم ترین کتابیں یہ ہیں:

"Islam at the Crossroads''اور"Road to Mecca"

معروف مسلمان عالم محمد مارماڈیوک پکتھال (Muhammad

Marmaduke Pickthall) کی وفات کے بعد آپ ''اسلامک کلچر'' (Islamic Culture) نامی ماہوار رسالہ کی ادارت بھی کئی سال تک کرتے رہے۔ بعد میں آپ نے قرآن حکیم کا ایک نیا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا۔ (مرتب)

1922ء میں یورپ کے چند اہم ترین جرائد کے نامہ نگار کے طور پر میں اپنے وطن سے افریقہ اور ایشیا کے دورے پر روانہ ہوا۔ تب سے اب تک میرا تمام وقت اسلامی دنیا ہی میں بسر ہو رہا ہے۔ میں نے جن ممالک کا دورہ کیا ان میں ابتدائی طور پر میری دلچسپی معمولی سی تھی لہٰذا میرا سفر ایک عام غیر ملکی سیاح کا سا تھا۔ میں نے ان ممالک میں اپنے سامنے ایک سماجی نظام اور ایک Weltanschauung (ایک منظم اور اصولی تصور کائنات) دیکھا جو مغربی نظام سے اصلاً مختلف تھا۔

پہلی نظر میں مجھے یہ پرسکون انسانی تصور زندگی اچھا لگا جو کہ یورپی معاشرے کے مشینی اور شور شرابے والے نظام کے بالکل برعکس تھا۔ اس رجحان اور ہمدردی کے جذبے نے آہستہ آہستہ مجھے اسلامی اور یورپی معاشروں کے موجودہ اختلافات کے بارے میں تحقیق پر آمادہ کیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی تعلیمات میں میری دلچسپی بڑھنے لگی۔ اس وقت میری تحقیق تفتیش کی خواہش اتنی بھرپور نہیں تھی کہ یہ مجھے اسلام کی جنت کی راہ دکھا سکتی۔ تاہم اس خواہش نے مجھے ایک نیا میدان عمل دیا کہ میں اس میں ایک ایسے انسانی معاشرے کا مشاہدہ کروں جو ترقی کے سانچے میں ڈھل رہا ہے۔ یہ معاشرہ کسی بھی شکل کے اندرونی خلفشار سے پاک ہے اور اس کی بنیاد اخوت انسانی کے وسیع ترین تصور پر استوار کی گئی ہے۔

مسلمانوں کی موجودہ صورت حال میں اس اعلیٰ نصب العین کی کوئی جھلک نظر نہیں آتی

جو اسلامی تعلیمات سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ تمام تر فعالیت تحریکی قوت اور ترقی جو اسلام جزو لازم ہے اس کی بجائے ان میں غفلت اور جمود دیکھنے میں آتا ہے۔ اسلام میں رحم و کرم مستعدی، قربانی اور لگن کے جو خصائص پائے جاتے ہیں عصر حاضر کے مسلمانوں میں کم ہوتے ہوتے تنگ دامانی دریا دلی اور عاجزی میں ڈھل چکے ہیں۔

اسلام کی عظمت رفتہ اور موجودہ حالت زار کا تفاوت دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوئی اور پریشانی بھی۔ اس کے نتیجے میں میں اس معاملے کو ایک ایسے زاویہ نگاہ سے دیکھنے لگا جس میں زیادہ غور و خوض اور اسلام سے تقرب شامل تھا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ میں نے خود کو اسلام سے الگ کر کے نہیں بلکہ خود کو اس میں شامل سمجھ کر اسلام کی موجودہ صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اگرچہ یہ کوشش ایک فکری تجربہ تھی، تاہم میں اس کی مدد سے اس مسئلے کا درست حل تلاش کرنے کے میں کامیاب ہو گیا جس کا مجھے سامنا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کی تمدنی اور سماجی تباہی اول و آخر وجہ ان کی اسلام کی اصل تعلیمات سے روگردانی ہے۔ دین کی اصل صورت میں اسلام ابھی زندہ اور فعال ہے اور ابھی تک یہ حقیقی زندگی کا عکاس ہے مگر پیروکاروں کے اس کی تعلیمات پر عمل نہ کرنے سے یہ ایک بے جان لاش کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اسلامی دنیا کی اصل طاقت یہی دین اسلام تھا جو اس کی تمدنی اور تہذیبی برتری کا سبب تھا اور اب اگر یہ اسلامی دنیا اسلامی اقدار و تعلیمات کی طرف نہ لوٹی تو اس کا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔

اسلامی تعلیمات کی قوت و تاثیر کے بارے میں جیسے جیسے میرا علم بڑھتا گیا اور ان پر عمل کرنے میں آسانی میری سمجھ میں آنے لگی، اس کے ساتھ ساتھ میرے دل میں یہ تجسس پیدا ہو گیا کہ آخر مسلمان ایک محفوظ اور توانا زندگی کی تعمیر کے ضامن دین اسلام سے

روگرداں کیوں ہوئے؟ میں نے چین کی سرحد سے لے کر صحرائے لیبیا اور باسفورس سے لے کر بحیرہ عرب کے کناروں تک مسلمان مفکرین اور دانشوروں سے بات چیت کی۔ یہ مسئلہ میرے ذہن پر اس حد تک مسلط ہو گیا کہ اسلامی دنیا میں میرے باقی تمام تر علمی کام ثانوی حیثیت اختیار کر گئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میری جستجو میں اضافہ ہوتا گیا اور مسلمانوں کی بے عملی کے اسباب پر بحث شدت اختیار کر گئی۔ اگرچہ اس وقت تک میں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ پھر بھی میں مسلمانوں کی غفلت اور بے پروائی کے بالمقابل اسلام کے دفاع کا علم بردار بن گیا۔

اپنے سوالات کے تسلی بخش جوابات حاصل کرنے میں میری پیش رفت اور کامیابی ناقابل ادراک اور مبہم سی تھی، حتی کہ یہ واقعہ پیش آیا:

1925ء کے موسم خزاں میں افغانستان کے ایک پہاڑی صوبہ کے نوجوان گورنر نے ایک دن مجھے بتایا کہ آپ مسلمان ہیں اگرچہ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ ان کے الفاظ میری روح کی گہرائیوں میں اتر گئے۔ اس واقعہ کے بعد 1926ء میں یورپ واپس آنے تک میں نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کیے رکھی۔ پھر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اسلام سے میری اس قدر دلچسپی کا تقاضا یہ ہے کہ میں اسلام قبول کر لوں۔

میرے قبول اسلام کی کہانی مختصر ایوں ہے کہ 1926ء سے میں اس موضوع پر غور کرتا رہا ہوں کہ میں نے اسلام کیوں قبول کیا؟ وہ کون سی کشش تھی جو مجھے اسلام تک لے آئی؟ سچی بات ہے کہ میرے ان سوالات کا دوٹوک جواب مجھے نہیں مل سکا۔ کسی خاص فلسفے یا اسلام کی تعلیمات میں موجود کسی خاص عقیدے نے مجھے ادھر متوجہ نہیں کیا۔ میں اس پورے نظام سے متاثر ہوا جو اخلاقی اور عملی تعلیمات کا ایک عظیم الشان، مکمل اور منضبط

مجموعہ ہے جس کی پوری تشریح کوئی مفکر نہیں کرسکتا۔ میرے لیے یہ کہنا ناممکن ہے کہ اسلام کے فلاں پہلو نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ اسلام ایک ماہر فن کی کاریگری کا مکمل اور بہترین نمونہ ہے۔ اس شاندار فنی شاہکار کا ہر ہر پہلو ایک ہم آہنگ اور مربوط تصور کا نتیجہ ہے جس سے اس کی تعمیر کے حسن اور داخلی وحدت کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کی ساخت میں کوئی کمی بیشی نظر نہیں آتی بلکہ اس سے مکمل توازن اور ہم آہنگی کا تاثر قائم ہوتا ہے۔

غالباً مجھے اسلام کی جس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ تھی کہ اس کی تعلیمات اور نظریات آپس میں مکمل طور پر منظم اور منضبط ہیں۔ اس کے علاوہ شاید کچھ اور باتیں بھی ہوں جن کا میں تجزیہ نہیں کرسکتا۔ میں نے اسلام کی خوبیوں سے مسحور ہوکر اسلام قبول کیا۔ مسحور ہونا یا محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو کئی عوامل پر مشتمل ہے اس میں ہماری خواہشات اور احساس تنہائی کا بھی دخل ہے اور ہمارے بلند نصب العین احساس کمتری کمزوریوں اور توانائیوں کا بھی دخل ہے۔ یہ ہے میرے قبول اسلام کی داستان۔ اسلام ایک واضح احساس بن کر میرے دل میں اتر گیا۔ چپکے سے رات کے اندھیرے اور لاعلمی میں آکر واپس نہیں چلا گیا بلکہ ہمیشہ کے لیے میرے دل میں بس گیا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد میں نے بڑی عرق ریزی سے اسے سیکھنا شروع کردیا۔ اس کی تعلیمات سے ممکن حد تک آگاہی حاصل کی اور قرآن وحدیث کا مطالعہ کیا۔ قرآن کی زبان اس کی تاریخ اور اس پر لکھی جانے والی توضیحی اور تنقیدی کتب کا مطالعہ کیا۔ میں نے پانچ سال حجاز اور نجد میں رہ کر اسلام کے عروج اور اس کی تعلیمات کے منبع و ماخذ سے جذبہ اور ولولہ حاصل کیا جہاں رسول عربی ﷺ نے زندگی بسر کی تھی۔ چونکہ حجاز میں مختلف

ممالک سے مسلمان آتے ہیں اس لیے مجھے دور حاضر کے مختلف مذہبی اور سماجی نظریات کا مقابلہ وموازنہ کرنے کا موقع ملا۔ اس تقابلی مطالعہ سے میرا ایمان مزید پختہ ہوا اور مجھے یہ یقین کامل ہو گیا کہ مذہبی اور سماجی عوامل کے اعتبار سے اسلام ہی تاریخ انسانی میں سب سے زیادہ توانا اور محرک قوت ہے اگر چہ مسلمان پسماندگی اور بے عملی میں مبتلا ہیں (مگر یہ ان کا اپنا قصور ہے دین میں کوئی خامی نہیں۔) جب سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں میری تمام کوششیں اسلام کے احیاء کے لیے وقف ہیں۔

[محمد اسد سابق لیوپولڈ ویئس۔ پولینڈ]

ایچ جی نیوٹ:

اگر کسی مذہب کو اختیار کر لینا ہی اس اختیار کو دوام بخش سکتا تو آج بھی میں چرچ آف انگلینڈ ہی کا رکن ہوتا مگر جوں ہی میں ہر قسم کے مذہبی اجتماعات میں شرکت کے قابل ہوا تو میرے خیالات اجتماعی کلیسا (Congregational Church) پر مرتکز ہو گئے اور 27 سال کی عمر تک میں اس چرچ سے وابستہ رہا۔ میں ہندوستان میں بھی اس کلیسا کا پیروکار رہا جہاں یہ چرچ یونائیٹڈ بورڈ چرچ (United Board Church) کہلاتا تھا جس میں اس فرقے کے علاوہ پریسبیٹیرین (Presbyterian)، میتھوڈسٹ (Methodist) بپٹسٹ (Baptist) ویزلیان (Wesleyan) اور بے شمار دوسرے فرقے بھی شامل تھے۔ ہندوستان میں قیام کے دوران میں نے عیسائیوں کے فرقوں برننگ بش مشن (Burming Bush Mission) اور سیونتھ ڈے اڈونٹسٹس (Seventh Day Adventists) سے رابطہ کیا لیکن ان سب میں

مجھے کوئی چیز غائب محسوس ہوئی یا خلوص کی کمی نظر آئی جس نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کیا اور کبھی کبھی تو میں نے خود کو اپنے عقیدے سے باہر پایا۔

پچر 1929ء میں کچھ دوستوں نے مجھے رومن کیتھولک چرچ چلنے کی دعوت دی تو میں نینی تال (Naini Tal) کے مقام پر اس چرچ میں بھی حاضری دیتا رہا مگر کچھ عرصہ بعد اس سے بھی جی بھر گیا۔ بے شک رومن کیتھولک لوگوں میں بہت عقیدت پائی جاتی ہے مگر اس کلیسا کی نازیبا شان وشوکت اور تکلفات نے مجھے اس کے حلقے سے برگشتہ کر دیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد میری ملاقات یورپ کے ایک باشندے مسٹر میتھیوز (Mr.Mathews) سے ہوئی جنہوں نے کئی سال پہلے اسلام قبول کر لیا تھا۔ انہوں نے مجھے دین اسلام کے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ میں اسلام کی سادگی اور سچائی سے بہت متاثر ہوا۔ گھر واپس آنے سے پہلے مجھے قرآن کریم کے مطالعے کا شرف بھی نصیب ہو گیا جس کا مجھ پر بہت گہرا اثر ہوا اور میں نے فوراً اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے قبول اسلام کا طریقہ مسٹر میتھیوز (Mr.Mathews) سے پہلے ہی دریافت کر لیا تھا اور برطانیہ واپس آنے کے بعد میں نے لارڈ ہیڈلے (Lord Headley) کو خط لکھا جنہوں نے شفقت فرماتے ہوئے مجھے ضروری معلومات فراہم کر دیں۔

مجموعی طور پر میرا خیال ہے میں نے اسلام اس لیے قبول کیا کہ یہ واحد دین ہے جس میں ایمان اور سچائی کو صحیح معنوں میں اولیت حاصل ہے۔ آخر میں یہ کہہ دوں کہ میں دوسرے مذاہب کی چمک دمک اور نمود ونمائش کو پسند نہیں کرتا کیونکہ وہ مجھے لارڈ میئر (Lord Mayor) کے پرتکلف شو (مظاہرے) کی یاد دلاتے ہیں۔

[ایچ جی نیوٹ]

(H.G.Newitt)

عمر پراوٹ:

دس سال کا طویل عرصہ میں شک اور مایوسی کے ویرانے میں بھٹکتا رہا اور اب مجھے خوشی ہے کہ بالآخر اسلام کی صورت میں مجھے حقیقی سکون اور ہدایت کی روشنی نصیب ہوگئی ہے ۔میں اس عظیم اسلامی اخوت کا رکن بننے پر تہ دل سے خوش ہوں جس کی عالمگیر حیثیت کو کوئی چیلنج نہیں کرسکا جس میں اخوت ومساوات کا نصب العین 1400 سال سے بھی زائد عرصہ سے عملی زندگی میں موجود ہے جب کہ دوسرے مذاہب کے پیروکار صرف زبانی جمع خرچ ہی سے کام چلاتے ہیں اور اخوت ومساوات کے اصولوں پر عمل کو آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں ۔علاوہ ازیں اسلام کا سادہ عقیدہ توحید اور نبی آخرالزماں ﷺ کی تعلیمات انسانیت کی تمام اخلاقی ، مادی اور روحانی ضروریات کا احاطہ کرتی ہیں اور دوسرے تمام مذاہب کے بانیوں کی تعلیمات سے افضل ہیں۔

میں ویسٹ انڈیز کے جزیرہ باربا ڈوس (Barbados) میں پیدا ہوا اور ایک خاصے مذہبی گھرانے میں پرورش پائی۔میں نے بائبل کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جس کی بنا پر سنڈے سکول کا بہترین طالب علم شمار ہوتا تھا۔والدین کی خواہش کے مطابق میں نے مقامی طور پر وعظ ونصیحت کی تربیت حاصل کی اور اکثر مجھے بائبل پر لیکچر دینے پڑتے تھے۔ مگر جب میری سکول کی تعلیم کا دور اختتام کے قریب پہنچا تو میں عیسائیوں کے عقائد واعمال سے سراسر متنفر اور اپنے مذہب سے بالکل منکر ہوگیا۔اگر چہ حضرت عیسیٰؑ کے مقرر کردہ معیار بلاشبہ اعلیٰ تھے اور مجھے اچھے بھی لگتے تھے تاہم جس بات نے مجھے سب سے زیادہ

پریشان کیا وہ رنگ دار لوگوں سے سفید فام عیسائیوں کا ذلت آمیز سلوک تھا۔

اسے دیکھ کر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کیا حضرت عیسیٰؑ نے صرف سفید فام لوگوں کے لیے مصلوب ہونا گوارا فرمالیا تھا یا واقعی تمام انسان ایک ہی اللہ کی مساوی مخلوق ہیں؟ اسی شک مایوسی اور پریشانی کے عالم میں میں نے سکول چھوڑ کر لارڈ کیلون (Lord Kelvin) کے ایک بحری جہاز پر ملازمت کر لی اور دنیا کی سیر وسیاحت میں مشغول ہو گیا ۔اس طرح مجھے ان مختلف قوموں کے لوگوں اور ان کے عقائد سے دلچسپی ہو گئی جن سے دوران سفر میں میرا واسطہ پڑا۔

مجھے ہر قسم اور ہر قبیل کے لوگوں سے ملنے کا موقع ملا۔سب سے زیادہ میں بیونس ایئرز (Buenos Aires) میں سویڈن کے ایک باشندے سے متاثر ہوا جو تقریباً 26 برس کا ایک حسین نوجوان تھا۔ایک دن ہمارے جہاز کے عملے کے کچھ لوگ جن میں مجھ سمیت تین ویسٹ انڈیز کے باشندے ایک روسی ایک فن لینڈ کا باشندہ لیور پول (Liverpool) سے ایک آئرلینڈ کا باشندہ اور ایک ویلز (Wales) کا باسی شامل تھے۔ہم گودی پر سیر کے لیے نکلے تو ایک کش آواز نے ہمیں مخاطب کیا: ''کیا حال ہے لڑکوں کا؟'' معلوم ہوا کہ یہ خوش مزاج سویڈن کا باشندہ بندرگاہ میں لنگر انداز ایک جہاز کا چیف آفیسر تھا۔ہم اس کی شخصیت اور اس کے دلکش انداز گفتگو سے اتنے متاثر ہوئے کہ ہم رک گئے اور تعارف کے بعد اس سے باتوں میں مشغول ہو گئے۔اس نے ہمیں اپنے جہاز پر آنے کی دعوت دی اور جب ہم جہاز پر اس کے کمرے کے قریب پہنچے تو اس نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا: 'آجاؤ میرے بھائیو!''

اس برادرانہ استقبال پر ہم سب حیران ہو گئے۔عمر میں سب سے چھوٹا ہونے کے

باعث میں نے انتظار کیا کہ میرے ساتھی بات شروع کریں۔ وہ سب لوگ شاید شرمیلے پن یا قدامت پسندی کی وجہ سے خاموش رہے تو میں نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اپنے میزبان سے کہا: ''جناب مجھے جتنے سفید فام لوگوں سے واسطہ پڑا ہے آپ ان سب سے مختلف ہیں؟'' اس نے خوش مزاجی سے جواب دیا: ''ہاں نوجوان! اس کی وجہ یہ ہے کہ میں دنیا کے سب سے بڑے رشتہ اخوت سے منسلک ہوں۔

وہ کون سا رشتہ اخوت ہے؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے جواب دیا: ''یہ واحد رشتہ اخوت ہے جو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق کو بلا امتیاز رنگ ونسل ایک ہی کنبہ قرار دیتا ہے۔ یہ وہ رشتہ اخوت ہے جو ایک دوسرے کو سہارا دینے اور نبی اکرم ﷺ کی اصل تعلیمات کے فروغ کے لیے کوشاں ہے۔

اچھا تو آپ ایک نبی پر ایمان رکھتے ہیں؟'' میں نے دریافت کیا۔

اس نے جواب دیا: جی ہاں! اور کسی دن آپ بھی اسی نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔

میں نے پوچھا: ''آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟''

اس نے کہا: ''تمہارا خمیر ایسی مٹی سے اٹھا ہے کہ تم اس نبی ﷺ پر ضرور ایمان لاؤ گے اور کئی سال بعد تم میری یہ باتیں یاد کرو گے۔''

پھر اس نے میرے ساتھیوں کو مخاطب ہو کر ان سے کہا: ''آؤ جوانو! کچھ کافی لیں'' کافی کے ساتھ کیک بھی تھے۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر ہم نے اسے بڑے پرتپاک انداز سے الوداع کہا اور چلے آئے۔ اگلی صبح سویرے اس کا جہاز نیویارک روانہ ہو گیا اور اس کے بعد پھر وہ مجھے نظر نہیں آیا لیکن میں اس کی شخصیت کے دلکش تاثر اور اس کی دل نشین

گفتگو کو کبھی فراموش نہ کر سکا۔ اب مجھے یہ احساس ہوا ہے کہ وہ ایک سچا مسلمان تھا۔

دنیا بھر میں سفر کے دوران میں نے مختلف اقوام اور مذاہب کا مطالعہ کیا۔ کچھ سال قبل جب میں مشرق کی طرف نکلا تو مجھے دنیا کے بڑے مذاہب کو قریب سے دیکھ کر ان کے تقابلی مطالعے کا موقع ملا اور اس میں سب سے پہلی بات جس نے مجھے عیسائیت سے کنارہ کشی پر آمادہ کیا وہ عیسائیوں کے نام نہاد کلیسا کا جمود جھوٹا وقار اور حاکمیت کا رویہ تھا۔ اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ دوسرے مذاہب کی نسبت عیسائیت میں باعمل علماء بہت کم ہیں جبکہ ان کے مقابلے میں ہزاروں عیسائی پادری ایسے ہیں جو تبلیغ دین کو محض پیشہ سمجھتے ہیں اور برادرانہ محبت عاجزی اور دوسروں کا دکھ درد سمجھنے کے جذبے سے عاری ہیں جو کہ اعلیٰ کردار کی بنیاد ہیں۔ اس بے پروائی اور غیر ہمدردانہ رویے نے لاکھوں لوگوں کو عیسائی مذہب سے بیزار کر دیا ہے کیونکہ انہیں ان کی طلب کردہ روٹی کے بجائے کھانے کو گویا پتھر ملتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کی کیا شان ہے کہ اس میں شاہ وگدا اللہ کے حضور شانہ بشانہ پیش ہو کر عبادت کرتے ہیں جہاں رنگ ونسل کا کوئی امتیاز نہیں۔ جن لوگوں کو حج بیت اللہ کا موقع ملا ہے یا جنہوں نے اس کے بارے میں پڑھا ہے وہ بلاشبہ اس بات کو تسلیم کریں گے کہ کم از کم حج تو عالمگیر اخوت کا عملی مظاہرہ ہے ۔ ہر نسل کے سفید فام سیاہ فام اور زرد فام لوگ ایک ہی رشتے میں منسلک نظر آتے ہیں اور یہ اسلام کا رشتہ ہے۔ اسلام کی وحدت کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ گورے کالے بڑے چھوٹے اور امیر غریب تعصّبات سے ماورا ہو کر اس دین میں محبت وشفقت اور ایمان افروز روحانی اخوت کی فضا میں سانس لیتے ہیں۔ ویسے بھی تمام انسانوں کو ذی شرف اور یکساں پیدا کیا گیا ہے لہذا میں یہ بات نہیں مانتا کہ کچھ انسانوں کو تو منتخب اور اعلیٰ بنا کر پیدا کیا گیا

جبکہ باقی لوگوں کو پانی نکالنے اور لکڑیاں چیرنے کی مزدوری کے لیے بنایا گیا۔ امیر یا غریب چھوٹا یا بڑا اور سیاہ یا سفید ہونا تو محض ایک اتفاق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں سب انسان برابر ہیں۔ مگر انسان کی بتدریج ترقی اور ارتقا کے باوجود یہ اخلاقی کمزوری اور روحانی بے اعتنائی دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ انسان ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں نہ دوسرے کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہیں۔

مگر اب جبکہ میں نے تعصب اور تضادات پر مبنی اور غلط تعبیرات سے بھرپور روایات کے آہنی بندھنوں سے آزادی حاصل کر لی ہے اور اسلام کی معزز برادری کا رکن بن گیا ہوں، مجھے اپنے اس فرض کا احساس ہوا ہے کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی شان لوگوں کے سامنے بیان کروں۔ میں اپنی طرح شک اور مایوسی میں مبتلا لوگوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس آپ بیتی سے فائدہ اٹھا کر اسلام کے مطالعے پر کچھ وقت اور توجہ صرف کریں۔ یہ آپ کو دنیا کا نیا رخ دکھائے گا جو اس سے پہلے آپ نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا اور توحید پر ایمان اور مساوات انسانی سے رہنمائی حاصل کر کے آپ کو وہ اطمینان وسکون حاصل ہوگا جو اسلام کا خاصہ ہے۔

یہاں میں سیلون (موجودہ سری لنکا) میں اپنے مسلمان بھائیوں بالخصوص جناب اے جے اے قادر کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اسلامی عقیدے کا اعلان کرنے میں میری مدد اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ میں جونہی یہاں پہنچا تو میں نے ان سے رابطہ کیا۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب قادر نے میری گفتگو سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ میں بہت سوچ سمجھ کر اور مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کر رہا ہوں اندھیرے میں چھلانگ نہیں لگا رہا۔ انہوں نے تمام ضروری باتوں کا خیال رکھا اس لیے مجھے ان کے ہاتھ

پر بیعت کر کے قبول اسلام کرنے سے بے حد خوشی ہوئی۔

میں اپنے عیسائی بھائیوں سے یہ گزارش کروں گا کہ میرے اس اقدام پر مجھے حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ ذرا غور سے اسلام کا مطالعہ کریں رواداری سے کام لیں اور دل و دماغ کو تھوڑا سا تبدیل کر کے سوچیں تو انہیں یقین ہو جائے گا کہ عیسائیت کی تبلیغ تعلیم کے مقابلے میں اسلام کی تعلیم و تربیت بدرجہا بہتر اور عظیم الشان ہے۔

[عمر پراوٹ]

قمر القلب، سابق ڈیرل چیمپئن:

میں ایک آسٹریلین نومسلم ہوں۔عیسائیت میں میرا نام ڈیرل چیمپئن (Daryl Champion) رکھا گیا تھا۔ میں نے یکم جون 1984ء بمطابق 3 ربیع الآخر 1404ھ کو سڈنی (Sydney) کی ایک مسجد میں اسلام قبول کیا۔قبول اسلام کے بعد میں نے سڈنی کی تمام مساجد کا دورہ کیا، اور سڈنی میں جس قدر ممکن تھا میں نے اسلام کی امتیازی خصوصیات کا بنظر غائر مطالعہ کیا۔ میرا موجودہ نام قمر القلب ہے اور والدین مجھے ڈیرل چیمپئن کے نام ہی سے یاد کرتے ہیں۔

مین یوسف اسلام (سابق کیٹ سیٹونز (Cat Stevens) نامی مشہور موسیقار نہیں ہوں مگر میرا پیغام یوسف اسلام کے پیغام جیسا ہی ہے۔ میں بھی موسیقاروں کے ایک گروہ کے ساتھ مینجر کی حیثیت سے تین سال وابستہ رہا ہوں بلکہ یہی وابستگی 1983ء کے آغاز میں مجھے جنوبی آسٹریلیا کے دارالحکومت اور میرے آبائی شہر ایڈیلیڈ (Adelaide) سے سڈنی لے آئی۔ میں نے ذرائع ابلاغ میں چار سال کام کیا اور دو سال ایک صحافی کی

حیثیت سے گزارے۔تقریبا تین سال میں نے ایک کاروباری ادارے میں سٹور مین کے طور پر بھی کام کیا۔اب میں معاشی طور پر بے روزگار ہوں اور اسلامی تاریخ اور دیگر کئی مضامین آج کل میرے زیر مطالعہ ہیں۔

آپ کو میرے قبول اسلام کی داستان سے دلچسپی ہے تو یہ عرض کر دوں کہ میں نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اپنے اندر اسے دریافت کیا ہے۔یہ مقررہ وقت پر اللہ کے فضل وکرم سے بغیر کسی دیر کے بہت جلد مجھے نصیب ہو گیا۔مجھے اسلام تو قبول کرنا ہی تھا اور اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اب میں مسلمان ہی ہوں اور ان شاء اللہ میری طرح کئی اور لوگ بھی آئندہ مسلمان ہوتے رہیں گے۔

مسلمانوں کو عمل سے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ قرآن حکیم کی عظیم الشان آیات کی رہنمائی میں انسان بہتر زندگی بسر کر سکتا ہے لیکن اس کے لیے مسلمانوں کو متحد اور منتظم ہونا ہوگا۔ فرقوں سے بالاتر ہونا پڑے گا پرانی عداوتیں تاریخ کی گرد میں دفن کر کے تمام تر توجہ ایک سنہرے مستقبل کی تعمیر پر صرف کرنا ہوگی کہ یہی اللہ کا منشا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ بچپن میں جب میں والدین کے ساتھ کار کی پچھلی نشست پر بیٹھ کر ایڈیلیڈ کی گلیوں میں نکلتا تھا تو شہر کی مسجدوں کے ستاروں سے آراستہ گنبد اور مینار بڑے شوق سے دیکھتا تھا اور اس وقت بھی میرے دل میں ان مساجد کو اندر سے دیکھنے کی تڑپ موجود تھی۔مجھے کان کنی کے اعتبار سے مشہور بروکن ہل (Broken Hill) کے صحرائی قصبے میں اپنے پرائمری سکول کے مطالعاتی دورے کے دوران میں ایک مسجد کو اندر سے دیکھنا بھی یاد ہے اس وقت میری عمر 12 سال تھی۔یہ بظاہر چھوٹی مگر خوب صورت مسجد تقریبا ایک صدی قبل افغان شتر بانوں نے بنائی تھی اور اس میں آ کر مجھے ایسا سکون محسوس

ہوا جو مجھے عیسائیوں کے کلیسا میں بھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں ہائی سکول میں تھا تو میرے دل میں قرآن حکیم پڑھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ یہ خواہش مجھے عجیب سی لگی کیونکہ میری پرورش عیسائیت پر ہوئی تھی مگر میں نے کبھی بائبل نہیں پڑھی تھی۔ میں کبھی بھی ایک مخلص عیسائی نہ بن سکا۔

پھر 12 ماہ بعد میں نے ایک خواب دیکھا اور یقین کیجئے کہ یہ خواب مجھے بالکل حقیقت لگا۔ میں نے دیکھا کہ مجھے ایک ناواقف سپاہی نے قتل کر دیا ہے مگر قتل ہونے سے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی بہت بھاری بوجھ میری پیٹھ سے اتر گیا ہے۔ میں ابھی تک زندہ تھا لیکن میں نے نیچے پڑی ہوئی اپنی لاش دیکھی۔ اس بات کا مجھ پر بڑا اثر ہوا۔ مجھے جسمانی موت کے بعد زندگی کا یقین ہو گیا اور موت کا تمام خوف جاتا رہا۔ میرے خیال میں حقیقت کی جانب میرے سفر کا یہ ایک اور قدم تھا۔ اس خواب کے کچھ ہی عرصہ بعد میں نے دیکھا کہ ایک بہت شدید تاریکی چھا رہی ہے جو آسٹریلیا سمیت پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی ہے۔ حقیقتاً وہ تاریکی اتر چکی ہے اور اب وہ مزید گہری ہوگی۔ اس وقت یہ تاریکی طوفانی رات سے پہلے دھندلاہٹ کی طرح ہے۔ میں نے اپنے آپ سے یہ عہد کیا کہ اس تاریکی سے نجات کے لیے کچھ کر کے دکھاؤں گا۔ یہ گزشتہ سال اکتوبر 1983ء کی بات ہے۔ اللہ عزوجل کے فضل سے میں نے اس عہد کے دو دن بعد ایٹمی اسلحے کے خلاف ایک اجلاس میں شرکت کی تو معلوم ہوا کہ وہاں بیان کردہ حقائق بائبل کی کتاب ''مکاشفہ'' سے لیے گئے تھے۔ اس سے قرآن کے مطالعے کا میرا شوق دوبارہ زندہ ہو گیا۔ مجھے یاد آیا کہ ''دنیا کے خاتمے کے حوالے سے مسلمانوں کے بھی کچھ نظریات ہیں۔ اتفاقاً صرف ایک ہفتے بعد میری ایک مسلمان سے پہلی ملاقات ہوئی۔ میں روز بروز ان سے اسلام کے بارے میں

اپنی معلومات میں اضافہ کرنے لگا۔ معلومات جتنی زیادہ ہوتی گئیں، تجسس بڑھتا گیا اور معلومات کے نئے سے نئے در کھلنے لگے۔

3 ربیع الآخر 1404ھ کو میں نے باقاعدہ اسلام قبول کرلیا۔ میری یہ داستان تبدیلی مذہب کی داستان نہیں بلکہ یوں سمجھیے کہ یہ اسلام کی صورت میں میری اپنی اصل شناخت کی طرف واپسی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب میں بہ حیثیت مسلمان یہ باتیں کہہ رہا ہوں۔ آسٹریلیا کی مسلم آبادی تقریباً ۲۵۰،۰۰۰ ہے۔ ان میں سے صرف دوسو آسٹریلوی نژاد ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آسٹریلیا میں اسلام سے دلچسپی بڑھ رہی ہے اور ان شاءاللہ امید ہے کہ آسٹریلیا دنیا کو اس خواب کی حسین تعبیر دے گا جو مقامی مسلمانوں نے دیکھ رکھا ہے۔

[قمر القلب۔ سابق ڈیرل چیمپئن]

اسلام سے میری وابستگی

علم طب سے وابستہ بطور ڈاکٹر اور فرانس کے کیتھولک خاندان کا فرد ہونے کی وجہ سے میرے منتخب پیشے (طب) ہی نے مجھے ایک ٹھوس سائنسی کلچر دیا جس میں تصوف اور روحانیت کی زندگی کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ میرا اللہ پر یقین نہ تھا بلکہ عیسائیت بالخصوص کیتھولک مذہب کے سخت گیر متعصّبانہ نظریات اور رسم و رواج نے مجھے اللہ تعالیٰ کے وجود کا احساس بھی نہ ہونے دیا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بارے میں میرا جو تصور تھا اس نے مجھے تثلیث اور حضرت عیسیٰؑ کے خدا ہونے پر ایمان لانے سے روک دیا یعنی ابھی میں اسلام سے تو ناواقف ہی تھا مگر نادانستہ میرا کلمہ طیبہ کے پہلے حصے لا الہ الا اللہ'' پر یقین تھا۔ پس اسلام سے میری وابستگی اولاً مافوق الفطرت وجوہ پر مبنی تھی۔ کچھ اور اسباب

نے بھی مجھے اسلام کی طرف راغب کیا مثلاً کیتھولک پادریوں کے اس دعوے کو تسلیم کرنے سے انکار کہ وہ لوگوں کے گناہ معاف کروا سکتے ہیں۔ میں ان کی وہ رسم بھی ناپسند کرتا تھا جسے "Communion" (عشائے ربانی کے تبرکات تناول کرنے کی رسم) کہتے ہیں جس میں وہ روٹی کو حضرت عیسیٰؑ کا جسم تصور کرتے ہیں۔ یہ رسم غالباً زمانہ قدیم کی طوطمی (Totemistic) روایت سے لی گئی ہے جس کے مطابق لوگ اپنے بزرگ کی موت کے بعد اس کا مجسمہ (آٹے وغیرہ سے بنا ہوا) اس خیال سے کھایا کرتے تھے کہ اس طرح ان میں بھی اس بزرگ کی سی خوبیاں پیدا ہوں گی۔

ایک اور بات جس نے مجھے عیسائیت سے برگشتہ کر دیا وہ یہ تھی کہ یہ مذہب جسمانی صفائی بالخصوص عبادت کے وقت جسم کی پاکیزگی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا۔ یہ بات معبود کی توہین کے مترادف ہے کیونکہ جب اس نے ہمیں روح عطا کی ہے تو اس نے جسم بھی عطا فرمایا ہے لہٰذا اسے بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح انسان کی جسمانی زندگی کے بعض دوسرے پہلوؤں کے بارے میں بھی عیسائیت خاموش ہے جبکہ اس معاملے میں میرے خیال میں اسلام پہلوؤں۔، بارے میں بھی عیسائیت خاموش ہے جبکہ اس معاملے میں میرے خیال میں اسلام واحد دین ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے۔ میرے اسلام قبول کرنے میں بنیادی اور حتمی عنصر میرا مطالعہ قرآن تھا جو میں نے قبول اسلام سے پہلے ہی شروع کر دیا تھا۔ یہ مطالعہ میں نے مغربی دانشور کے طور پر تنقیدی نظر سے کیا تھا اور میں جناب مالک بنابی (Mr.Malek Bennabi) کا بے حد ممنون ہوں جن کی شاندار کتاب ''Le Phenomene Coranique'' (حیرت انگیز قرآنی مظاہر) نے مجھے قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا یقین دلایا۔ قرآن حکیم کی کچھ آیات ایسی ہیں کہ اگر

چہ وہ 13 صدیوں سے بھی زیادہ عرصہ قبل نازل ہوئیں مگر وہ انہی نظریات کی تعلیم دیتی ہیں جو آج کی جدید ترین سائنسی تحقیق سکھا رہی ہے۔اس بات نے مجھے مکمل طور پر تبدیل کر دیا اور مجھے کلمہ طیبہ کے دوسرے جزو ''محمد رسول اللہ'' کی طرف متوجہ کیا۔

اسی وجہ سے میں نے 20 فروری 1953ء کو پیرس کی مسجد میں جا کر اپنے قبول اسلام کا اعلان کیا اور مسجد کے مسلمان مفتی نے میرا نام بطور مسلمان کے درج کر لیا۔میرا اسلامی نام علی سلمان رکھا گیا۔میں اپنے دین پر بہت خوش ہوں اور یہ اعلان کرتا ہوں:

''اشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً عبده ورسوله''

[ڈاکٹر علی سلمان بینوئیسٹ۔فرانس]

غزوہ بدر، جرأت وعزیمت واستقامت کا پیغام

مولانا محمد الیاس گھمن صاحب۔سرگودھا

اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین ''دین اسلام'' ہے اور خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سب سے بڑے داعی، مبلغ اور محافظ ہیں۔داعی ہونے کے ناطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت شرق وغرب، شمال وجنوب، عرب وعجم، شاہ وگدا، مرد وعورت، پیر وجواں، آزاد وغلام، کالے گورے الغرض بنی نوع انسانیت کے ہر طبقے تک پہنچائی۔نہ صرف پہنچائی بلکہ پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔اس کے احکام ومسائل، اوامر ونواہی، حدود وآداب اور اصول وقوانین کی تبلیغ صبر وتحمل اور قوت برداشت سے اس انداز میں فرمائی کہ ہر ظلم وستم، وحشت وسربریت، جبر وتشدد، دھونس دھمکیوں حتیٰ کہ قتل کے منصوبوں تک کو کمالِ ضبط وتحمل سے اپنے اوپر سہا۔خدائے رحمان ورحیم کی طرف سے رؤف ورحیم

بن کر اِنذار (محبت کے ساتھ ڈرانے) اور تبشیر (ہمدردی کے ساتھ خوشخبری دینے) کے حسین امتزاج کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فریضہ انجام دیا۔

اللہ کے دین کے محافظ ہونے کے ناطے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی ذمہ داری یہ بنتی تھی کہ اگر کوئی اسلام کو مٹانے کی کوشش کرے یا اہل اسلام سے ان کے بنیادی حقوق کو قوت و طاقت کے نشے میں مست ہو کر سلب کرنے کی جسارت یا حماقت کرے، تو آپ اس کی شر انگیزیوں سے بچانے اور اسلام کے فروغ و نفاذ کیلئے مضبوط، پائیدار، منظم اور مستحکم لائحہ عمل تیار کریں تا کہ دین قیامت کی صبح تک پوری آب و تاب کے ساتھ باقی رہے۔ اگرچہ اسلام باہمی رواداری، بقائے باہمی، محبت و مودت اور انس و اخوت کا حکم دیتا ہے لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ وہ اپنے ماننے والوں کو یونہی بے آسرا چھوڑ دے، ان پر ظلم کے جھکڑ چلتے رہیں، یہ پستے ہی رہیں، مرتے کٹتے رہیں، ان کی مظلوم سسکیاں، مجبور آہیں، مقہور نالے و فریادیں فضاء میں بے نواء ہو کر مر جائیں، فتنہ و فساد پھیلتا رہے، ظالم و جابر قوتیں طوفان ستم بپا کر کے دندناتی پھریں اور مظلوموں بے کسوں، بے قصوروں اور بے گناہوں کا قتل عام، عام ہوتا رہے۔ اسلام یہ ہرگز برداشت نہیں کرتا۔ جیسے اسلام، قبول مذہب کے لیے جبر و اکراہ کا قائل نہیں کہ کسی کو زبردستی مسلمان بنائے اسی طرح کسی اور کو بھی یہ حق نہیں دیتا کہ وہ دین اسلام قبول کرنے والوں کا طاقت سے راستہ روکے بلکہ آزادی رائے و آزادی مذہب کے اس تناظر میں اسلام دنیا کا سب سے معتدل دین ہے۔

اسلام امن و سلامتی کے آفاقی و عالمگیر پیغام کو لیے مکہ سے مدینہ تک پہنچ چکا تھا۔ مدینہ پہنچنے پر عالمی سطح پر بالخصوص عرب کے سیاسی و مذہبی منظر نامے پر بہت تبدیلیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جانثاروں کے ساتھ یثرب کی وادی کو مدینہ

منورہ بنا چکے تھے۔ یہاں آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عسکری حکمت عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے متعدد قبائل کے ساتھ معاہدات صلح و جنگ فرمائے۔ اسلام کو مزید تقویت، مضبوطی اور استحکام پہنچانے کے لیے دور رس فیصلے صادر فرمائے۔ دوسری طرف قریش مکہ اسلام کے فروغ، اہل اسلام کی خوشحالی اور عزت ووقار کو کسی طرح بھی ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرنے کے لیے قطعاً آمادہ نہیں تھے۔ اپنی جنگی قوت کو مضبوط تر بنانے کے لیے معیشت کو مستحکم کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اسلحہ اکٹھا کرنے کی غرض سے دیگر ممالک سے تجارتی تعلقات استوار کر رہے تھے اور اندرون خانہ اسلام کو مٹانے کے لیے فیصلہ کن معرکہ لڑنے کی تیاریوں میں مگن تھے۔

2ھ کے شروع میں قریش کا ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ ابوسفیان بن حرب کی قیادت میں شام کی طرف جا رہا تھا، قافلے میں لاکھوں دراہم کی مالیت کا مال واسباب اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ مسلمان چونکہ مکہ میں قریشیوں کے مہلک جان لیوا مظالم کو سہہ چکے تھے اس لیے وہ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ اگر قریش کی معیشت مضبوط ہو گئی تو وہ اسلام کو مٹانے میں ذرہ برابر تامل نہیں کریں گے چنانچہ حفظ ماتقدم کے اصول کے پیش نظر مسلمانوں نے اس قافلے کو روکنے کی کوشش کی تاکہ کافروں کی عسکری طاقت کی بنیاد ہی مسمار ہو جائے اور انہیں مسلمانوں پر حملہ کرنے کا موقع نہ ملے لیکن قافلہ بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ مسلمان اب اس انتظار میں تھے کہ کب یہ قافلہ واپس آتا ہے؟ قافلے کے واپس ہونے کی اطلاع ملی تو 12 رمضان المبارک 2ھ ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم 313 مسلمانوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے، 60 مہاجرین جبکہ باقی انصار تھے۔ دوسری طرف ابوسفیان کو جب مسلمانوں کی آمد کا علم ہوا تو اس نے ایک تیز رفتار گھڑسوار مکہ کی طرف دوڑایا اور قریش مکہ

کے نام پیغام بھیجا کہ یہی موقع ہے اسلام کی شمع کو ہمیشہ کے لیے بجھا دینے کا۔تم جلدی سے اسلحہ اور سواریوں سمیت پہنچو۔قریش مکہ تو پہلے سے تیار بیٹھے تھے۔کوچ کا نقارہ بجایا اور ایک ہزار سپاہی، 100 سواریاں، تیر وتفنگ، نیزے بھالے، تلواریں، ڈھالیں اور جنگی ہتھیار سے لیس ہوکر مسلمانوں کی طرف بڑھنے لگے۔

بدر مدینہ منورہ سے 80 میل کے فاصلے پر واقع ایک جگہ ہے۔قریشیوں کی فوج نے یہیں پڑاؤ ڈالا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے رائے دریافت کی۔مہاجرین کے سرخیل جناب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے مجاہدانہ تقاریر کیں، جانثاری کا یقین دلایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ کی رائے لی۔قبیلہ کے خزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تشریف لے جائیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہیں، جس سے جیسا چاہیں تعلق نبھائیں، ہم سے جو لینا چاہیں یا ہمیں کچھ دینا چاہیں ہم ہر طرح تیار ہیں، جو حکم فرمائیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ ہیں، بدر کیا ہے، اگر آپ برک غماد تک بھی جائیں ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہیں گے، اگر آپ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں ہم بلا چوں چرا کود پڑیں گے۔

اس کے بعد حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: ہم قوم موسیٰ جیسی بے وفا قوم نہیں جنہوں نے اپنے نبیؑ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جا کر لڑو ہم یہیں بیٹھے ہیں بلکہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں، آگے پیچھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کریں گے، ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش ہوئے اور بدر کے قریب ایک چشمے پر پڑاؤ

ڈالنے کا حکم دیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے مشورے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے عریش (چھپر) بنوایا گیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے جنگی صورتحال کو بچشم خود ملاحظہ فرما سکیں۔ آج کل اس جگہ ایک مسجد ہے۔ جسے ''مسجد عریش'' کہا جاتا ہے۔ 16 رمضان المبارک کو دونوں فوجیں پڑاؤ ڈال چکی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات بھر بارگاہ ایزدی میں دعا و مناجات کرتے رہے۔ بالآخر وہ وقت آن پہنچا جب بدر کا میدان رزم حق و باطل کا استعارہ بن گیا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جرأت و شجاعت، بہادری و جانبازی ،اللہ کی مدد اور نصرت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین عسکری حکمت عملی کی مثال کے طور پر تاریخ عالم میں جانا جاتا ہے۔

17 رمضان المبارک، 2 سنہ ہجری کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی صف بندی کی اور دست رحمت کو بارگاہ رحمت میں دراز کرتے ہوئے التجاء کی: اے پرودگار! جو آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اسے پورا فرما۔ آج اگر یہ مٹھی بھر جماعت مٹ گئی تو تا قیامت آپ کی عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہوگا۔ یہ صبر آزما امتحان تھا۔ مسلمانوں کے تلواروں کے نیچے ان کے قلب و جگر کے ٹکڑے اور بزرگ بھی آ رہے تھے لیکن اسلام کی محبت رشتوں کی محبت پر غالب تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تلوار ان کے بیٹے پر بے نیام ہوئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تلوار اُن کے ماموں کے خون سے رنگین ہوئی، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی تلوار اپنے والد عتبہ پر تن گئی، قریش کے سپہ سالار عتبہ پر حضرت حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے کاری ضرب لگائی، شیبہ کو حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی ذوالفقار نے 2 ٹکڑوں میں تقسیم کیا، عبیدہ بن سعید کو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جہنم رسید کیا، 2 انصاری بچوں حضرت معوذ اور معاذ رضی اللہ عنہما نے ابوجہل کے غرور کو زمین بوس کیا، عکرمہ بن ابی جہل

نے حضرت معوذ رضی اللہ عنہ پر تلوار سے حملہ کیا جس سے ان کا بازو کندھے سے لٹک گیا لیکن شیر دل مجاہد اسلام پھر بھی لڑتے رہے۔ جب لٹکا ہوا بازو دشمن پر حملے کرنے سے رکاوٹ بنا تو حضرت معوذ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے رکھ کے ایک جھٹکے سے جھٹک دیا۔ ابوجہل کے مرنے سے قریش مکہ کی ہمت کافی حد تک پست ہوگئی، ان کے حوصلے جواب دینے لگے تھے لیکن ان کی ایک امید ابھی باقی تھی یعنی سردار امیہ بن خلف۔

پھر چشم فلک نے وہ نظارہ بھی کیا جب بلال پر ستم ڈھانے والے امیہ کے جسم کو نیزوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ دشمن کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی فوج اتری، کفر کے سرداروں کی لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ ابوجہل، امیہ بن خلف، عتبہ، شیبہ، ولید، زمعہ بن اسود، عاص بن ہشام، منبہ ابن الحجاج اور ابوالبختری کے ناپاک وجود سے اللہ کی زمین پاک ہوگئی۔

70 کفار مارے گئے، 70 کو قیدی بنا لیا گیا جبکہ باقی دُم دبا کر بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ دوسری طرف 14 مسلمان جام شہادت نوش کر گئے۔ قیدیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی عقیل اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ابوالعاص بھی تھے۔ اب یہ مسئلہ پیش آیا کہ ان قیدیوں کے ساتھ کیا کیا جائے؟ اِس وقت قیدیوں سے جو وحشیانہ سلوک ہوتا ہے اس پر تاریخ کے اوراق نوحہ کناں ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایسا رحم وکرم کا سلوک کیا کہ تاریخ انسانی میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ قیدیوں کو صحابہ کرامؓ میں تقسیم کر دیا گیا اور ان سے حسن سلوک کا تاکیدی حکم بھی سنا دیا گیا۔ صحابہ کرامؓ بھی اپنے جان کے دشمنوں سے ایسے کریمانہ سلوک سے پیش آئے کہ خود کھجوروں پر گزارہ کر کے قیدی بھائیوں کو کھانا کھلاتے۔

ایک قیدی ابوعزیز کا بیان ہے کہ میں جس انصاری کے ہاں قید تھا، وہ صبح وشام میرے سامنے کھانا رکھتے، روٹی اور سالن وغیرہ میری طرف رکھتے اور خود چند کھجوریں کھا کر گزارہ کر لیتے۔ مجھ کو شرم آتی۔ میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ اسے ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھے واپس کر دیتے۔

انہی قیدیوں میں ایک شخص سہیل ابن عمرو بھی تھا جو بلا کا خطیب تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کر کے لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق رائے دی کہ اس کے نچلے 2 دانت اکھاڑ دیئے جائیں تا کہ تقریر نہ کر سکے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے منظور نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ جن قیدیوں کے کپڑے خراب ہو گئے یا پھٹ گئے ان کو کپڑے دینے کا حکم دیا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا قد قدرے لمبا تھا۔ کسی اور کا کرتہ ان کے بدن پر پورا نہیں آتا تھا تو عبداللہ بن ابی منافق نے اپنا کرتہ دیا۔ احادیث میں آتا ہے کہ جب یہ منافق مرا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کفن کے لیے اپنا کرتہ دیا جو اسی احسان کا بدلہ تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ لیا کہ ان قیدیوں کا کیا کیا جائے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جھٹلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر سے نکالا، ہمیں اجازت دیجیے کہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ اسکے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی زیادہ سخت رائے دی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے علاقے میں ہیں جہاں لکڑیاں بکثرت ہیں۔

آپ جنگل میں آگ لگوا کر ان کو اس میں ڈال دیں۔ سب سے آخر میں مزاج شناسِ رسولؐ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والے ہیں۔ انہیں زندگی کی مہلت دیں، توبہ کرائیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ کو قبول فرمائیں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ ان سے کچھ فدیہ لے کر آزاد کر دیا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر اٹھ کر چلے گئے، تھوڑی دیر بعد واپس تشریف لائے اور فرمایا: اے ابوبکر! تمہاری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے فرمایا تھا: جس نے میری اتباع کی وہ مجھ سے ہے۔ اے ابوبکر! آپ کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے فرمایا تھا: اے اللہ اگر تُو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر معاف کر دے تو تُو بخشنے والا ہے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے عمر! تیری مثال حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے فرعون کے لیے اللہ سے بددعا کی تھی۔ اور اے عمر! تیری مثال حضرت نوح علیہ السلام جیسی ہے جنہوں نے اپنی قوم کی ہلاکت کے لیے یوں بددعا کی تھی: اے اللہ! کافروں کا ایک بھی گھر زمین پر باقی نہ چھوڑ (ان سب کو ہلاک کر دے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا: اس وقت تم ضرورت مند ہو اس لیے ان قیدیوں کو (ان کی حیثیت کے مطابق) فدیہ وصول کر کے انہیں چھوڑ دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جن کے پاس مال تھا ان کی حیثیت کے مطابق فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا اور جن کے پاس مال نہیں تھا ان سے کہا گیا کہ ہر قیدی مسلمانوں کے 10، 10 بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے۔ ان کا یہی فدیہ ہے۔

غزوہ بدر کے واقعے نے یہ ثابت کر دیا کہ ثابت قدمی، جذبہ جہاد، شوق شہادت، اطاعتِ امیر سے کڑے حالات کو اچھے حالات کی طرف موڑا جا سکتا ہے، محض دنیاوی وسائل، آلات جنگ اور سپاہیوں کی کثرت ہی جنگ جیتنے کے لیے کافی نہیں ہوتیں۔

ختم شد جلد اول